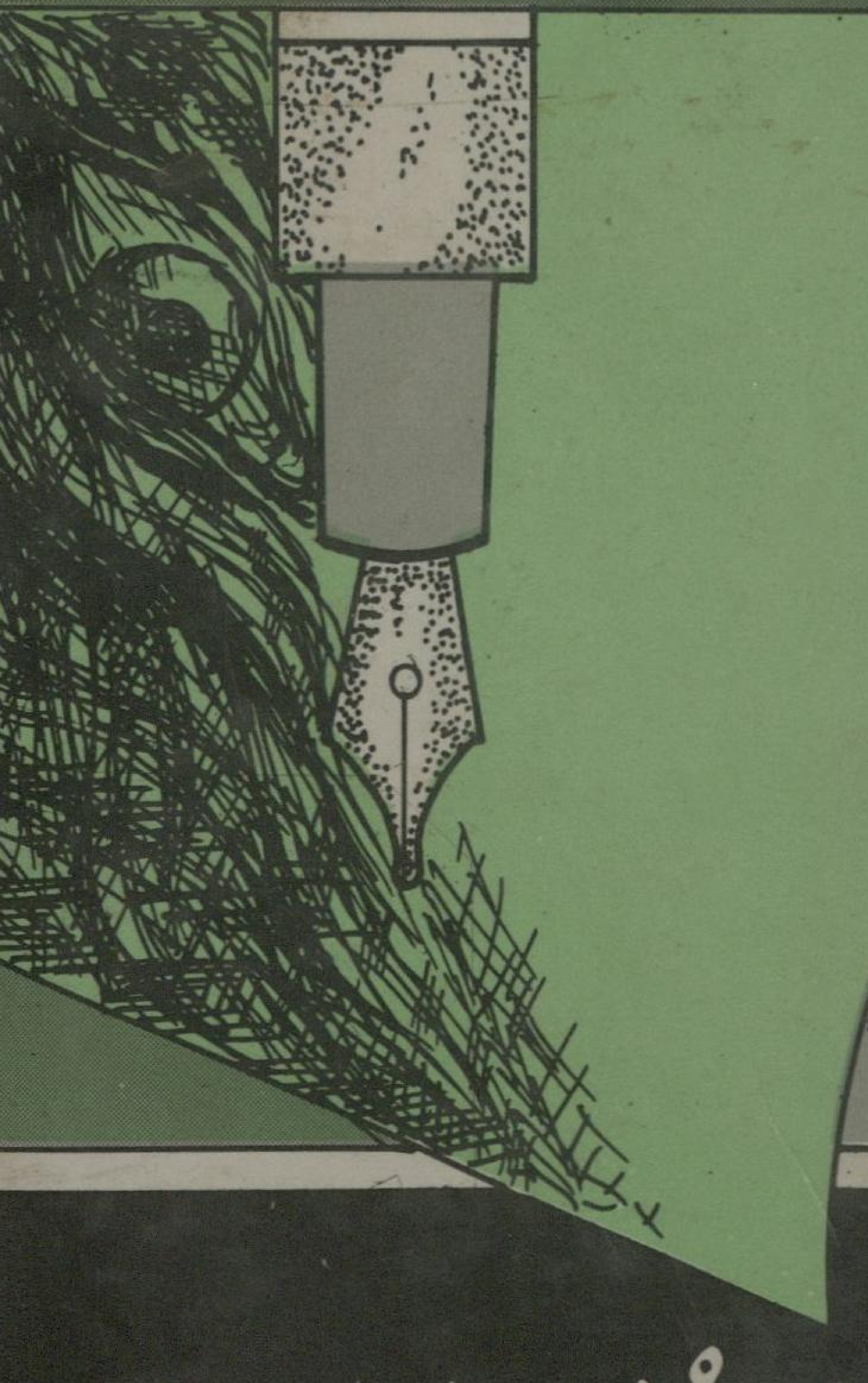
تدریس اردو



ایس ایم شاہ

گلوب پبلشرز، اُردو بازار، لاہور

تدریس اردو

(زیر تربیت اساتذہ)

ایس۔ ایم۔ شاہد

شعبۂ تعلیم اساتذہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

گلوب پبلشرز۔ اردو بازار۔ لاہور

ناشر ——— رشید نظامی
مطبع ——— نظامی پریس لاہور
قیمت ———

اِنتساب

نہایت احترام کے ساتھ

استادِ گرامی

"سلیم فارانی"

کے نام

پیش لفظ

اللہ تعالےٰ کا بے انتہا شکرگذار ہوں کہ اس نے مجھے "تدریس اردو" پر کام کرنے کی ہمت دی۔ میں اللہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دعاگو ہوں کہ وہ مجھے بہتر سے بہتر طور پر طلبہ کی علمی خدمت کی توفیق دے۔

اس دور میں جب کہ لوگوں کے ذہن متحرک ہو گئے ہیں۔ نئے نئے دریچے وا ہو گئے ہیں۔ لاکھوں امکانات تاریکی سے نکل کر باہر آ گئے ہیں اس لیے تعلیم و تعلّم کے مسئلے میں بھی وسعت آ گئی ہے۔ لہٰذا تدریس اردو کے لیے بھی یہ امکان کھُل کر سامنے آ گیا ہے کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر نزبیتی تعلیم گاہوں میں درس و تدریس کے لیے کون کون سے طریقے متعین کیے جائیں، لسانی و ادبی موضوعات سے طلبہ کو کس طرح روشناس کرایا جائے اور کون کون سے ادبی و لسانی موضوعات طلبہ کو سکھانے کی خاص ضرورت ہے۔ یہ ایک بڑا اور اہم کام ہے، جس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے۔

مفکرینِ عالم نے قوّت، جرأت، ذکاوت اور ذہانت و ادراک پیدا کرنا بھی

تعلیم کا مقصد بتایا ہے۔ اس مقصد کو تربیتی دانش گاہوں میں عملی طور پر حاصل کرنے کے لیے اساتذہ کو درس و تدریس میں ہمہ جہتی طور پر کوشش کرنا ہوگی اور تدریسی شخصیتوں کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرنی ہوں گی کہ وہ اساتذہ کی خوبیوں اور خصوصیتوں پر عبور حاصل کریں۔ ایک تدریسی شخصیت کو لسانیات کے اصول و ضوابط سے پوری آگاہی ہونی چاہیے تاکہ ادبی مضامین کے درس و تدریس میں لسانی اصولوں کو بھی مدّ نظر رکھے کیونکہ اساتذہ کی شخصیت مختلف تعلیمی امور کی تحقیق و کدو کاوش میں کامیابی کے بعد ہی لائق و فائق کہلا سکتی ہے یا اساتذہ قابلِ قدر بن سکتے ہیں، جب کہ وہ ماہر زبان و ادب، ماہر لسانیات نیز ماہر ادبی و لسانی مسائل بھی ہوں تاکہ وہ ہر قسم کے تعلیمی مسائل کا حل تعلیم گاہوں میں طلبہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس اہم ضرورت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب کو چودہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پھر ان میں شامل مختلف جزئیات پر بحث کی گئی ہے۔ ان سب مباحث کا تعین طلبہ کی ضروریات کے عین مطابق کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود کتاب میں خامیاں ضرور ہوں گی جس کے لیے مثبت تنقید میرے لیے باعثِ فخر ہوگی کیونکہ اس سے کتاب آئندہ بہتر شکل اختیار کر جائے گی۔

اس کتاب کی تالیف میں بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا گیا جن میں سے چند کا ذکر آخر میں کتابیات کی صورت میں کر دیا گیا ہے۔ میں ان تمام مصنفین و مؤلفین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے شہ پاروں سے میں نے خوشہ چینی کی خصوصاً ڈاکٹر سلیم فارانی، اسحاق جلال پوری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اصغر علی شیخ، ڈاکٹر مظفر حسن، ڈاکٹر صدیق خان شبلی اور نذیر احمد تشنہ کا بے حد شکریہ!

اس کتاب کی تیاری میں میرے اساتذہ اور احباب نے بہت مدد و رہنمائی کی۔ میں شکر گذاری اور محبتوں کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ اساتذہ گرامی ڈاکٹر

مشتاق احمد گوراہا، ڈاکٹر ذوالکیف احمد، ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن صدیقی، بشیر محمود اختر، اور منور ابنِ صادق نے بڑی محبت سے رہنمائی فرمائی۔

اپنے احباب خصوصاً پروفیسرز تنویر الزمان، عارف محمود، علی کامران، رحیلہ رابعہ انجم، ناعمہ حسن، سیمیں اور نجمی کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے بڑی فراخدلی سے اعانت فرمائی۔

اپنے بے حد اچھے طلبہ شبانہ، عظمیٰ، نسیم، فروہ، عارفہ، شہناز، ایس گل، انور اور فیض احمد ساغر کا بھی بہت بہت شکریہ، جنہوں نے سارے مواد کی ترسیل اور مسودے کی نقل میں اہم کردار ادا کیا۔ خدا ان کے علم و عمل میں برکت دے۔

آخر میں سب سے بڑھ کر ناشر رشید نظامی کا شکریہ، جن کی ذاتی کاوش سے کتاب نے اشاعت کے مراحل طے کیے۔

ایس ایم شاہد

شعبہ تعلیم اساتذہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد

یکم جنوری ۱۹۸۸ء

ترتیب

مقدمہ

قومی تشخص میں زبان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ زبان ہی قومی عظمت کی علامت سمجھی جاتی ہے کہ اسی میں قومی مزاج بنتا ہے اور قوم زبان کے حوالے سے اور زبان قوم کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ قوم اور زبان ہم معانی قرار پاتے ہیں۔ اس طرح قوم اور زبان ردیف قافیہ بن کر ایک حسین قومیت کو جنم دیتے ہیں۔

قوم کی پرکھ زبان سے ہوتی ہے۔ زبان چند صوتی کلمات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا قوم کی تاریخ، ثقافت اور مذہب سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ قوم اپنی زبان کے بل بوتے پر ماضی پر فخر، حال کے لیے جوش و خروش اور مستقبل کے لیے امید کی جوت جلاتی ہے۔

زبان ثقافت کی ترجمان ہوتی ہے۔ اس کا مزاج ثقافت کے مزاج سے بنتا ہے اس کی لوچ، وسعت، اندازِ بیاں، محاورات، ضرب الامثل، صنائع بدائع، تشبیہات، استعارات اور اشارے کنائے سب ثقافت کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ ثقافت کا تحریری ریکارڈ قوم کا لٹریچر ہوتا ہے جس سے ثقافت کی افتاد طبع افراد کے مزاج اور کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔

زبان لطیف سے لطیف انداز کو پیش کرتی ہے۔ افراد کی عادت کے بننے بگڑنے، افعال کو سنوارنے، خیالات کو درست سمت دکھانے اور افراد کی کانٹ چھانٹ کا ذمہ زبان کا ہوتا ہے۔ زبان افراد کو کسی ثقافت کے رکن ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ جب کوئی فرد ثقافت سے انحراف کرتا ہے تو زبان نقد سے اسے ثقافت کی پاسداری کا سبق یاد دلاتی ہے۔

مذہب قوموں کے اندر جذبۂ اخوت، یگانگت اور اتحاد و تنظیم کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مذہب ہی اقوام میں مقصدِ حیات کا تعین کرتا ہے۔ جب لوگوں کا مقصدِ حیات پر اتفاق ہو جائے تو ایک نظریہ قوم پوری زندگی کا احاطہ کر لیتا ہے۔ یہی نظریہ قوموں کا نصب العین قرار پاتا ہے لیکن ان تمام مراحل کو نکتہ ارتکاز پر لانے والی زبان ہوتی ہے۔ زبان ثقافت، مذہب اور تاریخ کی روح ہے، جس سے قوم کا نظریاتی وجود بنتا ہے۔

زبان قومی و نظریاتی قدروں کو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچاتی ہے۔ ہم مر جاتے ہیں لیکن ہمارے خیالات زندہ رہتے ہیں۔ افراد مرتے ہیں لیکن قوم زندہ رہتی ہے۔ قوم کو زندہ رکھنے والی زبان ہے۔ زبان دو نسلوں کے درمیان وسیلہ ہے جس کے ذریعے ایک قوم کی نظریاتی قدریں نسل در نسل آگے چلتی ہیں۔

زبان جذبہ حب الوطنی کو جنم دیتی ہے۔ حب الوطنی سے یکجہتی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس سے قوم میں مشترکہ جذبات ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جذبات کی ہم آہنگی سے افراد میں گہرا لگاؤ اور تعلق پیدا ہوتا ہے۔ پوری قوم ایک خاندان بن جاتی ہے۔ جس کیفیت سے ایک فرد دوچار ہوتا ہے، ویسی ہی قوم کے سب افراد محسوس کرتے ہیں۔

پاکستان میں جس زبان کی جڑیں پاکستانی ثقافت، مسلم تاریخ اور دین حنیف میں زیادہ گہری ہیں، وہ اردو ہے۔ اردو تحریک پاکستان میں نظریۂ پاکستان کی محرّک ہے۔ اس سے ہندی مسلم ایک قوم بن کر قومیت میں داخل ہوئے۔

" اردو کو تحریک پاکستان میں بنیادی اہمیت حاصل ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے اردو کی بدولت ہی اسلامیانِ ہند کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی ثقافت اور جداگانہ قومیت محفوظ نہیں ہے۔ اردو کے

بارے میں ہندوؤں کے معاندانہ رویّہ نے سرسیّد کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ برِّصغیر میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں اور ان کے راستے الگ ہیں۔"

سیّد ذاکر اعجاز

اردو زبان نے بھی ہندی مسلم کی طرح ظلم سہے۔ جس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود خطرہ میں تھا اسی طرح اردو کو بھی خطرہ لاحق تھا۔ ہندی مسلم اور اردو ایک ہی وجود کا نام تھا اور ہندی اس وجود کو ملیا میٹ کرنے کے درپہ تھا۔ پاکستان بنا اور یہ وجود خاک و خون سے گذر کر اس خطہ میں منتقل ہو گیا۔

پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ تھا یعنی اسلامی معاشرہ کا قیام، جس میں اسلام کا نظامِ عدل و انصاف ہوگا۔ اسی تمنّا نے ہندی مسلم کو پاکستان حاصل کرنے کا حوصلہ دیا۔ اردو بھی خوش تھی کہ اس کا اپنا وطن ہوگا جس میں وہ راج کرے گی۔ قومی زبان بن کر پاکستان کی ملکہ کہلائے گی، لیکن شاید اسے بھی ہندی مسلم کی طرح مایوسی ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ اردو یہاں کے اکثر لوگوں کی مادری زبان نہیں، لیکن مقامی زبانوں سے اس کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ قومی زبان قرار پانے کے بعد اس کا رشتہ مقامی زبانوں سے اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔

اردو دنیا میں زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔ اس میں سائنسی گتھیاں سلجھانے، مادے سے ماورا کو قابلِ فہم بنانے، عقلی اور نقلی علوم سے لے کر وارداتِ قلبی تک کے تمام مضامین کو بنانے کا دم خم موجود ہے۔ ایک صدی پہلے "سائنٹفک سوسائٹی" نے سائنسی مضامین کو اردو میں منتقل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اردو تہی دامن نہیں ہے۔ آج تو ماشاء اللہ یہ زبان جوان ہے۔

اردو میں جذب و قبول کی خاصیت سب زبانوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کی ابتداء ریختہ سے ہوتی ہے جس کے معانی مختلف زبانوں سے ریختہ ہو کر آراستہ ہونے والی زبان ہے۔

لشکری زبان کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اس ریختہ دگری پڑی، زبان کو بھانت بھانت کی بولیوں سے ریختہ کیا جائے۔ سو ایسا ہی ہوا، اور یہ زبان ہر زبان کے الفاظ کو یوں سمیٹتی چلی گئی جیسے یہ اس کی مالا کے اپنے ہی موتی ہوں۔

جس طرح اب ہم پاکستان میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ اسی طرح اُردو کو بھی قومی زبان کے مقام پر لا کھڑا کرنے کے متمنی ہیں۔ لیکن انگریزی اقدار و روایات برّصغیر میں اتنی گہری تھیں کہ ہمیں سنبھلتے سنبھلتے چالیس سال بیت گئے ہیں۔ اب کچھ آندھی تھمی ہے اور ہمیں اپنے دامن کی فکر اور ہوش آیا ہے۔ انشاء اللہ ہم جلد جادۂ مستقیم پر گامزن ہو کر منزل کو پا لیں گے۔

زیرِ نظر کتاب ایس ایم شاہد نے تالیف کی ہے۔ موصوف نے کتاب کو معیاری بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میں نے کتاب کو بی۔ ایڈ نصاب کے مطابق پرکھا اور اس میں "صحت املا" اور "ذخیرہ الفاظ" کا اضافہ کیا۔ اب ہر اعتبار سے بی ایڈ "تدریسِ اُردو" کے جملہ تقاضوں کو پوری کرتی ہے۔

مصنف موصوف نے جس عرق ریزی اور محنت شاقہ سے کتاب کو معلوماتی بنایا ہے وہ موصوف کا ہی حصّہ ہے۔ میں اس پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں اور ان کے کام میں برکت کی دُعا کرتا ہوں۔

کتاب یقیناً خوبصورت ہے اور گلوب پبلشرز کی کتب معلوماتی اور دیدہ زیب تو ہوتی ہیں۔ قاری ناسازیٔ طبیعت کے باوجود کتب کی ورق گردانی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس اعلےٰ معیار کے لیے میں رشید نظامی کا ممنون ہوں جن کی خصوصی توجّہ سے کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

الحمد للہ ربّ العالمین

ڈاکٹر سید عبداللہ

۳۰ر نومبر ۱۹۸۵ء

المائن اردو نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور

باب ۱ تدریس کی ماہیت

تدریس عربی زبان کا لفظ ہے جو درس سے نکلا ہے جس کے معنی "سبق" کے ہیں۔ تدریس باب تفعیل کا صیغہ ہے جس کے معنی درس دینے یا سبق پڑھانے کے ہیں اور اس سے مدرس بھی ہے جس کے معنی درس دینے والا ہے۔ اس طرح تدریس اس عمل کا نام ہے جس میں مدرس مواد درس اپنے طلبہ تک پہنچاتا ہے۔ اس طرح بظاہر تدریس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد تک نفس مضمون یا موادِ درس پہنچا رہا ہے لیکن حقیقت میں تدریس سے مراد اس سے کچھ زیادہ ہے۔ تدریس نہ تو صرف معلومات بہم پہنچانے کا نام ہے اور نہ مشورہ دینے کا بلکہ تدریس ایک ایسا طریقۂ کار ہے جس کے ذریعے سے کسی گروہ کے تجربہ کار اراکین اپنے ناپختہ اور کم عمر اراکین کو زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے رہنمائی کر کے انہیں اپنی دنیا پر قدرت حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔

الغرض تدریس کے معنی درس دینا، بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا یا مختلف علوم و فنون میں مہارت پیدا کرانا ہے۔ تدریس کے ذریعے سے معلم ایک تدریج سے بچوں کو طرح طرح کی معلومات فراہم کرتا ہے انہیں مختلف باتیں جاننے سیکھنے یا کرنے کا موقع دیتا ہے اور مستقبل کی زندگی کے لیے انہیں تیار کرتا ہے۔

گویا تدریس کا کام اس وقت سرانجام پاتا ہے جب کہ :-

(۱) کوئی سیکھنے والا ہو یعنی طالب علم
(۲) کوئی سکھانے والا ہو یعنی معلم
(۳) کوئی چیز جو سکھائی جائے یعنی مضامین مواد
(۴) مقصد یعنی درس اور طالب علم کی زندگی میں مطابقت تاکہ طالب علم استاد سے جو بھی ہنر حاصل کرے وہ اس کی آئندہ زندگی میں کام آئے۔ گویا تدریس کے ذریعے معلم، طالب علم اور مضامین مواد میں ربط قائم کرتا ہے۔

مختلف ماہرین نے تدریس کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں :-

(۱) یوک ہن اور سمپسن اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں :۔

"تدریس وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے معاشرہ اپنے نوجوانوں کی ایک محدود ماحول میں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ تربیت کرتا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کریں"

(۲) رائے برن کے خیال میں :۔

"تدریس میں ہیجان کی تربیت کی گنجائش موجود ہوتی ہے"

(۳) برٹن کے نزدیک :۔

"تدریس بچے کو ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے عمل میں مدد دینے کا نام ہے"

(۴) تھامسن کے مطابق :۔

تدریس طلبہ کے لیے ترغیب ۔ رہنمائی ۔ ہدایت اور آموزش کی ہمت افزائی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ایک ایسی امدادی شے ہے جو بچے کو موثر انداز میں اس کے ماحول کے مطابق ردعمل کے لیے تیار کرتی ہے ۔

(۵) جیمز کالن کے قول کے مطابق :۔

تدریس اور آموزش لازم و ملزوم ہیں ۔ اس سے طلبہ میں ذہنی سرگرمی یا ذہنی تیاری پیدا ہوتی ہے"

(۶) سکنر کے نزدیک :۔

"کسی کو معلومات اور علم دینے کا عمل ہی تدریس کہلاتا ہے"

(۷) گڈ کے الفاظ میں :۔

"تدریس مواقع، حالات اور مفاہمتوں کے اہتمام کا ایسا عمل ہے ۔ جس سے لوگوں کی تعلیم میں آسانی پیدا ہو"

تدریس سے متعلق مندرجہ بالا تعریفوں اور وضاحت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تدریس نام ہے معلم ۔ متعلم اور درسی مواد کے درمیان ایک ہم آہنگ رشتے کے قیام کا ۔ جس کے ذریعے سے معلم اپنے تمام طلبہ تک مفید معلومات بہم پہنچاتا ہے اور انہیں ان معلومات کو سمجھنے اور سیکھنے پر آمادہ کرتا ہے تاکہ طلبہ اپنے ماحول سے مطابقت حاصل کر سکیں ۔ اسی دوران میں معلم سرگرمیوں کی مدد سے ان کے جذبات اور احساسات کی تربیت بھی کرتا ہے ۔

نظریات تدریس

تدریس کے متعلق دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں ۔

؎ حامد میر اقبال، علم التعلیم ص ۲۰

(۱) قدیم نظریہ تدریس (۲) جدید نظریہ تدریس

۱۔ قدیم نظریہ تدریس

اس کے مطابق تدریس کا مفہوم یہ تھا کہ بچوں کے ذہنوں میں معلومات ٹھونس دی جائیں تاکہ جب عملی زندگی میں ضرورت پڑے۔ اُن کو نکال کر استعمال کریں۔ یہ نظریہ روایت پرستی پر مبنی تھا۔ اس کا مقصد بچے کو محض بالغ کر کے ذمہ داریاں سونپ دینا تھا۔ اس سلسلے میں بچوں کو کچھ معلومات بہم پہنچانا کافی سمجھا جاتا تھا لیکن اس میں طلبہ کی فطرت اور انفرادیت کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اس میں کچھ مضامین نصاب میں شامل ہوتے تھے: بچوں کو ریاضی کے کلیئے، گرامر کی تعریفیں، تاریخ و جغرافیہ کی بے ربط و خشک معلومات رٹوا دی جاتی تھیں، تاکہ ذہنی ضبط حاصل ہو۔ جماعت کے تمام بچوں کو ایک ہی سطح پر رکھ کر ایک جیسی تعلیم دی جاتی تھی۔ اِن کی انفرادیت کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا تھا: بچوں کی صلاحیتوں، رجحانات، استعداد اور میلانِ طبع کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ سب کو ایک ہی قسم کی معلومات بہم پہنچائی جاتی تھی اور ایک ہی سبق حفظ کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ طریقہ تدریس درسی کتب تک محدود تھا۔ اس میں استاد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کا رویہ سخت اور بے لچک ہوتا تھا۔ وہ طلبہ کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی بجائے لعن طعن سے کام لیتا تھا۔ طلبہ محض خاموش سامع اور تماشائی ہوتے تھے۔ اُن کا تدریس میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان وسیع خلیج حائل ہوتی تھی۔ تدریس کا مقصد بچوں کے ذہنوں میں معلومات بھر دینا تھا۔ افہام و تفہیم کی بجائے حکم کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی تھی۔

۲۔ جدید نظریہ تدریس

تدریس کا جدید نظریہ ترقی پسند اور جمہوری ہے۔ اس میں طلبہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اِس میں تدریس کا مقصد محض بچوں کی ذہنی نشوونما ہی نہیں بلکہ اُن کی مکمل نشوونما ہے۔ اس میں تعلیم کے ہر مرحلے پر بچوں کی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ انہیں صرف آئندہ زندگی کے لیے ہی تیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اُن کی موجودہ نفسیاتی ضرورتیں پوری کرنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ قدیم نظریے کے برعکس استاد کی جگہ بچوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود استاد کی اہمیت کم نہیں ہوتی بچے اپنے ہاتھ سے کچھ کرتے اور سیکھتے ہیں استاد اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ استاد کوئی اجنبی اور غیر مانوس شخصیت نہیں ہوتا۔ وہ مختلف قسم کی سرگرمیاں ترتیب دیتا ہے جس پر طلبہ عمل کر کے دلچسپی کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق استاد اپنی شخصیت کو طلبہ پر مسلط نہیں کرتا بلکہ خود پس منظر میں رہتا ہے اور طلبہ آزادی کے ساتھ اپنی رفتار سے ترقی کرتے ہیں۔ استاد کا کام طلبہ کی رہنمائی ہوتا ہے۔ وہ اُن کی سرگرمیوں کو ٹھیک راستے پر لگائے رہتا ہے۔ وہ طلبہ کو معلومات رٹنے پر مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کے لیے مناسب ماحول پیدا کرتا

ہے اور عملی سرگرمیوں کے ذریعے سے طلبہ کی انفرادی صلاحیتوں کی نشوونما کا بندوبست کیا جاتا ہے فرسودہ طریقہ کار میں محض درسی کتابوں کی تدریس پر زور دیا جاتا تھا۔ لیکن جدید تقاضوں کے مطابق استاد کو بچوں کی عمر، اُن کی ذہنی استعداد، رجحانات میلانات، کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اس خیال کو اب سختی سے رد کر دیا گیا ہے کہ سختی سے بچے کی تربیت آسان ہو جاتی ہے۔ سختی اور تشدد سے بچے کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔ استاد کا کام روایتی طریقہ تدریس کی نسبت آسان نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مشکل ہو جاتا ہے اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اسے بچوں کی نفسیات کے مطابق اُن کی صلاحیتوں اور استعداد و رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے سرگرمیوں کا انتظام کرنا اور رہنمائی کرنا ہوتا ہے جو کافی مشکل کام ہے۔

جدید نظریہ تدریس کے مطابق بچے میں اچھی عادتیں پیدا کرنے اور مہارتیں سیکھنے میں اس کی مدد کرنے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ بچے کی قوت فکر کو ترقی دی جائے۔ تاکہ وہ سوچ سمجھ کر فیصلے کر سکے اور زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس میں خود اعتمادی پیدا ہو۔ وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا سیکھ جائے۔ اس طرح معاشرتی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

جدید نظریہ تدریس میں کردار کی تشکیل اور سیرت بنانے کی طرف دھیان دیا جاتا ہے۔ بچوں کو کھیل کود کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ وہ مدرسے کی مختلف سرگرمیوں میں شریک ہو کر اپنے رجحانات و میلانات کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف اُن کی نشوونما ہوتی ہے بلکہ ذہنی، اخلاقی روحانی اور ہمہ گیر تربیت بھی ہوتی ہے۔ طلبہ کو علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ عمل کی طرف بھی راغب کیا جاتا ہے۔ اور اُن کو معاشرے کا مفید اور کارآمد رکن بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

موازنہ

تدریس کے دونوں طریقوں میں کافی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔ قدیم نظریے میں استاد کو مرکزی مقام حاصل تھا لیکن جدید نظریے کے مطابق استاد پس منظر میں رہتا ہے اور طالب علم کو مرکزی مقام حاصل ہے یہ بات صحیح ہے کہ معاشرتی علوم جیسے مضامین کے سلسلے میں جدید طریقہ تعلیم بے حد مفید ثابت ہوا ہے دیگر مضامین کے سلسلے میں کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ مثلاً بنیادی مہارتوں کی تدریس میں پرانا طریقہ ہی کامیاب ثابت ہوا ہے۔ طلبہ کو آزادی کے ماحول میں تعلیم دینا اپنی جگہ ٹھیک ہے پھر بھی بنیادی مہارتوں کے مقابلے میں پرانا طریقہ ہی بہتر ہے۔ پرانا طریق تدریس بالکل ناکارہ اور فضول نہیں۔ اس کی اہمیت اب بھی اپنی جگہ ہے۔ اُستاد کو چاہیے کہ وہ موقع محل کی مناسبت سے دونوں طریقوں کو کام میں لائے اور دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔[1]

---

[1] ایس ایم شاہد، یونٹ برائے پی ٹی سی، اے آئی او یو، اسلام آباد

تدریس کی اقسام

تدریس کی دو اقسام ہیں :-

(الف) رسمی تدریس (ب) غیر رسمی تدریس

رسمی تدریس

رسمی تدریس وہ تدریس ہے جو سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں باقاعدہ ایک پروگرام کے مطابق دی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسی تدریس جو کسی اصول، قانون اور معین کردہ مقاصد کے تحت دی جائے "رسمی تدریس" کہلاتی ہے۔ بچے میں جب تھوڑا بہت شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ تو والدین اُس کے بہتر مستقبل کے لیے اور ذہنی نشو و نما کے لیے اپنی ذمہ داری تعلیمی اداروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تعلیمی ادارے رسمی تدریس کا اہم مرکز ہوتے ہیں۔ یہاں تدریس کے فرائض تجربہ کار افراد سر انجام دیتے ہیں۔ یہ افراد رسمی تدریس کو اصول وضوابط کے مطابق جاری رکھتے ہیں۔ اس تدریس کے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی فلسفہ حیات پر مبنی ہوتے ہیں۔ بچے تعلیمی اداروں کے اصول وضوابط کے تحت رسمی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس تدریس میں بچوں کی دلچسپیوں، رجحانات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور اسے مؤثر بنانے کے لیے مختلف طریقہ ہائے تدریس اور آموزش یا تعلیم کے محرکات استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس تدریس کا اثر بچے کی شخصیت و کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے اور اس کے مستقبل کی بنیادیں اس تدریس پر رکھی جاتی ہیں

رسمی تدریس کی خصوصیات

(۱) رسمی تدریس واضح مقاصد کے تحت اور مخصوص عملے کی مدد سے دی جاتی ہے۔

(۲) رسمی تدریس باضابطہ انتظامات اور اخراجات کا تقاضا کرتی ہے۔

(۳) رسمی تدریس کا دورانیہ اور مدت مقرر ہوتی ہے۔

(۴) امکانی کوششوں کے باوجود رسمی تدریس کے اداروں کا ماحول حقیقی زندگی سے تھوڑا بہت مختلف ہوتا ہے۔

(۵) عملی زندگی کی تربیت کے لیے رسمی تدریس کے عمل میں منتخب ماحول مہیا کیا جاتا ہے۔

غیر رسمی تدریس

غیر رسمی تدریس سے مراد وہ تدریس ہے جو بچہ سکول میں داخل ہونے سے پہلے یا سکول میں داخل ہوتے بغیر دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ اس تدریس میں بچے کے والدین، اس کے گھر کے افراد

پڑوسی، دوست واحباب اور دوسرے احباب وغیرہ حصہ لیتے ہیں۔ بچہ اِن سب لوگوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ غیر رسمی تدریس کے ذریعے بچہ متعدد عادتیں، خیالات، آداب، عقیدے اور دوسری باتیں کرتا ہے۔ اس تدریس میں ماں کا کردار سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ اس تدریس میں کسی قسم کا سخت ماحول یا نظم وضبط اور پابندی نہیں ہوتی۔ بچے پوری آزادی اور اپنی مرضی سے اس تدریس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بچے ماحول سے متاثر ہوکر تعلیم غیر شعوری طور پر حاصل کرتے ہیں اور مختلف مفید عملی فنون، مہارتیں اور طور طریقے بھی سیکھ جاتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات رسائل اور سینما وغیرہ رسمی تدریس میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ؁

غیر رسمی تدریس کی خصوصیات

(۱) غیر رسمی تدریس کی مدد سے عملی زندگی کے مشاغل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) غیر رسمی تدریس سے کاروبار زندگی کے مختلف مشاغل کی سر انجام دہی کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے

(۳) غیر رسمی تدریس وقت اور عرصے کی پابند نہیں ہوتی۔

(۴) غیر رسمی تدریس کے لیے ایک الگ اور باضابطہ انتظامات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تدریس کے مقاصد

تدریس کی نوعیت کا تعین اس کے مقاصد کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ تدریس کے عام مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تدریس کا مقصد مختلف سرگرمیوں کے لیے مواقع فراہم کرنا ہے۔ نفسیاتی طور پر بچہ کچھ نہ کچھ صلاحیتیں رکھتا ہے۔ وہ مختلف سرگرمیوں کو سر انجام دینے کی رغبت رکھتا ہے اور اس کے اپنے جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔ استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ بچے کے اِن رجحانات اور جذبات کی روشنی میں اپنی تدریس کا رُخ موڑے اور بچے کی شخصیت کی تعمیر کی کوشش کرے تاکہ بچہ اپنی منزل کی طرف صحیح طور پر گامزن ہو سکے۔

(۲) تدریس کا مقصد تحریک پیدا کرنا ہے۔ ایک اچھے استاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کے رجحانات اور دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اِن کی رہنمائی کرے اور سبق کو دلچسپ بنانے کی طرف پوری توجہ دے تاکہ بچوں میں تعلیم کے لیے تحریک پیدا ہو۔

(۳) تدریس کا مقصد بچے کے جذبات کی تربیت کرنا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بچے

؁ جاوید اقبال علم التعلیم ص ۲۲۲

۔ کے اندر مثبت احساسات پیدا کرنے کے علاوہ اس کے جذبات میں توازن اور پختگی پیدا کر کے بچے کی سوچ کو تعمیری رُخ دیا جائے۔ نیز بچوں میں سے ڈر اور خوف دور کر کے احساس تحفظ پیدا کیا جائے۔ منفی رجحانات اور احساسات کی روک تھام کی جائے۔ چنانچہ کھیل، ورزش ڈرامے وغیرہ بچے میں پختگی احساس تحفظ اور اعتماد پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

(۴) تدریس در حقیقت تعلیم یا آموزش کے لیے ترغیب کا عمل ہے۔ تدریس کی بدولت بچے اور کے درمیان تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔ اس تعلق کو مناسب بنیادوں پر استوار کرنے کی ذمہ داری استاد پر عائد ہوتی ہے۔ استاد یہ دیکھتا ہے کہ بچہ کس طرح مختلف ماحول میں سیکھ کر مناسب ردِّ عمل کا اظہار کرتا ہے۔

(۵) تدریس کا عمل بچوں کو معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ بچے فطرتی طور پر نئی نئی چیزوں کے متعلق جاننا چاہتے ہیں اور ان کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے میں تجسس کا اظہار کرتے ہیں۔ اچھا استاد اپنی تدریس کی بدولت بچوں کی ضروریات اور دلچسپیوں کے مدنظر معلومات بہم پہنچاتا ہے۔

(۶) تدریس کا مقصد بچے کو ماحول میں مطابقت پیدا کرنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔ بچے مختلف ماحول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور نئے نئے حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اچھی تدریس بچوں کو ماحول کے ساتھ مطابقت کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

(۷) تدریس کا مقصد بچے کی شخصیت کو استوار کرنا ہے۔ استاد بچے کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم کی تنظیم بھی کرتا ہے اور بچے کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی منزل کے رُخ کا تعین کر سکے۔ یہ سب صرف اچھی اور مؤثر تدریس کی بدولت ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اچھی تدریس کی خصوصیات

مختلف ماہرین تعلیم نے اچھی تدریس کی جن خصوصیات پر اتفاق کیا ہے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ **تدریس وقت اور زمانے سے ہم آہنگ ہو** اچھی تدریس کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ وقت اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہے۔ اگر زمانے کی ضروریات طلبہ کے ماحول اور معاشرتی قدروں کے خلاف تدریس کا عمل سر انجام پائے تو اس کے اثرات نہ صرف غیر مؤثر ہوتے ہیں بلکہ طلبہ

بھی اس تدریس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اچھی تدریس میں وقت یعنی مقررہ پیریڈ کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور معین وقت کے اندر تدریسی امور سر انجام دیئے جاتے ہیں۔ اگر تدریس میں وقت کی مطابقت کا خیال رکھا جائے تو وہ ناکام ہو جاتی ہے۔

۲۔ **تدریس روزمرّہ زندگی سے تعلق رکھتی ہو** مؤثر تدریس وہی ہوتی ہے جس کا اطلاق روزمرّہ زندگی سے ہو تدریس کے دوران میں طلبہ کو ایسی معلومات اور باتوں کا علم دیا جائے جو ان کی زندگی میں کام آنے والا ہو اور ان میں وہ عادات اور رجحانات پیدا کیے جائیں جن سے وہ زندگی میں مفید کام لے سکیں۔

۳۔ **تدریس طلبہ کی سابقہ معلومات سے مربوط ہو** تدریس کی کامیابی کا انحصار طلبہ کے صحیح جوابات اور ان کے خوشگوار ردّعمل پر منحصر ہوتا ہے۔ صحیح جوابات اور خوشگوار ردّعمل صرف اُسی وقت واقع ہوگا جب تدریس طلبہ کی سابقہ معلومات سے مربوط ہو۔ ہم آئندہ کی باتیں ان کے ماضی اور سابقہ مواد کے ذریعے ذہن نشین کرا سکتے ہیں۔ تدریس کے دوران میں کیے جانے والے سوالات کا ربط طلبہ کی سابقہ معلومات اور ان کے ذاتی تجربات سے ہونا ضروری ہے۔

۴۔ **تدریس نشوونما کی قوتوں کی حامل ہو** تدریسی مواد ایسا ہو جس سے طلبہ کے مختلف پہلوؤں کی نشوونما ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ بچوں کی نشوونما میں ممد و معاون ثابت ہو۔ وہی نفسِ مضمون تدریسی لحاظ سے مؤثر اور کامیاب سمجھا جاتا ہے جو طلبہ کی تخلیقی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی نشوونما کرتا ہے اور ان میں غور و فکر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس سے ان میں نئے خیالات، علم و ہنر رجحانات، اقدار اور شخصیت کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کسی تدریس سے طلبہ کے طرزِ عمل میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی وہ تدریس ناکام سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ **تدریس طلبہ اور اساتذہ کے اشتراک کی حامل ہو** اچھی تدریس میں طلبہ اور اساتذہ تعاون اور اشتراکِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جس کی مدد سے تدریسی عمل کامیابی سے آگے بڑھتا ہے۔ اگر ان کے درمیان اشتراکِ عمل کے رشتے میں کج روی یا کمی آجائے تو تدریس غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ استاد اور شاگرد گہرے رشتے ہی کی بدولت تدریس کے عمل میں پیدا ہونے والی بے شمار

ذہنی الجھنوں کو دور کر سکتے ہیں۔

۶۔ **تدریس طلبہ کی دلچسپیوں سے ہم آہنگ ہو** اچھی تدریس میں طلبہ کی دلچسپیوں کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سے طلبہ خوشی خوشی تدریس کے دوران نفس مضمون کی تفہیم حاصل کر لیتے ہیں۔

۷۔ **تدریس شفقت اور ہمدردی کی حامل ہو** طریقہ تدریس اور تدریس دونوں میں استاد کی شفقت اور ہمدردی کو نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے۔ اچھی تدریس میں کسی قسم کے جبر و تشدد کا مظاہرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی قسم کے منفی جذباتی ردعمل کا اظہار ہوتا ہے جبر و تشدد والی تدریس سے طلبہ میں معلم کے خلاف نفرت اور بغاوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور طلبہ اپنی نامناسب شرارتوں اور ضد سے جذبات کا نظم و ضبط خراب کر دیتے ہیں۔ شفقت اور ہمدردی سے تدریس بڑی کامیاب اور موثر ہوتی ہے اور بچوں کو شفقت اور ہمدردی کا ماحول تدریس کی طرف مائل کرتا ہے۔

۸۔ **تدریس میں جمہوری قدروں کا خیال رکھا جاتا ہے** اچھی اور موثر تدریس میں جمہوری قدروں کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایسی تدریس میں ہر طالب علم کو خیالات کے اظہار کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس میں تقریباً تمام طلبہ کو شریک کیا جاتا ہے اور کسی بھی طالبعلم کو نظر انداز کرنا تدریسی رُوح کو مجروح کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ بہتر جواب ملنے پر طلبہ کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور ان کی الجھنوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی طالبعلم کوئی سوال کرے تو اُس کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی جاتی بلکہ موزوں جواب سے مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرضیکہ ایسی تدریس میں طلبہ سے مساوات اور انصاف سے کام لیا جاتا ہے اور ان کی تخلیقی قوتوں کی ترقی اور نشو و نما کے لیے آزادانہ اور پورے پورے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

۹۔ **تدریس بامقصد ہو** تدریس اور طریقہ تدریس کسی نہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اچھی تدریس ہمیشہ بامقصد ہوتی ہے۔ اگر اس

میں کسی نہ کسی مقصد کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو ایسی تدریس کامیابی کے مراحل طے نہیں کر سکتی۔ کیونکہ طلبہ فطری طور پر کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے تدریس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ مقصد جس قدر قوی اور عزیز ہو گا۔ طلبہ کی تدریسی کوششیں بھی اسی قدر موثر اور بہتر ہوں گی اور دونوں تدریسی مقصد کے حصول میں سرگرم اور فعال ہوں گے۔

۱۰۔ **تدریس میں استاد کی شخصیت موثر ہو** استاد کی موثر شخصیت موثر تدریس کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ استاد کی موثر شخصیت بچوں کے لیے بڑی کشش کا باعث ہوتی ہے۔ بہتر شخصیت سے نہ صرف طلبہ متاثر ہوتے ہیں بلکہ یہ تدریس میں بھی معاون ہوتی ہے۔ بچے عموماً اپنے پسندیدہ استاد کے مضمون میں بھی حد درجہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نظم وضبط کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ موثر شخصیت کے لیے استاد کا جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی لحاظ سے متوازن ہونا ضروری ہوتا ہے۔

۱۱۔ **تدریس بچوں کے عملی تجربات پر مبنی ہو** جدید دور میں طلبہ کو تعلیم کے عمل میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے تدریس ایسی ہونی چاہیے جو بچوں کو عمل کی طرف مائل کرے، جو اُن کے ذاتی تجربات پر مبنی ہو، وہ نظریات اور خیالات میں گم نہ ہوں۔ بلکہ اِن میں عمل کا جذبہ پیدا ہو۔ تدریس میں بچوں کو ایسے مواقع فراہم کیے جائیں جن میں وہ زیادہ سے زیادہ کام اور عمل کی طرف راغب ہوں۔ ایسی تدریس میں بچوں کی پوری پوری رہنمائی کا انتظام ہوتا ہے اور بچے اپنے اپنے سابقہ تجربات اور مشاہدات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۲۔ **تدریس میں منصوبہ بندی کا خیال رکھا جائے**۔ اچھی تدریس میں اسباق کی منصوبہ بندی اور منطقی ترتیب کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسباق کی تیاری اور ترتیب میں بچوں کی ذہنی استعداد پیشِ نظر رکھی جاتی ہے اور اُن کی سابقہ معلومات کی روشنی میں تدریس کو عملی شکل دی جاتی ہے۔ باقاعدہ منصوبہ بندی ہی کامیاب تدریس کی ضمانت ہوتی ہے منصوبہ بندی کے دوران میں بچوں کے ممکنہ مسائل پر بھی غور کیا جاتا ہے اور تدریس کے دوران اُن کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی تدریس میں ترقی کی جانب اقدام کیا جاتا ہے[5]

---

[5] جاوید اقبال، علم التعلیم، ص ۲۲۶

تدریس کے عام اصُول

ذیل میں تدریس کے کچھ عام اصول دیے جارہے ہیں۔ یہ طویل تدریسی تجربات اور بچوں کی نفسیات کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں۔ سارے مضامین اور ہر طرح کے اسباق میں انہیں حتی الامکان ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ تدریس مؤثر اور مفید ہو سکے۔

۱۔ آمادگی کا اصُول

یعنی طلبہ کو بخوبی آمادہ کر کے سبق شروع کیا جائے کیونکہ جس کام کے لیے طبیعت پورے طور پر آمادہ ہوتی ہے وہ مستعدی اور انہاک سے کیا جاتا ہے اور جو کام کسی طرح کے دباؤ یا جبر کے ماتحت انجام پاتا ہے وہ بے گار سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ بچے توجہ اور انہاک سے گھبراتے ہیں۔ کسی طرح کا جبر اور دباؤ پسند نہیں کرتے لکھنے پڑھنے جیسے خشک کام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہیں لکھنے پڑھنے پر آمادہ کرنے کے لیے اساتذہ عموماً ڈراتے دھمکاتے اور جبر و تشدد سے کام لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر بچے اس خشک کام سے اور زیادہ گھبرانے اور تعلیم سے بھاگنے لگتے ہیں اور جو مارے باندھے رہ جاتے ہیں وہ کام میں پوری دلچسپی نہیں لیتے۔ اس لیے پڑھانے سے پہلے بچوں کو اس کے لیے بخوبی آمادہ کر لینا نہایت ضروری ہے۔ اس کے لیے حسب موقع مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

موزوں سوالات، مختصر گفتگو، خوش رنگ تصاویر، جاذب توجہ ماڈلوں وغیرہ کے ذریعے نئی معلومات کے لیے بچوں کا تجسس بیدار کر دیا جائے۔

پھر سبق کی غرض و غایت اور جو کچھ پڑھنے جارہے ہیں اس کی ضرورت و افادیت بخوبی ذہن نشین کرا دی جائے۔

کام میں کھیل یا مسابقت کی اسپرٹ پیدا کر دی جائے یا تدریسی مواد کو کہانی کی شکل میں پیش کیا جائے۔

بچوں کو کچھ بنانے یا عملی کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

سبق کو آگے بڑھانے میں اِن کی امداد اور مشوروں کو اہمیت دی جائے۔

آمادگی کے بعد توجہ اور دلچسپی کا مسئلہ بھی بہت کچھ حل ہو جائے گا کیونکہ جس کام کو کرنے کے لیے بچے بخوشی آمادہ ہو جائیں گے اس پر پوری توجہ بھی صرف کریں گے اور بعد میں خواہ دشواریاں بھی پیش آئیں پورے انہاک اور دلچسپی سے کام کریں گے۔

۲۔ انتخاب کا اصول یعنی بچوں کو صرف وہی کچھ پڑھایا اور سکھایا جائے جو ان کے لیے نہایت ضروری مفید مناسب اور ان کی فطرت وصلاحیت اور مقصد کے عین مطابق ہو اور جسے معلم اپنے محدود وسائل و ذرائع سے بخوبی انجام دے سکتا ہو۔

ہم سب جانتے ہیں کہ علم ایک بے پایاں بحرِ زخار ہے جب کہ مدتِ تعلیم انتہائی قلیل اور مہلت زندگی نہایت محدود۔ زندگی بھر غوطے لگایئے پایاب ساحل سے آگے بڑھ نہیں سکتے اور چند سنگ ریزوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آسکتا اور بہت سی باتیں تو بچوں کے لیے یوں بھی قبل از وقت ہوتی ہیں۔ اس لیے معلم کو چاہیے کہ نہایت احتیاط سے انتخاب کرے اور اسی کے حصول پر بچوں کا وقت صرف کرائے جو واقعی ضروری اور نفع بخش ہو۔ فضول اور لایعنی میں وقت ضائع نہ ہونے دے۔ الّا یہ کہ سبق کو دلچسپ اور موثر بنانے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو۔

۳۔ زندگی سے مربوط کرنے کا اصول یعنی جدید معلومات حتی الامکان بچوں کی روزمرّہ کی زندگی کے واقعات، ان کی سابقہ معلومات، ان کے تجربات و مشاہدات اور معاشرتی و فطری ماحول سے مربوط کرکے فراہم کی جائیں۔ اس طرح بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی اور بخوبی ذہن نشین ہو جائے گی۔ ساتھ ہی بچوں پر جدید معلومات کی ضرورت و افادیت واضح کرنے اور روزمرہ کی زندگی میں اس کے استعمال کا سلیقہ سکھانے میں بھی مدد ملے گی، جس چیز کا زندگی سے کوئی ربط محسوس نہ ہو یا اس کی ضرورت و افادیت نظر نہ آئے۔ اُسے سیکھنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور نہ زیادہ دیر تک وہ ذہن میں محفوظ رہتی ہے مثلاً طہارت وغیرہ کے وہ مسائل جن کی ضرورت بلوغ کے بعد ہوتی ہے، اوّل تو قبل از وقت ہونے کی وجہ سے چھوٹے بچوں کی سمجھ میں نہیں آتے دوسرے ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے زیادہ دنوں تک یاد بھی نہیں رہ سکتے۔

۴۔ خود کرکے سیکھنے کا اصول یعنی ساری باتیں خود بتا دینے کی بجائے۔ بچوں کو خود کرکے سیکھنے کے بیش از بیش مواقع دیئے جائیں

جن اسباق میں کرکے سیکھنے کے امکانات نہ ہوں ان کو بھی کم از کم کسی عملی کام پر ختم کیا جائے۔ مثلاً زبانی بتا چکنے پر اس سے متعلق تحریری کام لینا۔ معلوماتی اسباق سے متعلق ایسے کام سپرد کرنا جس میں بچوں کو خود کچھ کرنا پڑے مثلاً ٹکٹ یا تصاویر جمع کرنا، کوئی ماڈل یا منظر بنانا، پھول پتیاں وغیرہ جمع کرنا۔

بچے چونکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے اور بناتے بگاڑتے رہتے ہیں، اسی میں انہیں لطف بھی آتا ہے اور اسی طرح وہ بہت کچھ سیکھتے اور تجربات حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے تدریس میں اگر اس کا اہتمام کیا جائے تو تعلیم زیادہ آسان، موثر اور دلچسپ ہو جاتی ہے اور بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ زیادہ پختہ اور دیرپا ہوتا ہے۔ مثلاً وضو، نماز کا طریقہ زبانی بتانے کی بجائے عملاً کراتے ہوئے

بتایا جائے اور حسبِ ضرورت اصلاح کر دی جائے تو بچے پوری دلچسپی سے سیکھیں گے اور انہیں بآسانی یاد ہو جائے گا۔

۵۔ **تقسیم کا اصول:** یعنی جو کچھ پڑھانا ہو اُسے مناسب اجزاء میں تقسیم کر کے پڑھایا جائے۔ یہ تقسیم اس انداز کی ہو کہ ہر جزء اپنے پہلے اور بعد کے اجزاء سے فطری طور پر مربوط بھی رہے اور بیچ کی منزل اور کڑی بھی ہو۔ اس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھنے اور مناسب اجزاء میں تقسیم کر کے معلومات بہم پہنچانے سے سمجھنا بھی آسان ہوتا ہے اور پوائنٹ وار ترتیب سے بھی یاد ہو جاتا ہے۔ اس کا لحاظ کیے بغیر تعلیم دینے سے معلومات اُلجھی ہوئی اور گنجلک رہتی ہیں اور بوقت ضرورت ٹھیک طرح سے استعمال نہیں ہو پاتیں۔

۶۔ **اعادے کا اصول:** یعنی جو کچھ بچوں کو پڑھایا جائے اُس کا اعادہ اور مشق کرا کے خوب یاد کرا دیا جائے۔ بہت زیادہ معلومات بہم پہنچانے کی فکر میں اکثر اساتذہ اعادے کی طرف سے غفلت برتتے ہیں جس کا انہیں بہر حال خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ بچوں کو پچھلا بھی بھول جاتا ہے اور اگلا اِن کی سمجھ میں آتا نہیں۔ اس لیے اعادے اور مشق کی طرف غیر معمولی توجہ دینی چاہیے۔ سبق کے ہر جز کے مطابق اس جز کا اور سبق کے اختتام پر پورے سبق کا اعادہ کرایا جائے جو قاعدہ بھی سکھایا جائے اُس کی خوب مشق کرائی جائے ہر سبق کے آخر میں پابندی سے کچھ وقت اور ہفتے میں کم از کم ایک دِن اعادے اور مشق کے لیے مخصوص کر دیا جائے تاکہ ہفتے بھر کا کام بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔ بغیر اعادے کے آگے نہ بڑھا جائے سوچنے کی بات ہے جس علم پر بچوں کو قدرت حاصل نہ ہو سکے وہ آخر اِن کے کس کام کا ہو گا؟[۳]

تدریس کے گر

تدریس کے عام اصول بتا دینے کے بعد اب ذیل میں پڑھانے کے چند ایسے گر بتائے جا رہے ہیں جو ابتدائی درجات کے طلبہ کی تدریس میں تجربے سے بہت مؤثر اور مفید ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ اِن کو فنِ تدریس میں مسلمہ ضابطوں کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ گر نفسیات کی کسوٹی پر بھی پورے اُترتے ہیں اور عقل بھی اِن کی صداقت و افادیت کی گواہی دیتی ہے۔ اس لیے حتی الامکان اِن پر عمل کرنا چاہیے۔ البتہ معلم کو چاہیے کہ حسبِ ضرورت اِن میں تصرف کر لیا کرے، خصوصاً جب وقت محدود ہو یا جب زیادہ عمر کے طلبہ یا بالغوں کو پڑھانا ہو۔

۳۔ افضل حسین، فنِ تعلیم و تربیت، ص ۳۸۳

۱- **معلوم سے نامعلوم کی طرف چلیں** یعنی جو کچھ پہلے سے جانتے ہوں اُسی کے سہارے انہیں نئی باتیں بتائی یا سمجھائی جائیں۔ تدریس کا یہ فطری طریقہ ہے اسی طرح بات ٹھیک سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اوّل تو بچوں کا ذہن انہیں چیزوں میں توجہ و دلچسپی کا اظہار کرتا ہے جن میں ندرت اور نئے پن کے ساتھ کسی حد تک انسیت بھی ہو۔ بالکل نئی چیز جس کا سابقہ تجربات و مشاہدات سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ ہو۔ بچوں کے نزدیک کبھی قابل اعتنا نہیں ہوتی دوسرے نئی چیز کی تشریح و توضیح بہرحال سابقہ معلومات ہی کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔

اس گر کا تقاضہ ہے کہ تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے۔

ہر نئے سبق سے متعلق سب سے پہلے بچوں کی لیاقت سابقہ کا ٹھیک ٹھیک تعین کر لیا جائے تاکہ اسی کی بنیاد پر نئی باتیں بتائی یا سکھائی جاسکیں۔

سبق کی تمہید میں ایسے سوالات کیے جائیں جن سے بچوں کی اس ضمن کی سابقہ معلومات کا بخوبی اندازہ ہو سکے، سوالات موضوع سے متعلق ہونے کے ساتھ اتنے آسان ہونے چاہئیں کہ بچوں کو جواب میں دشواری نہ ہو اور ایسے انداز سے پوچھے جانے چاہئیں کہ وہ اپنا مافی الضمیر اُگل دیں۔

ایک مضمون کے مختلف اسباق اس انداز سے ترتیب دیئے جائیں کہ ہر اگلے سبق کا پچھلے اسباق سے تعلق قائم ہوتا جائے۔

ہر نیا سبق بچوں کی روزانہ زندگی یا ان کے تجربات و مشاہدات سے مربوط کر کے پڑھایا جائے۔

جدید معلومات کا بچوں کی سابقہ معلومات سے موازنہ و مقابلہ کر کے مشابہت یا فرق اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا جائے۔

بچوں کے تجربات ناقص اور تصورات مبہم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی سابقہ لیاقت سے سبق میں فائدہ اٹھاتے وقت ان کے سابقہ تصورات کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- **آسان سے مشکل کی طرف چلیں** یعنی ہر سبق کی ابتدا آسان سے ہو اور بتدریج مشکلات پیدا کی جائیں۔ تدریس کا یہ بہت ہی معقول گُر ہے۔ اس طرح بچے غیر محسوس طور پر رفتہ رفتہ مشکلات پر قابو پاتے جاتے ہیں ان کا دل بڑھتا ہے، ان کی دلچسپی برقرار رہتی ہے اور وہ مشکلات کو ناقابل عبور نہیں سمجھتے بلکہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر شروع میں ہی انہیں کسی مشکل میں

پھنسا دیا جائے تو وہ گھبرا کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور مایوس ہو کر کوشش ہی چھوڑ دیتے ہیں۔
اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے۔

آسان اور مشکل اضافی الفاظ ہیں۔ ایک ہی بات کسی کے لیے آسان ہوتی ہے کسی کے لیے مشکل۔ اسی طرح سیکھنے سے پہلے جو بات مشکل نظر آتی ہے سیکھنے کے بعد وہی آسان ہو جاتی ہے اس لیے آسان اور مشکل کا فیصلہ متعلقہ بچوں کے معیار سے کیا جائے نہ کہ اپنے یا کسی اور کے معیار سے۔ اساتذہ سے اس ضمن میں اکثر چوک ہو جاتی ہے۔ وہ ایک چیز کو آسان سمجھ کر طلبہ پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ چیز بچوں کے لیے بہت مشکل اور ناقابل فہم ہوتی ہے چنانچہ جب بچے سمجھ نہیں پاتے یا کچھ کی سمجھ میں آجاتا ہے اور کچھ کو دشواری ہوتی ہے تو استاد ان پر بگڑتے اور بسا اوقات سختی پر اُتر آتے ہیں حالانکہ بچے بیچارے معذور اور بے قصور ہیں۔

میقات کی ابتدا ہی میں ہر مضمون کے اسباق کو آسان اور مشکل کے لحاظ سے ترتیب دے لیا جائے اور پڑھاتے وقت اس کا پورا لحاظ رکھا جائے کہ پہلے آسان اور پھر بتدریج مشکل اسباق آئیں۔

سبق کے بہت مشکل ہونے کی صورت میں جہاں مایوسی اور بددلی پیدا ہوتی ہے وہیں بہت آسان ہونے کی صورت میں اکتاہٹ اور عدم توجہی کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس پر وقت صرف کرنے سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا ——— اس لیے سبق کے شروع میں آسانی کا اہتمام کیا جائے تو آخر تک بتدریج مشکلات پیدا کی جائیں تاکہ بچوں کو مسائل و مشکلات سے نمٹنے کا سلیقہ آئے۔

۳۔ سادہ سے پیچیدہ کی طرف چلیں:

یعنی ہر سبق میں سادہ تصورات پہلے لیں پھر بتدریج پیچیدہ باتیں سمجھائیں۔ اسی طرح بچوں کی عمر، ان کی فہم، ان کے تجربات و مشاہدات کو سامنے رکھ کر ہر مضمون کا نصاب اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا مواد پہلے ہو اور پھر بتدریج مخلوط اور پیچیدہ مواد لیا جائے مثلاً ریاضی میں ایک قاعدہ سمجھانے کے بعد مشق کے لیے پہلے اس قاعدے سے بآسانی نکلنے والے چند سادہ سوالات دیئے جائیں۔

پھر بتدریج عبارت میں پیچیدگی لائی جائے اور آخر میں ایسے سوالات دیے جائیں جن کو حل کرنے میں اس قاعدے کے ساتھ پہلے سے پڑھے ہوئے بعض قاعدوں کو بھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑے۔ قاعدے ضابطے سکھاتے وقت بھی اس اصول کو

ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی شروع میں سادہ قاعدے بتائے جائیں رفتہ رفتہ پیچیدہ لیکن سادگی اور پیچیدگی کا فیصلہ ہمیشہ بچوں کے معیار سے ہونا چاہیے کیونکہ ایک چیز بڑوں کو بظاہر بہت ہی سادہ محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ایک بچے کے لیے وہ اپنے اندر گوناگوں پیچیدگیاں رکھتی ہیں اور بڑی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔

۴۔ **ٹھوس سے مجرد کی طرف چلیں:** یعنی مجرد تصورات قائم کرنے کے لیے اشیاء کی مدد لی جائے۔ مثلاً بچوں کو گنتی پہاڑے جوڑنا، گھٹانا وغیرہ سکھانے کے لیے انگلیوں، بال فریم، گولیوں اور املی کے بیجوں وغیرہ سے مدد لی جائے تو بڑی سہولت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ بغیر کسی چیز کی مدد کے جوڑنے گھٹانے لگتے ہیں۔ اسی طرح ماڈل، تصاویر، نقشہ جات وغیرہ کی مدد سے مجرد تصورات آسانی سے قائم کرائے جا سکتے ہیں۔ بالکل نئی یا نامانوس چیز کا تعارف کرانا ہو تو اس کا ماڈل یا تصویر دکھانے سے تصورات واضح بنتے ہیں۔

اس گُر سے فائدہ اٹھانے کے لیے مندرجہ ذیل امور پیش نظر رہیں:۔

اسباق کی ابتدا ٹھوس چیزوں اور متعین و مقرون مثالوں سے ہے لیکن اختتام حتی الامکان مجرد تصورات پر ہونا چاہیے۔

ٹھوس اشیاء یا متعین و مقرون مثالوں سے اسی وقت تک امداد لی جائے جب تک ضروری ہو رفتہ رفتہ مجرد تصورات قائم کرانے کی فکر کی جائے۔

مجرد تصورات قائم ہو جانے کے بعد انہیں مجرد ہی نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ پھر ٹھوس اشیاء یا متعین مثالوں پر استعمال کر کے مزید تفصیلات معلوم کی جائیں۔

۵۔ **غیر معین اور غیر واضح تصورات کو معین اور واضح کریں** بچوں کے تجربات محدود اور مشاہدات ناقص ہوتے ہیں۔ اس لیے مختلف چیزوں کے بارے میں اِن کے تصورات غیر معین اور غیر واضح ہوتے ہیں معلم کو چاہیے کہ وہ انہیں رفتہ رفتہ معین اور واضح کرے تاکہ بچوں کا علم پختہ اور قابل اعتماد ہو۔ یہ کام اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بچوں کو تجربات و مشاہدات کے کافی مواقع دیئے جائیں اور اِن کی قوت مشاہدہ کی بخوبی تربیت ہو تاکہ وہ مشاہدے میں آنے والی چیزوں سے سرسری نہ گذر جایا کریں بچوں کے ناقص اور غلط تصورات کو ٹھیک اور واضح کرنے کے لیے تصاویر، نقشہ جات توضیح و تشریح اور مثالوں سے مدد لی جائے۔ ہمارے یہاں عام طور پر بچوں کو اصطلاحی الفاظ کی تعریف اور مشکل الفاظ کے معنی رٹوا دیئے جاتے ہیں اور اسی پر اطمینان کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس طرح نہ

تو تصورات واضح بنتے اور نہ مفہوم بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ مندرجہ بالا طریقوں سے اِس کا ازالہ ہونا چاہیے۔

۶۔ __خاص سے عام کی طرف چلیں__ یعنی خاص خاص واقعات پہلے بتائے جائیں اور عمومی بحثیں بعد میں چھیڑی جائیں۔ کوئی عام اصول اخذ کرنے یا کسی عمومی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بچوں کو جانچنے پرکھنے اور تجربہ و مشاہدہ کرنے کے کافی مواقع دیئے جائیں۔ اخلاقی اصول اور ضابطے سمجھانے کے لیے نظری بحثیں کرنے کے بجائے متعین واقعات بتائے جائیں۔ تاریخی شخصیتوں کے چیدہ چیدہ واقعات پہلے سنائیں جائیں اور باقاعدہ تاریخ اور قوموں کے عروج و زوال کی داستان تسلسل کے ساتھ بعد میں بتائی جائے۔

آسانی کے لیے اساتذہ عموماً پہلے قاعدے ضابطے رٹوا دیتے یا اصول اور کلیئے یاد کرا دیتے ہیں اور طلبہ کو خود تجربات کر کے اِن نتائج پر پہنچنے کا موقع نہیں دیتے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک بات بچوں کو دوسرے کے اعتماد پر یاد کرنی پڑتی ہے جسے وہ بخوبی سمجھ بھی نہیں پاتے اور جلد ہی بھول جاتے ہیں۔

البتہ تجربات و مشاہدات وغیرہ پر طلبہ کا صرف اتنا ہی وقت خرچ کرایا جائے جتنا ناگزیر ہو۔ جب کوئی عام اصول اخذ ہو جائے تو مزید جانچ پرکھ یا مشاہدات و تجربات اور مثالوں وغیرہ پر وقت صرف نہ کرایا جائے بلکہ اِس اصول اور کلیئے کو مزید مسائل کے حل کرنے پر استعمال کرایا جائے۔

۷۔ __مکمل سے اجزاء کی طرف چلیں__ یعنی پہلے کل پر بحیثیت مجموعی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے پھر ایک ایک جز کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی جائیں۔ اس طرح ابتداء میں ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور پورا خاکہ ذہن میں محفوظ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ ایک جز کی تفصیلات سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔

ابتدا میں بچوں کی نظر اجزا اور اُن کی تفصیلات پر نہیں جاتی بلکہ وہ پوری چیز پر مجموعی نظر ڈالتے اور ہر چیز کا ایک مجمل تصور ذہن میں رکھتے ہیں۔ معلم کو رفتہ رفتہ ایک ایک جز کی وضاحت کر کے پوری چیز کا زیادہ واضح اور متعین تصور قائم کرانا چاہیئے۔

اجزا پر بحث کرنے کے بعد کل سے اِن کا ربط بھی ملانا چاہیے۔

۸۔ __فطرت کی پیروی کریں__ یعنی بچے ذہنی و جسمانی حیثیت سے جس مرحلے

سے گذر رہے ہوں اس مرحلے کی خصوصیات پیش نظر رہیں اور ان کی فطرت وطبیعت جن چیزوں کو قبول کرسکتی ہو وہی کچھ پڑھایئں اور سکھایئں۔ فطری تقاضوں اور بنیادی خواہشات اور میلانات ودلچسپیوں کو ملحوظ رکھیں اور جائز حدود میں اُن کو پوری رعایت دیں۔ بچوں کی فطرت سے جنگ نہ کریں اور نہ خلاف فطرت اِن پر کچھ ٹھونسیں۔ اس سے فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ محنت تو رائیگاں جاتی ہی ہے۔ اکثر ردّعمل بھی بہت شدید ہوتا ہے۔ بعض لوگ بچوں کو قبل از وقت ذہنی طور پر بالغ بنا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بچے کو بچے کی حیثیت سے پروان چڑھنے دیا جائے اور تدریس میں خود اس کی عمر ذہنی وجسمانی حالت، اس کی فطرت، اس کے میلانات ورجحانات، اس کے جذبات واحساسات وغیرہ کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ اسی صورت میں اسباق کامیاب اور موثر ہو سکتے ہیں۔

۹۔ **منطقی کے بجائے نفسیاتی ترتیب سے چلیں:** یعنی مضامین کے مواد بچوں کے سامنے اس ترتیب سے پیش نہ کریں جس ترتیب سے عموماً علمی کتابوں میں پیش کیے جاتے ہیں بلکہ ترتیب وہ ہو جسے بچوں کا ذہن قبول کر سکے۔ مثال کے طور پر پڑھنا سکھانے میں منطقی ترتیب تو یہ ہے کہ پہلے حروف تہجی پر عبور کرایا جائے پھر اعراب بتائے جایئں۔ پھر دو حرفی سہ حرفی چہار حرفی ایسے الفاظ پڑھائے جایئں جن میں حروف الگ الگ ہوں پھر حروف کے جوڑ پیوند اور مخلوط الفاظ پھر جملے اور آخر میں عبارتیں پڑھائی جایئں۔ بظاہر یہ ترتیب منطقی اعتبار سے تو درست ہے مگر تجربہ شاہد ہے کہ بچوں کے لیے یہ ترتیب اتنی خشک اور بے معنی ثابت ہوتی ہے کہ وہ قطعاً دلچسپی نہیں لیتے۔ اس کے برعکس اگر بچوں کو پہلے خوش رنگ مانوس اور بڑی تصاویر یا اصل اشیاء کی مدد سے چند مختصر جملے جن میں الفاظ کی زیادہ سے زیادہ تکرار ہو سالم پڑھادیں پھر ان کا تجزیہ کرکے حروف اور ان کی آوازیں پہنچادیں تو بچوں کے لیے ان میں معنویت بھی ہوتی ہے اور دلچسپی بھی۔ اس طرح ریاضی میں منطقی ترتیب تو یہ ہے کہ پہلے نقطہ، پھر خطوط، اس کے بعد زاویوں پھر مسطح شکلوں اور آخر میں ٹھوس اشیاء کی بحث آئے لیکن بچوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے ٹھوس اور مسطح شکلیں پہنچوائی جایئں اور خطوط زاویے اور نقطے کی بحث بعد میں آئے۔

لیکن واضح رہے مضامین کی منطقی ترتیب بھی بڑی اہمیت وافادیت کی حامل ہے۔ منظم اور مربوط علم اور علوم وفنون پر عبور اسی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر حاصل ہو سکتا ہے اور بالآخر بچوں کو رفتہ رفتہ لانا اسی پر ہے۔ اس لیے تدریس کو موثر بنانے کے لیے ابتدائی درجات میں ترتیب اُلٹ دی جائے وہ بھی ناگزیر حد تک، صرف سبق کو دلچسپ اور موثر بنانے کے لیے، جوں ہی منطقی ترتیب سے

مواد پیش کرنے کی گنجائش نظر آئے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھیں

۱۰۔ **مستثنیات سے پہلے عام قاعدے سکھائے جائیں** یعنی پہلے عام قاعدے و ضابطے متعدد مشقوں کے ذریعے سے بخوبی ذہن نشین کرا دیئے جائیں پھر استثنائی صورتیں بتائی جائیں، ورنہ ذہن انتشار و پراگندگی کا شکار ہو جائے گا اور جو قاعدہ بتایا جائے گا، اس میں بھی شک و تذبذب کی کیفیت پیدا ہوگی جس سے ذہن میں محفوظ رکھنے اور بروقت یاد آنے میں دشواری ہوگی مثلاً بیٹی، لڑکی، کاپی، کرسی، بکری، مرغی وغیرہ مثالوں سے یہ قاعدہ اخذ کراتے ہیں کہ جن الفاظ کے آخر میں ی ہو وہ مونث ہی ہوتے ہیں، اسی سانس میں یہ بھی بتا دیا جائے کہ ہاتھی، پانی، گھی، دہی وغیرہ اس قاعدے سے مستثنا ہیں بلکہ انہیں بعد کے لیے مؤخر کر دیا جائے۔[۳]

۳؎ ایضاً ص ۳۸۴ تا ۳۹۳

باب ۲

لسانی عادات کی نشو و نما

کوئی بھی کام اگر بار بار کیا جائے تو اس کی عادت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اِس کام کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زبان سیکھنے میں مشق و تکرار کے باعث جو عادت پیدا ہوتی ہیں وہ عاداتِ لسانی کہلاتی ہیں۔

ڈاکٹر سلیم فارانی اپنی کتاب "اُردو زبان اور اُس کی تعلیم" میں لکھتے ہیں کہ:-

عاداتِ لسانی کے متعلق دو متضاد نظریے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ تحصیل زبان میں کمال حاصل کرنے کا مقصود یہ ہے کہ پختہ اور صحیح قسم کی عاداتِ لسانی پیدا کی جائیں۔ اس نظریے کے مطابق تحصیل زبان کے لیے لسانی عادات ناگزیر ہیں اُن کے بغیر زبان میں مہارت کا تصور بے معنی ہے چنانچہ اس نظریے کے حامیوں کے ہاں بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کے مختلف چھوٹے چھوٹے عناصر و اجزاء قرار دیے جاتے ہیں اور ہر جزء میں مشق و تکرار پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

دوسرا نظریہ، جو جدید نظریہ ہے، یہ ہے کہ زبان کو چند عناصر کا مرکب سمجھنا اور اُن میں میکانکی مشق و تکرار سے کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنا غلط ہے۔ زبان کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے حصے بخرے ہو سکیں اور ہر حصے کی تکمیل سے اِس کی تکمیل ہو سکے۔ زبان انسان سے علیحدہ کوئی چیز نہیں جس طرح انسانی زندگی کے تین پہلو جسمانی، روحانی اور نفسیاتی ہیں، اسی طرح ایک پہلو لسانی ہے۔ یہ انسان کی مجموعی نشو و نما سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور جس طرح زبان انسانی نشو و نما کا کوئی علیحدہ حصہ نہیں اسی طرح بولنا، پڑھنا، لکھنا، سمجھنا زبان کے مختلف پہلو ہیں اور اِن میں سے کسی ایک پہلو کی نشو و نما کا دوسرے پہلوؤں کی نشو و نما سے جداگانہ تصور نہیں ہو سکتا۔ اس کے ہر پہلو کی نشو و نما حسبِ ضرورت انسانی نشو و نما کے ساتھ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی مشق و تکرار کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مشق و تکرار اس کے لیے کوئی کڑی شرط ہے۔ انسانی نشو و نما کیا ہے؟ ماحول کے تقاضے سے انسانی ردِ عمل کی تطبیق۔ جس طرح ترقی و تغیر پذیر ماحول کے تقاضے متغیر ہوتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانی ردِ عمل کی تطبیقی کوششیں مختلف ہوتی اور بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اِن کوششوں میں جسمانی، روحانی اور نفسانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ لسانی نشو و نما بھی ہوتی جاتی ہے۔ اس میں کسی ایک گُر پر بار بار عمل کر کے اُس کی عادت بنانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دوسرے نظریے میں بہت حد تک مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ ماحول کے تقاضے سے تطبیق کی مسلسل کوششیں بھی تو انسانی دماغ کو تطبیق کا عادی بنا دیتی ہیں اِسے عادتِ تطبیق ہی کہہ لیجئے۔ بہرحال عادت تو ہے اور زبانی تطبیق کے سلسلے میں تو یہ عادت بے شبہ عادتِ لسانی ہی ہے۔ اس بڑی عادت کے ساتھ تحتی عادات ملا لیجئے تو عادتِ لسانی کا سلسلہ اِس دوسرے نظریے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ لسانی نشو ونما میں انسان کے دوسرے پہلوؤں کی نشو ونما کی طرح عادات ناگزیر چیز ہیں۔ خواہ وہ عمداً پیدا کی جائیں، خواہ ماحول کی تطبیق کی کوششوں میں وہ خود بخود پیدا ہو جائیں۔

عادات کے بڑے فائدے ہیں جو عمل ابتدا میں دِقّت سے، بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھونڈے طور پر شعوری مشقت کے ساتھ سر انجام پاتا ہے، وہ مشق و تکرار سے عادت بن جانے پر سہولت اور سرعت کے ساتھ اچھی صورت میں ادا ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کی شعوری مشقت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر دیکھئے: ایک اجنبی لفظ نیا نیا حلقۂ واقفیت میں آیا ہے۔ اس کے تلفظ میں زبان کو اچنبھاپن اور دشواری محسوس ہوتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے تلفظ اور استعمال کی مشق سے وہ لفظ کچھ اس طرح زبان پر چڑھ جاتا ہے کہ بعد میں وہ بغیر کسی دِقّت اور شعور کے ہماری زبان سے خود بخود حسبِ موقع نکلتا رہتا ہے جس قدر الفاظ ہمارے لسانی ذخیرے میں موجود ہیں، وہ سب ابتدا میں مختلف قسم کی دشواریوں اور دِقّتوں کے ساتھ ہماری زبان پر چڑھے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہم شعور کے بغیر انہیں آسانی کے ساتھ اپنی زبان سے نکالتے اور مختلف مواقع پر حسبِ ضرورت اُنہیں استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اُن کی عادت سی ہو گئی ہے اور اس عادت کی بنا پر اُن کے استعمال کی دِقّتیں راہوں سے دور ہو گئی ہیں۔ لسانی عادات سے نہ صرف الفاظ کے تلفظ اور استعمال کی دِقّتیں دور ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ تمام دشواریاں اور مشکلیں رفع ہو جاتی ہیں جو مختلف لسانی افعال کی ابتدا میں پیدا ہوتی ہیں۔ مختصراً عاداتِ لسانی کے اہم فوائد حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) لسانی افعال کی ابتدائی دِقّتیں رفع ہو جاتی ہیں۔ یعنی ہر بار از سرِ نو توجہ کرنا، سوچنا، غور کرنا اور محنت و مشقت کے ساتھ مناسب ردِّ عمل کی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

(۲) لسانی افعال میکانکی طرز سے خود بخود بے شعور انجام پاتے ہیں۔ اِن میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور ذہنی و جسمانی قوائے کو زیادہ صرف نہیں کرنا پڑتا۔ کام میں توجہ اور ارادے کا دخل محسوس نہیں ہوتا۔

(۳) وقت کم خرچ ہوتا ہے اور عقل و شعور کو دوسری جدید مشکلات کی طرف توجہ دینے کا زیادہ

موقع ملتا ہے۔

(۴) لسانی افعال بھونڈے طور پر ادا نہیں ہوتے لیکن ان میں مناسبت، خوبی اور موزونیت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) ماحولی تقاضے کے مطابق صحیح اور فوری ردعمل ہوتا ہے۔

(۶) ذہن میں تنظیم، سکون اور جلا پیدا ہوتی ہے اور جسمانی حیثیت سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا

(۷) ان کے باعث اخذ و اظہار سے متعلق تمام الفاظ اور جملے ایک قسم کی شخصی ملکیت بن جاتے ہیں اور عادات سے جو مواد انسان نے حاصل کیا ہوتا ہے، یہ الفاظ اور جملے اس مواد کا حصہ بن جاتے ہیں۔

(۸) لسانی افعال کو صحیح طور پر سر انجام دینے کے لیے دل میں خاص قسم کا میلان اور شوق پیدا ہوتا ہے۔

(۹) نفس محنت سے بچ جاتا ہے۔

(۱۰) تربیت کی بنیادیں پختہ اور مستحکم ہو جاتی ہیں۔

یہ فوائد اچھی لسانی عادات کے ہیں لیکن اگر قبیح لسانی عادات پیدا ہوں تو ان تمام فوائد کے مقابلے میں مضرات زیادہ ہوں گے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ ان سے جسمانی اور نفسانی روگ پیدا ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی بچے کی یہ عادت ہو جائے کہ لکھتے وقت کبڑا ہو کر، آنکھیں جھکائے، کاغذ پر سر رکھے، آہستہ آہستہ کاٹ چھانٹ کرتا ہوا لکھے۔ تو بھدی لکھائی کے علاوہ اس کی کمر میں کبڑا پن ظاہر ہوگا، آنکھوں کی بصارت کمزور ہو جائے گی، سر میں درد رہا کرے گا، قوائے ذہنی ماؤف ہو جائیں گے ذہن رفتہ رفتہ کند ہو جائے گا، اور ان عوارض سے کسی مہلک مرض کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ بھی لاحق رہے گا۔

مسلسل عادات زور پکڑ کر طبیعت پر قابو پا جائیں اور انسان بالکل ان کے بس میں ہو کر اپنی قوت عزم اور مقابلے کو بھی شکست دے بیٹھے تو وہ صورت بھی اچھی نہیں۔ نئے نئے مواقع اور ان کے تقاضوں کے مطابق قوت ارادی کو مناسب ردعمل کرنے کے قابل رکھنا چاہیے تاکہ ترقی مسدود نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لسانی ترقی کے لیے لسانی عادات ضروری ہیں لیکن اس بات کی احتیاط لازمی ہے کہ اچھی قسم کی لسانی عادات پیدا کی جائیں اور بری قسم کی عادات سے پرہیز کیا جائے۔ ان عادات کے پیدا کرنے کے بعد یہ ملحوظ رہے کہ انسان ان عادات کا غلام نہ بن جائے اور جدید حالات کے تقاضوں کے مطابق توجہ، فکر و غور اور مناسب ذہنی کوشش سے کام لے کر موزوں

ردّ عمل کی کوشش بھی جاری رکھے ہے۔

ذیل میں زبان کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بحث کی جاتی ہے تاکہ لسانی عادات کی نوکی اور مزید وضاحت ہو جائے۔

1۔ بولنا

زبان کی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو زبان پر پوری قدرت حاصل ہو جائے۔ الفاظ کا سمجھنا اور انہیں صحیح طریق سے استعمال کرنا اس کے دو بڑے ذریعے ہیں اور یہ مشق سے حاصل ہوتے ہیں۔ بچہ الفاظ کو بار بار سن کر سمجھتا ہے۔ اس لیے بچوں کو الفاظ بار بار سننے کا موقع دیا جائے۔ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کا مطلب بچے سمجھتے ہوں۔ ان الفاظ کا بچوں کے خیالات اور روزانہ زندگی سے تعلق ہو۔ پھر بچوں کو خود ہی الفاظ استعمال کرنے کا موقع دیا جائے۔

جن بچوں کو بولنا اچھا آتا ہے۔ انہیں عام طور پر اچھا لکھنا بھی جلد آجاتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ بچے بڑے ہو کر صحیح لکھنا سیکھیں تو انہیں بچپن میں صحیح بولنا سکھایا جائے۔ مدرس کو چاہیے۔ کہ پہلی جماعت کے بچوں کے ساتھ زیادہ گفتگو ہی کرے۔ چیزیں دکھا کر اُن کے متعلق فقرے بنوائے جائیں تصاویر کے متعلق گفتگو کی جائے۔ بچے کہانیاں سننا بہت پسند کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں نئی نئی کہانیاں سنائی جائیں۔ حرکات وسکنات اور اشاروں کے ساتھ اُنہیں دلچسپ بنایا جائے۔ کہانی کے متعلق سوال کیے جائیں پھر بچوں سے کہانی کا ڈرامہ کرایا جائے تاکہ وہ آزادی سے گفتگو کی مشق کر سکیں۔

جہاں مقامی بولی اور معیاری زبان میں فرق ہو۔ وہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے مقامی زبان میں بچوں کو تعلیم دی جائے اور رفتہ رفتہ اُسے معیاری زبان میں تبدیل کر دیا جائے یا شروع ہی سے بچوں کو معیاری زبان میں تعلیم دینا چاہیے۔ اس کے لیے کوئی خاص اصول وضع نہیں کیا جا سکتا تاہم تجربے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بہتر یہ ہے۔ کہ بچے شروع شروع میں مقامی زبان میں گفتگو کریں لیکن اُستاد معیاری زبان ہی استعمال کرے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرے۔ جن کو بچے آسانی سے سمجھ سکیں۔ اور پھر بچوں کو ان الفاظ سے اچھی طرح واقف کرنے کے لیے بار بار مشق کرائی جائے۔

ذخیرہ الفاظ: ہمارے سکولوں میں عام طور پر یہ شکایت ہے کہ پرائمری جماعتوں کے بچے اُردو کی کتابیں شوق سے نہیں پڑھتے اور پرائمری پاس کرنے کے بعد چار پانچ سال کے اندر اندر سب پڑھا پڑھایا بھول جاتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پرائمری جماعتوں کے لیے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ان میں بچوں کی قابلیت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ مشکل الفاظ

---

[1] سلیم فارانی، اُردو زبان اور اسکی تدریس، ص ۲۴۳ تا ۲۴۲

کثرت سے ہوتے ہیں جو ساری کتاب میں ایک ایک دو دو بار آتے ہیں اور بچوں کے ذہن نشین نہیں ہوتے۔ اور نہ وہ انہیں اچھی طرح شناخت کر سکتے ہیں۔ اس لیے وہ پڑھنے میں دلچسپی نہیں لیتے اور سکول سے نکل جانے کے بعد کوئی کتاب پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ استاد صاحبان پڑھاتے وقت جو الفاظ بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ اُن میں بعض الفاظ بچے نہیں سمجھتے اور اس طرح سبق یاد نہیں کر سکتے۔ استاد اپنی غلطی محسوس نہیں کرتا اور بچوں کو سزا دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سبق اُسے بار بار پڑھانا پڑتا ہے۔ اور اس طرح کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

استادوں پر ہی منحصر نہیں۔ افسران معائنہ بھی عام طور پر ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ بچے سوال کا مطلب نہیں سمجھتے۔

لہذا اُردو زبان کے مدرس کو یہ جاننا ضروری ہے کہ کون کون سے ایسے الفاظ ہیں جن سے واقفیت حاصل کرنا پرائمری جماعت کے بچوں کے لیے ضروری ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پرائمری جماعتوں میں زبان کے تمام الفاظ نہیں پڑھائے جا سکتے۔ لیکن استاد کس طرح اندازہ لگائے گا کہ کون کون سے الفاظ ضروری ہیں۔ ممکن ہے ایک استاد کے چنے ہوئے الفاظ دوسرے سے مختلف ہوں۔ اس لیے لازم ہے کہ کوئی معیار مقرر کیا جائے۔ محکمہ تعلیم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ پرائمری جماعتوں میں کثرت سے استعمال ہونے والے الفاظ کی فہرست تیار کرائی جائے۔ ایسے الفاظ کی فہرست مدرسین خود بھی تیار کر سکتے ہیں۔

چھوٹے بچوں سے گفتگو کرنے میں بچوں کے ذخیرۂ الفاظ کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ شروع شروع میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے بچے مانوس ہوں۔ الفاظ ان چیزوں سے تعلق رکھتے ہوں جنہیں بچے گھر۔ گاؤں یا سکول میں دیکھتے ہوں۔ پھر ایسے الفاظ جن کا تعلق بچوں کی روزانہ زندگی سے ہو۔

تقریری مشق: (۱) گفتگو۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بچوں کو چیزیں دکھا کر اُن کے متعلق فقرات بنوائے جائیں۔ گفتگو کرائی جائے۔ سوالات کے جوابات لیے جائیں۔ تصاویر کے متعلق گفتگو کرائی جائے۔

(۲) واقعات بیان کرنا: بچوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے اپنے مشاہدات تفصیلاً بیان کریں۔ مثلاً کیا دیکھا:-

(۱) میلے میں۔ شہر میں۔ بازار میں۔ دنگل میں۔ سرکس میں۔ باغ میں۔ کنوئیں پر۔ سڑک پر۔ درزی۔ لوہار۔ سنار۔ موچی کی دکان پر۔ تیلی۔ کمہار اور جلاہے کے گھر۔ سٹیشن پر۔ ڈاکخانے میں۔

(۲) قدرتی نظارے۔ سورج نکلنے کے وقت۔ سورج غروب ہونے کے وقت۔ برسات میں۔

چاندنی رات ہیں۔ موسم بہار میں باغ کی حالت۔ خزاں میں پودوں اور درختوں کی حالت۔

۳۔ گڑ کس طرح بناتے ہیں۔

۴۔ گندم کس طرح گاہتے ہیں۔

۵۔ تیل کس طرح نکالتے ہیں

۶۔ کپڑا کس طرح بنتے ہیں

۷۔ جوتی کس طرح سیتے ہیں۔

۸۔ برتن کس طرح بناتے ہیں۔

۹۔ مکھن کس طرح نکالتے ہیں۔

۱۰۔ روٹی کس طرح پکاتے ہیں

۱۱۔ حلیہ بیان کرو:۔ بلی، کتا، گائے، بکری۔ اونٹ۔ گھوڑا وغیرہ

(۳) تجربات بیان کرنا۔ بچوں سے پوچھا جائے کہ وہ مختلف کام کس طرح کرتے ہیں۔ مثلاً منہ کس طرح دھوتے ہیں دانت کس طرح صاف کرتے ہو۔ کپڑے کس طرح دھوتے ہو۔ دوات میں سیاہی کس طرح ڈالتے ہو، پگڑی کس طرح باندھتے ہو۔ تختی کس طرح دھوتے ہو وغیرہ۔

(۴) کہانی سنانا۔ بچوں سے چھوٹی چھوٹی کہانیاں سنی جائیں یا استاد ایک کہانی جماعت کو سنا دے اور پھر بچوں سے باری باری سن لے۔

کہانی سکھانے میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جاتا ہے۔

(ا) کہانی صاف اور نمایاں الفاظ میں کہی جائے۔ کہنے والے کی آواز ہر ایک بچے تک پہنچے۔

(ب) عام طور پر دھیمی آواز میں کہانی سنائی جائے۔ اگر کچھ بچے بے توجہ ہوں تو آواز ذرا بلند کر دی جائے لیکن بچوں کی توجہ کو قائم رکھنا آواز کے زیر و بم پر ہی منحصر نہیں بلکہ جذبِ توجہ کا انحصار کہانی کے مضمون میں مدرس کی ذاتی دلچسپی پر ہے۔

(ج) اگر کہانی میں کسی شخص یا جانور کا کلام دہرانا ضروری ہو تو اس کی حرکات، آواز اور طرزِ کلام کی پوری پوری نقل اتاری جائے۔

(د) کہانی میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے واقعات بیان کیے جائیں جن کے ذریعے سے کچھ تفریح کا سامان پیدا ہو جائے۔

(ہ) کہانی میں ایسی باتیں شامل کی جائیں۔ جنہیں بچوں نے دیکھا ہو یا جن کے متعلق سنا ہو یا جن کا تصور وہ کر سکتے ہیں۔

(و) کہانی میں ایسے واقعات بھی ہوں جو تعجب انگیز ہوں مثلاً صندوق کا چلنا، درخت کا بولنا

وغیرہ۔

(ز) کہانی کی زبان سادہ اور عام فہم ہو۔

(ح) ایسی کہانیاں تلاش کی جائیں جو بچوں میں سوچنے کا مادہ پیدا کریں۔

(ط) کہانی ٹکڑوں میں سنائی جائے اور ہر حصے کا خلاصہ طلبہ سے نکلوایا جائے۔ سوالات کے ذریعے بچوں کی دلچسپی قائم رکھی جائے۔

(۵) ڈرامے کرنا۔ بچے نقل کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ ہر ایک شخص کی حرکات کی نقل کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے سے کوئی اجنبی شخص گذرے تو وہ اسی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ افسانے اور قصے کہانیاں سن کر اُن کو اصلیت کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گھوڑا۔ شیر۔ بکری بنتے ہیں۔ ان کے اس جذبے کو بول چال کی مشق کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کہانی کو ڈرامے کی صورت میں ادا کریں۔ اس طرح سبق اُن کے لیے دلچسپ بھی ہو جائے گا اور بولنے کی مشق بھی ہو جائے گی۔

(۶) سوالات کے جواب لینا۔ اس کی ابتدا تو چیزوں اور تصویروں سے ہی کی جا سکتی ہے لیکن بعض اوقات مدرس کو غیر رسمی گفتگو بھی کرنی چاہیے اور جماعت کے ہر بچے سے مختلف سوال کرنے چاہئیں۔ مثلاً ایک سے پوچھا جائے۔ آج تم نے کیا کھایا تھا۔ دوسرے سے۔ تمہارا باپ آج کہاں ہے۔ تیسرے سے تمہارے گھر میں کتنے صندوق ہیں وغیرہ۔ بڑی جماعتوں میں پڑھنے کے اسباق کے متعلق سوالات کیے جا سکتے ہیں یا تحریری کام سے پہلے اسی موضوع پر سوالات کر کے جوابات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

(۷) تقریر کرنا۔ جب بچے صحیح فقرات بولنا سیکھ جائیں اور مختلف امور کے متعلق آزادی سے گفتگو کر سکیں تو انہیں مسلسل فقرات بولنے کی مشق کرائی جائے۔ شروع شروع میں انہیں کوئی سی چیز یا تصویر دکھا کر اس کے متعلق چار چار، پانچ پانچ فقرے بولنے کے لیے کہا جائے۔ پھر کوئی موضوع پیش کر کے مسلسل تقریر کرنے کی مشق کرائی جائے لیکن فقرات کی ترتیب پر زور دیا جائے۔ فقروں میں باہم ربط قائم رہے۔ بے ترتیب فقرے نہ بولے جائیں۔ بچوں کی جھجک دور کرنے کے لیے سکول میں بزمِ ادب قائم کی جائے اور مہینے میں کم از کم ایک دفعہ ساری جماعتیں اکٹھی کر کے ادبی جلسہ کیا جائے اور بچوں سے تقریریں کرائی جائیں۔ نظمیں سنی جائیں۔ مکالمے اور ڈرامے کرائے جائیں۔ اس طریق سے بعض اچھے اچھے لیکچرار پیدا ہو جائیں گے جو اپنے خیالات بے تکلفی سے ادا کر سکیں گے۔ تفریحی گیت اور راگ۔ سازوں اور کا استعمال۔ شعبدہ بازی وغیرہ بھی بزمِ ادب کے پروگرام میں شامل کر دیے جائیں اور

بچوں کو موقع دیا جائے۔ کہ وہ تمدنی زندگی میں دلچسپی لیں۔

۲۔ پڑھنا

جب ہم پڑھتے ہیں تو الفاظ کے نقش آنکھ کے پردۂ بصارت پر اثر کرتے ہیں۔ پھر اس پردے سے اعصاب کے دماغ کے مقام باصرہ میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس تحریک سے الفاظ کی شکلوں اور معانی میں باہم لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس لگاؤ کی وجہ سے پیغام مرکزِ بصارت سے مرکزِ گفتار تک پہنچتے ہیں جس سے نطق، زبان اور لب سے تعلق رکھنے والے اعضاء کو حرکت ہوتی ہے۔ اور الفاظ یا فقرے بلند یا خاموش صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ سارا کام اس قدر تیزی سے ہوتا ہے کہ لفظ پر نگاہ کا پڑنا اور اس کا منہ سے بولا جانا دونوں عمل ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جب لڑکا پہلے پہل پڑھنا سیکھنے لگتا ہے اور کوئی نیا لفظ اُس کے سامنے آجاتا ہے جس سے وہ آشنا نہیں ہوتا تو مرکزِ بصارت اور مرکزِ گفتار میں تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ جب اُستاد وہ لفظ پڑھتا ہے تو آواز لڑکے کے کان میں جاتی ہے۔ اور دماغ کے مرکزِ بصارت اور مرکزِ سماعت میں تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جب لڑکا پھر اسی لفظ پر نگاہ ڈالتا ہے تو اس لفظ کی آواز بھی دماغ میں محسوس کرتا ہے۔ خواہ اس کا مطلب وہ سمجھا ہو یا نہ ہو۔

پڑھنے پر سطر پر سے گزرتے وقت آنکھ تیزی سے حرکت کرتی ہے یہ حرکت مسلسل نہیں ہوتی بلکہ آنکھ کو درمیان میں کہیں کہیں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اس وقفے کی مقدار ایک تو مضمون کے آسان یا مشکل ہونے پر منحصر ہے۔ دوسرے الفاظ کی شناخت کی قوت پر۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مطالعے میں صرف آنکھ کا استعمال کیا جائے چونکہ بچہ پہلے پہل سننے اور بولنے کے ذریعے سے زبان سمجھنے لگتا ہے۔ اس لیے شروع شروع میں بلند آواز سے پڑھنے کی مشق کرانا ضروری ہے۔

مبتدیوں کو پڑھنا سکھانے کے طریقے: طریقہ تعلیم درحقیقت مدرس کا دوسرا نام ہے۔ اگر مدرس ہوشیار سمجھدار اور نیک نیتی سے کام کرنے والا ہے تو ہر ایک طریقہ تعلیم کے ذریعے سے اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ نالائق اور بدنیت مدرس اچھے سے اچھے طریقے سے بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مبتدیوں کو اُردو پڑھنا سکھانے کے کئی طریقے سکولوں میں رائج ہیں۔

حروفِ تہجی: اس میں کل لفظ کے حروف کا نام لے کر اس کا تلفظ کر دیتے ہیں۔ لفظ کی آواز اور اس آواز کے اجزاء کی مقررہ شکلوں میں تعلق

پیدا کیا جاتا ہے۔ جوں جوں بچہ حروف سیکھ کر ان سے لفظ بنانے کا طریقہ سمجھ لیتا ہے اس میں الفاظ پڑھنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ جملے خود ہی پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ طریق ایسا سادہ ہے کہ ایک ناتجربہ کار مدرس بھی استعمال کر سکتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنا اور ہجے کرنا دونوں ساتھ ساتھ آجاتے ہیں۔

طریق الصّوت: اس میں حروف کے نام بتانے کی بجائے ان کی آوازیں ذہن نشین کی جاتی ہیں۔

طریق بین وگو: اس میں الفاظ کے ہجے کر کے نہیں پڑھاتے بلکہ لفظ کو بہ ہیئت مجموعی دکھا کر اس کا تلفظ سکھا دیتے ہیں۔ الفاظ پڑھنے کے اثنا میں حروف بھی سکھائے جاتے ہیں۔

فقرات کا طریقہ: تین یا چار الفاظ سے بنا ہوا با معنی جملہ پیش کیا جاتا ہے جو بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت بین وگو کی اصلاح شدہ صورت ہے۔

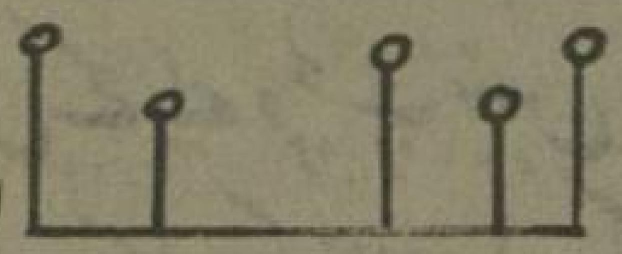
حروف تہجی کی اہمیت: تبدیلیوں کو پڑھنا سکھانے کے یہ طریقے مکمل نہیں۔ ہر ایک میں خوبیاں بھی ہیں اور نقائص بھی موجود ہیں لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی سا طریق بھی استعمال کیا جائے۔ حروف تہجی کی شناخت اور ان کا استعمال لازمی طور پر سکھانا پڑتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو رسم الخط کی بنیاد حروف تہجی پر ہے۔ یہ حروف درحقیقت شارٹ ہینڈ ہیں۔ وضع حروف کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے مگر کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکی۔ صرف چند حروف کا سراغ مل سکا۔ زمانہ قدیم میں اہل مصر اظہار خیال کے لیے تصویر نویسی سے کام لیتے تھے۔ جب روزانہ خط کتابت میں مکمل تصاویر کا بنانا مشکل اور وقت طلب ہو گیا تو اس کا حصہ دکھانے لگے۔ ان حصوں نے آہستہ آہستہ حروف کی شکل اختیار کر لی۔

الف" عبرانی میں اس کی شکل یہ ہے (ے) یہ ایک بیل کے سینگ ہیں۔ عبرانی میں بیل کو الف کہتے ہیں۔ ان کے ہاں مذہبی قربانیوں کا بہت رواج تھا۔ اس لیے انہیں بیل کی شکل اکثر بنانی پڑتی تھی۔ چونکہ مکمل شکل بنانا مشکل تھا اس لیے صرف سینگوں کو کافی سمجھ لیا گیا۔ کثرتِ استعمال سے یہی شکل ﴿ ہو گئی جو عربی میں ا میں تبدیل ہو گئی۔

"**ب**" بے۔ عبرانی میں اس کا نام بَت ہے جس کے معنی گھر کے ہیں اس کے نیچے نقطہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ عربی بیت اسی بت سے نکلا ہے۔

"ج" عبرانی تصویر نویسی میں یہ نقش اونٹ کا سر اور گردن ظاہر کرنے کے لیے تھا اور وہ اُسے جمل کہتے تھے۔ عربی میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔ ح

"د" اس حرف کی شکل مصری تصویر نویسی میں انسانی ہاتھ سے ظاہر کی جاتی تھی۔ عبرانی میں اس کی یہ △ شکل ہو گئی۔ اس کی شکل دروازے کی محراب سے ملتی ہے۔ عبرانی میں اسے دالت بمعنی دروازہ کہتے تھے۔ یونانیوں نے اسے △ اس طرح بنا لیا اور اس کا نام ڈیلٹا رکھ دیا۔ عربوں نے اس مثلث کا بایاں ضلع اڑا کر ⊂ بنا دیا۔ اور دال کا نام دے دیا۔

"س" مصری تصویر نویسی میں اس کی شکل یہ تھی  بعد میں یوں ہو گئی۔ پھر اس طرح ہو گئی۔ عبرانی میں اس طرح بنی۔ حقیقت میں یہ کنول کی تصویر تھی۔ جسے قدیم مصری زبان میں سن کہتے تھے۔ اور یہ پانی کے دیوتا کا مخصوص نشان تھا۔ عرب لوگ اسے شین کہنے لگے۔

"ک" عبرانی میں کاف ہاتھ کی ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ اسی سے فارسی کف نکلا ہے۔ عبرانی میں اس کی شکل یہ تھی۔ عربوں نے ک بنا لیا۔

"ل" مصری تصویر نویسی میں اس کی شکل پھر۔ عبرانی میں عربی میں ل ہے۔ عبرانی میں اس کا تلفظ لمد ہے جس کے معنی ہیں بیلوں کو ہانکنے کے لیے لوہے کی نکیلی سلاخ۔ آنکس۔

"م" عبرانی میں اس کی شکل ~~~ تھی اور یہ پانی کی علامت تھی۔ اس کا تلفظ میم تھا۔ جس کے معنی پانی کے ہیں۔ عربوں نے اسے میم بنا لیا۔ لفظ ما غالباً اسی سے نکلا ہے۔

"ن" عبرانی میں اس طرح لکھا جاتا تھا اور نون بولا جاتا تھا۔ نون عبرانی میں مچھلی کو کہتے ہیں۔ عربوں نے اس طرح ں بنا لیا مچھلی کو عربی زبان میں بھی نون ہی کہتے ہیں۔

ان امور کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر ایک صحیح الدماغ شخص اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اردو پڑھنا سکھانے کے لیے کوئی طریقہ استعمال کیا جائے۔ حروف تہجی سے واقفیت دلانا نہایت ضروری ہے۔

طریق تہجی کی فوقیت: طریق تہجی سب سے پرانا طریق ہے جو تمام سکولوں میں عام طور پر رائج ہے۔ اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ بچوں میں ناخواندہ اور نئے الفاظ کے پڑھنے کا ملکہ اسی طریق سے پیدا ہوتا ہے

صحیح املا لکھنے کی قابلیت اسی سے حاصل ہوتی ہے چونکہ اجزا سے واقفیت ہوتی ہے اور اجزا سے کل بنا لیتے ہیں۔ اس لیے الفاظ کو رٹنا نہیں پڑتا۔ بچے ہم آواز حروف سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے تلفظ صحیح اور درست ہوتا ہے۔ بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کی عادت ہو جاتی ہے کیونکہ مشکل حصے یعنی اجزا سے شروع کرتے ہیں اور جب بچے اس پر عبور حاصل کر لیتے ہیں تو ان میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

نئے طریقہ ہائے تعلیم کے دلدادہ اس طریق پر چند اعتراض کرتے ہیں۔

(۱) بچوں کے لیے دلچسپ نہیں۔ ایسی چیزوں سے ابتدا کی جاتی ہے جو بچے کے لیے مہمل ہیں اور مہمل چیز کا یاد کرنا اور یاد رکھنا مشکل ہے لیکن وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ بچوں کے دماغ اس قدر جاذب ہوتے ہیں کہ وہ انگریزی جیسی بے قاعدہ اور غیر مانوس زبان کے الفاظ کو کامیابی کے ساتھ رٹ لیتے ہیں حالانکہ انگریزی الفاظ کے تلفظ اور ہجے بے حد پیچیدہ اور مشکل ہیں۔

(۲) روانی کم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں روانی کم ہوتی ہے لیکن جب اجزا اور اُن کو ملانے کی واقفیت ہو جاتی ہے تو رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں طلبہ الفاظ پڑھنا سیکھ جاتے ہیں۔

(۳) یہ طریق قدرتی نہیں۔ یہ درست ہے لیکن اس کے مقابلے میں جو نئے طریقے پیش کیے گئے ہیں وہ بھی نقائص سے خالی نہیں۔ مثلاً طریق الصوت کے حامی۔ اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ کہ تقریباً ہم آواز حروف ذ ز ض ظ۔ ث س ص۔ ت۔ ط وغیرہ کی آوازوں میں تمیز کس طرح سکھائی جائے گی۔ جب تک حروف کے نام نہ بتائے جائیں مقصد حل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن بچوں کو طریق الصوت سے تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ املا میں کمزور رہتے ہیں۔ حروف کے نام سکھانا لازمی ہو جاتا ہے۔ اس کے بغیر بچے لغت کا استعمال نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ردیف وار فہرستوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور جب حروف کے نام بتائے بغیر گذارہ نہیں تو پھر کیوں شروع میں ہی نہیں سکھا دیے جاتے۔ روانی کی کمی اس طریق میں بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی تہجی میں۔ جن بچوں کو طریق بین وگو سے تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ صرف پڑھے ہوئے الفاظ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ نئے الفاظ نہیں پڑھ سکتے چونکہ الفاظ کی تجزی نہیں کرائی جاتی۔ اس لیے بچے املا نویسی میں بھی کمزور رہتے ہیں۔ وہ عام طور پر الفاظ کو رٹ کر یاد کر لیتے ہیں اور اگر کوئی لڑکا ایک دو دن سکول نہ آئے تو پچھلا پڑھا ہوا سبق بھول جاتا ہے۔ جب تک ہجے کرنا نہ سکھایا جائے یہ طریقہ ادھورا اور نامکمل ہے۔

کیونکہ ایسا نہ کرنے سے بچے آئندہ نئے الفاظ کو خود بخود شناخت کر کے نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی صحیح طور پر املا لکھ سکتے ہیں۔ درست پڑھنا سیکھنے اور املا لکھنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حروف تہجی کے نام۔ اِن کی مختلف حرکات اور حروف علت کی مدد سے اُن کو ملانا یعنی ہجے کرنا سکھایا جائے۔

مرکب طریقہ: اس لیے مناسب یعنی معلوم ہوتا ہے کہ طریق تہجی کے ذریعے سے مبتدیوں کو تعلیم دی جائے لیکن چونکہ حروف بچوں کے لیے غیر مانوس ہیں اس لیے اس نقص کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس طریق کو دلچسپ بنایا جائے۔ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ طریق تہجی اور بین وگو کو ملا دیا جائے اور اس مرکب طریقے سے پڑھنا سکھایا جائے۔ حروف ابجد الگ سکھانے کی بجائے ایسے الفاظ میں سکھائے جائیں جہاں حروف اپنی انفرادی اور اصلی حالت میں آتے ہیں۔ مثلاً رب دِن۔ اس۔ دم وغیرہ پہلے دو تین الفاظ طریق بین وگو سے پڑھا دیے جائیں تاکہ فقرے بنانے میں آسانی ہو۔ مثلاً یہ۔ ہے۔ کر وغیرہ۔ ہر ایک سبق میں پہلے حروف کے رسمی نام بتائے جائیں پھر ایسے الفاظ پیش کیے جائیں جو اِن حروف سے مل کر بنیں اور سبق کے آخر میں جو فقرات آئیں۔ وہ طریق بین وگو سے پڑھائے جائیں مثلاً

(۱)	یہ۔ ہے۔ کر	بطریق بین وگو
(۲)	د۔ و۔ ہ	حروف کے رسمی نام
	دو۔ وہ	الفاظ
	وہ دو۔ یہ دو	فقرات بطریق بین وگو
	وہ ہے۔ یہ ہے	
	وہ کر۔ یہ کر	

وہ حروف جو ایسے عام فہم الفاظ میں نہیں آتے جو علیحدہ علیحدہ حروف سے مل کر بنے ہوں۔ مثلاً ش۔ ص۔ ع وغیرہ اُن کو آخر پر بلا امداد الفاظ پڑھایا جا سکتا ہے۔ یا دو حرفی۔ سہ حرفی مرکبات میں ملا کر بتا دیا جائے۔ اس وقت تک طلبہ پچیس تیس حروف سیکھ چکے ہوں گے۔ اور پچاس ساٹھ فقرے پڑھ چکے ہوں گے۔ اِن حروف کا سمجھنا اِن کے لیے مشکل نہ ہوگا۔ تمام حروف پڑھانے کے بعد ابجد کے لحاظ سے اِن کی ترتیب بتا دی جائے۔

اس طریق سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ بچوں کے دماغ بے معنی مرکبات سے پریشان نہ ہوں گے۔ ن الفاظ کی تجزی وہ کر سکیں گے۔ اُن کو بین وگو سے بھی ساتھ ساتھ پڑھایا جائے گا اور فقرات

سب لے سب ہین وگو سے ہی پڑھائے جائیں گے تاکہ روانی میں فرق نہ آئے۔

چارٹ: چھوٹے بچوں کی تعلیم کو دلچسپ بنانے کے لیے مدرس کو مختلف طریقے اختیار کرنے چاہئیں اور مناسب موقعوں پر تعلیم دینے کے مختلف اصول استعمال کرنے چاہئیں۔ مثلاً پڑھنا سکھانے کے لیے گتے کے حروف یا حروف کے تاش بنا لیے جائیں تصاویر کے ذریعے حروف اور الفاظ کا تصور دلایا جا سکتا ہے۔ حروف اور الفاظ کی شناخت کی مشق کرانے کے لیے مدرس کو خود بھی چارٹ تیار کرنے چاہئیں تاکہ بچے آسانی سے پڑھنا سیکھ جائیں۔ اگر مدرس اپنے دماغ سے کام لے کر نئے چارٹ تیار نہیں کر سکتا تو کم از کم اِن اسباق کی مدد سے جو بچے پڑھتے ہیں۔ الفاظ کی ترتیب بدل کر نئے فقرے ضرور بنا سکتا ہے۔ ایسے فقرے چارٹ کی صورت میں لکھے جا سکتے ہیں۔ اگر مضمون کے مطابق تصاویر مل جائیں تو وہ بھی لگا دی جائیں۔ ایسے چارٹ ایک تو کمرے کی زیبائش کا باعث بنتے ہیں دوسرے بچوں کے لیے اسباق کو دلچسپ بنا دیں گے۔ چارٹ موٹے کاغذ پر خوشخط لکھ کر گتے پر چسپاں کر لینے چاہئیں یا کپڑے پر لگا کر چقتیاں لگا دینی چاہئیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مدرسین چارٹ تو بنا دیتے ہیں مگر انہیں موزوں موقعوں پر باقاعدگی سے استعمال نہیں کرتے بعض استاد رسمی طور پر ایسے چارٹ تیار کرا لیتے ہیں۔ جن کا مناسب استعمال اُن کے طریقہ تعلیم میں نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنا محض وقت اور محنت کا ضائع کرنا ہے۔

گروپ سسٹم: ادنیٰ جماعت میں سبقوں کے لحاظ سے جماعت کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر دینا بہت مفید ہے۔ بچے گروپوں میں بیٹھ کر اپنا سبق یاد کر سکتے ہیں۔ کمزور لڑکے ہوشیار سے مدد لے سکتے ہیں۔

محکمہ کی ہدایات کے مطابق اسباق کے لحاظ سے پہلی جماعت کے زیادہ سے زیادہ تین گروپ بنائے جائیں۔ اس جماعت میں داخلہ اپریل مئی اور اکتوبر نومبر میں ہوتا ہے۔ اکتوبر نومبر سال گذشتہ اپریل مئی سال حال اور اکتوبر نومبر سالِ حال کے داخلے سے تین گروپ خود بخود بن جاتے ہیں۔

بڑی جماعت میں بھی جماعت کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔ ہر ایک گروپ میں ایک ہی قابلیت کے لڑکے نہ ہوں بلکہ ہر قسم کی مختلف قابلیتوں کے ایک ایک دو دو لڑکے موجود ہوں۔ جماعت کے ہوشیار لڑکے اِن گروپوں کے لیڈر بنا دیے جائیں۔ اس طرح گروپوں میں مقابلے کا جوش پیدا ہو جائے گا۔ ہوشیار لڑکے اپنے اپنے گروپ کے کمزور لڑکوں کی امداد کریں گے اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوگی کہ اس کا گروپ دوسرے گروپوں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہ جائے۔ مدرس جماعت سے جو کام کرانا چاہتا ہے۔ وہ ہر ایک گروپ لیڈر کو بتا سکتا ہے اور لیڈر اپنے اپنے گروپ سے وہ کام پورا کرا سکتا ہے۔ یہ طریقہ جماعت میں ضبط قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

نثر پڑھنا اور خوش خوانی : خوش خوانی کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والا اس طرح پڑھے کہ سننے والا مطلب آسانی سے سمجھ جائے۔ بچوں میں خوش خوانی کی عادت ڈالنے کے لیے عبارت کو اس طرح پڑھنے کی مشق کرائی جائے کہ الفاظ میں بخوبی تمیز ہو سکے۔ حروف اور الفاظ کی آوازیں صحیح طریق سے ادا کی جائیں۔ بغیر کسی جھجک کے رواں پڑھا جائے۔ اور یہ زیادہ تر شناخت الفاظ پر منحصر ہے۔ پڑھتے وقت عبارت کے مطلب کے مطابق آواز میں زیر و بم پیدا کرنا اور مناسب الفاظ پر زور دینا بھی ضروری ہے۔

مدرس کی تیاری چھوٹی جماعتوں کو پڑھانے والے استاد گھر سے تیاری کر کے نہیں آتے۔ اُن کا خیال ہے کہ لوگ ہمیں نالائق سمجھیں گے۔ بعض اُسے اپنی ہتک سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر جماعت میں کوئی مشکل پیش آگئی تو اُس کا اثر ضبط پر کیا پڑے گا۔ اور بچوں کی رائے مدرس کے متعلق کیا ہوگی۔ آج کل اُردو کی کتابوں میں ہندی بھاشا اور انگریزی کے لفظ استعمال ہو رہے ہیں۔ اگر استاد سبق کو ایک دفعہ پڑھ لے تو اُسے کئی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ جن کا علم اُسے پہلے نہ تھا علاوہ ازیں وہ پڑھنے کا صحیح نمونہ بھی جماعت کے سامنے دے سکے گا۔ آج کل اکثر مدرسین اپنی اپنی جماعت کی اُردو کی کتابیں صحیح طور پہ نہیں پڑھ سکتے اور نظم کا تو خدا ہی حافظ ہے۔

مدرس کا نمونہ : اس امر پہ بار بار زور دینے کی ضرورت نہیں کہ بچے ہمیشہ استاد کی تقلید کیا کرتے ہیں۔ اچھا پڑھنے کا وصف پیدا کرنا مدرس کی ذات پر منحصر ہے۔ پڑھنا سکھانے کے لیے جماعتیں ادنےٰ ہوں یا اعلیٰ۔ مدرس کا نمونہ نہایت ضروری ہے۔ مدرس کو چاہیے کہ جو سبق وہ پڑھانا چاہتا ہے اُسے ایک دو دفعہ خوب اچھی طرح بلند آواز سے پڑھ لے اور مشکل الفاظ کے تلفظ کے متعلق اچھی طرح تسلی کر لے۔

تلفظ : اُردو میں عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ ہندی اور کئی زبانوں کے الفاظ داخل ہیں۔ اِن میں اکثر تو اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں لیکن بعض الفاظ ہم نے اپنے لہجے کے مطابق تبدیل کر لیے ہیں۔ اُردو پڑھنے کے لیے الفاظ کو صحیح طور پر ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ الفاظ کا تلفظ سیکھنے کے لیے مختلف زبانوں کے الفاظ کی پہچان ضروری ہے اور پھر ہر ایک حرف کا علیحدہ علیحدہ ٹھیک طور پر ادا کرنا لازمی ہے اور اس کے لیے مختلف حروف کے صحیح مخرج جاننا شرطِ اولین ہے۔ ہم یہاں مختصر طور پر اس کا بیان کرتے ہیں

۱۔ ح ۔ خ ۔ ع ۔ غ ۔ ہ — حلق سے نکلتے ہیں۔

ج ۔ ق ۔ ک ۔ ی — تالو سے نکلتے ہیں۔

ب ۔ ف ۔ و ۔ م ہونٹ سے نکلتے ہیں۔

انہیں حروف قمری کہتے ہیں۔

ت ۔ ث ۔ د ۔ ذ ۔ ط ۔ ظ ۔ ل ۔ ن دانت سے نکلتے ہیں

ر ۔ ز ۔ س ۔ ش ۔ ص ۔ ض زبان سے نکلتے ہیں ۔

انہیں حروف شمسی کہتے ہیں ۔

ان حروف کے تلفظ میں ہم عام طور پر غلطی کرتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو کئی دفعہ عبدل رشید یا عبدل ستار بولتے سنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگ تلفظ کے اصولوں سے واقف نہیں۔ بہت کم خواندہ لوگوں کو یہ معلوم ہے۔ کہ ال جب شمسی حروف کے ساتھ آتا ہے تو بولا نہیں جاتا۔ قمری حروف کے ساتھ بولنے میں آتا ہے مثلاً عبدالکریم۔

بعض اوقات ہم وزن الفاظ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے حروف بھی ہم مخرج ہوتے ہیں۔ ان کے معنوں میں تمیز کرنا اردو زبان کے طالب علم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یہاں چند ایک مثالیں بطور نمونہ دی جاتی ہیں۔

آج ۔ عاج	اصل ۔ عسل
اجل ۔ عجل	الم ۔ علم
ارب ۔ عرب	آم ۔ عام
آری ۔ عاری	ہل ۔ حل
ارض ۔ عرض	کمر ۔ قمر
سدا ۔ صدا	کسرت ۔ کثرت
سفر ۔ صفر	ذن ۔ ظن
ستر ۔ سطر	

اس قدر واقفیت حاصل کر لینے کے بعد اردو زبان کے طالب علم کو ایسے الفاظ سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے جو زبان اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن ہم وزن اور ہم صورت ہیں۔ ایسے الفاظ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بر	فارسی	اوپر
بر	ہندی	رشتہ
بال	فارسی	بازو
بال	ہندی	بچہ

بال	انگریزی	ناچ
پاس	ہندی	نزدیک
پاس	انگریزی	کامیاب
پاس	انگریزی	اجازت نامہ
دار	عربی	گھر
دار	فارسی	سولی
دار	ہندی	والا
کَل		فردا
کُل		آرام
کَل		مشین

لُغت کا استعمال: اُردو میں عربی زبان کے جو لفظ پائے جاتے ہیں۔ ان کے تلفظ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں کہ زبر۔ زیر۔ پیش کے ذرا سے فرق سے اِن کے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ کتابوں میں عام طور پر اعراب نہیں لگائے جاتے۔ روزمرہ کی گفتگو میں وہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ اس لیے تلفظ کی غلطیوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی مستند لغت کا استعمال کیا جائے۔

بچے عام طور پر مدرس کی نقل کیا کرتے ہیں۔ اگر مدرس کا تلفظ اچھا نہ ہوگا تو بچے بھی وہی غلطیاں کریں گے اور بار بار کے استعمال سے جب غلط تلفظ ذہن نشین ہو جائے گا تو پھر اس کا چھوڑنا امر محال ہے۔ اگر مدرس علمی اور ادبی محفلوں میں اپنا وقار قائم رکھنا چاہتا ہے تو اُسے لُغت کا مستقل طور پر مطالعہ کرنا چاہیے۔ الفاظ کا تلفظ معلوم کرکے اُسے بار بار استعمال کرنا چاہیے۔

بچوں کو شروع ہی سے لُغت کے استعمال کی عادت ڈالنا نہایت مفید ثابت ہوگا اور یہ اِس طرح سے ہو سکتا ہے کہ جب بچہ سکول میں داخل ہو اور پڑھنے کا پہلا سبق لے تو ساتھ ہی لکھنے کی مشق شروع کرادی جائے اور بچے کے ہاتھ میں کوئی چھپا ہوا قاعدہ نہ دیا جائے بلکہ اُس سے کہا جائے کہ وہ اپنا قاعدہ خود بنائے گا۔ وہ علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر یا سادہ کاپی کے اوراق پر ہر روز کا سبق لکھتا رہے۔ آہستہ آہستہ جب وہ لکھنے کی کافی مشق کرلے تو پھر اُسے یہ کہا جائے کہ جب کوئی نیا لفظ پڑھے تو وہ فوراً اپنی کاپی میں لکھ لے۔ اس طرح وہ اپنی لُغت خود تیار کرتا جائے گا۔ مدرس کے قیاس میں جن الفاظ کا تلفظ غلط ہونے کا امکان ہے۔ ان کی فہرست تیاری سبق کے تمام مرتب کرلینی چاہیے۔ دوران سبق میں حسب ضرورت اس میں توسیع ہوتی جائے گی۔

اجتماعی پڑھنا: پہلی جماعت میں اُستاد ایک ایک لفظ صاف الفاظ میں آہستہ آہستہ پڑھے اور تمام بچے مل کر اس کی تقلید کریں۔ اس سے پڑھنے کے نقص اکثر دُور ہو جاتے ہیں۔ کمزور لڑکے ترقی کرنے لگتے ہیں۔ شرمیلے بچوں کی جھجک دُور ہو جاتی ہے۔ جلد جلد اور بہت آہستہ آہستہ پڑھنے والے بچے اپنی رفتار کو اعتدال پر لا سکتے ہیں لیکن اس طرح پڑھنا سکھانے میں مدرس کو سخت نگرانی کی ضرورت ہوگی اور اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ تمام بچے توجہ سے پڑھ رہے ہیں کیونکہ اجتماعی طور پر پڑھنے میں بے توجگی اکثر دیکھی گئی ہے۔

انفرادی پڑھنا: ابتدائی جماعت میں ہی انفرادی پڑھنے کی عادت ڈالی جائے۔ جب بچے اجتماعی طور پر پڑھ چکیں تو پھر باری باری ہر ایک لڑکے سے وہی سبق سنا جائے۔ اس سے ہر ایک لڑکے کی غلطیاں دُور ہو سکیں گی۔ دوسرے بچوں کو متوجہ رکھنے کے لیے انہی سے غلطیوں کی اصلاح کرائی جائے جس وقت کوئی لڑکا غلطی کرے۔ اُسے فوراً ٹوک دیا جائے اور پھر درستی کر کے تمام جماعت سے اجتماعی طور پر کہلوایا جائے۔ بڑی جماعتوں میں صرف انفرادی پڑھوانا ہی کافی ہوتا ہے اور مفید بھی ہے۔ مدرس نمونہ دے کر کسی ہوشیار لڑکے سے پڑھوائے پھر وہی عبارت کسی کمزور لڑکے سے پڑھوائے۔ بہتر تو یہ ہے کہ جب تک تمام لڑکے باری باری اس عبارت کو ایک دفعہ نہ پڑھ لیں۔ آگے سبق نہ دیا جائے۔

تختۂ سیاہ کا استعمال: پڑھنا سکھانے کے سبق میں تختۂ سیاہ کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ مشکل الفاظ جن کے معانی طلبہ کو سمجھانا ضروری ہو۔ محاورات جن کا مطلب اور استعمال طلبہ کو بتایا جائے۔ خاص خاص ترکیبیں جن کی تشریح کی ضرورت ہو یا ایسے الفاظ جن کا فقرات میں استعمال کرنا مقصود ہو۔ تختۂ سیاہ کی مدد سے بچوں کے ذہن نشین کیے جا سکتے ہیں۔

تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مشکل الفاظ ذرا موٹے قط سے لکھے جائیں اور اُن کے معنی یا تشریح ذرا باریک قط سے تاکہ الفاظ و معانی میں تمیز ہو سکے۔

پڑھنے میں خامی کے اسباب اور اُن کا تدارک: ہمارے سکولوں میں اُردو کی تعلیم کی طرف سے بڑی بے پروائی برتی جا رہی ہے۔ ہائی سکولوں میں اکثر طلبہ اُردو نہیں پڑھتے۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک زندگی کے مشاغل میں دوسرے مضامین سائنس۔ جغرافیہ وغیرہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مدرسین کی اپنی علمی قابلیت بھی پست ہوتی ہے۔ وہ مطالعے کے شوقین نہیں ہوتے اور اپنی ادبی استعداد بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ نہ ہی وہ اُردو کی تعلیم صحیح طریقے سے دے سکتے ہیں۔ بعض

کتابیں بھی خاص ادبی معیار کی نہیں ہوتیں۔ نہ ہی طلبہ کے لیے موزوں مضامین نظم و نثر منتخب کیے جاتے ہیں۔

جہاں تک بچوں کا تعلق ہے پڑھنے میں خامی کے مندرجہ ذیل اسباب تجربے میں آئے ہیں:-

(۱) پست ذہنیت۔ بچے کے قوائے ذہنی کی نشوونما صحیح طور پر نہیں ہوتی اور یہ خامی پڑھنے میں کمزوری کا باعث ہوتی ہے۔

(۲) بصارت کی کمی۔ بعض بچوں کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ وہ الفاظ کو جلدی اور اچھی طرح سے شناخت نہیں کر سکتے۔

(۳) طاقت گویائی میں نقص۔ بعض اوقات لکنت یا توتلا پن پڑھنے میں کمزوری کا سبب ہوتا ہے اگر شروع ہی میں اس کی طرف توجہ دی جائے تو اکثر صورتوں میں یہ نقص رفع ہو جاتا ہے۔ منہ میں کنکریاں وغیرہ ڈال کر پڑھوانے سے کئی دفعہ توتلا پن دور ہو جاتا ہے۔ ورنہ بصارت اور گویائی کے نقص کی صورت میں ڈاکٹر سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لکنت بعض اوقات زبان یا جبڑے یا گلے کے نقص کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کے لیے بھی ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ دماغی نقص بھی ہوتا ہے۔ ایک لفظ کی ادائی سے پہلے دوسرے کا تصور دماغ میں اُترنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک الجھن سی پیدا ہو جاتی ہے اور زبان فیصلہ نہیں کر سکتی کہ کس لفظ کو پہلے ادا کرے۔ اس کا علاج تال ہے۔ لڑکا ایک لفظ پر انگلی رکھے اور پڑھے پھر دوسرے کو تال دے کر پڑھے علیٰ ہذا القیاس۔ اگر استاد یا دوسرا لڑکا تال دے کر پڑھائے تو اور بھی اچھا ہے۔ کچھ عرصے میں لکنت جاتی رہے گی۔

(۴) شرمیلا پن۔ بعض اوقات بچہ شرم و حیا کی وجہ سے بلند آواز سے نہیں پڑھتا۔ استاد خیال کرتا ہے کہ بچہ پڑھنے میں کمزور ہے۔ بعض اوقات بچہ صرف اس لیے کمزور ہو جاتا ہے کہ جماعت میں نہ تو استاد اس کی طرف توجہ دیتا ہے اور نہ دوسرے بچے اس کی پروا کرتے ہیں۔ وہ شرم کے مارے چپ رہتا ہے اور اس کس مپرسی کی حالت میں پڑ کر پڑھائی میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ایسے بچوں کی شخصیت کو خاص اہمیت دی جائے۔ ان کی ترقی کے وسائل پر غور کریں۔ اصلاح کرتے وقت حوصلہ افزائی کریں۔ جب ذرا سی جھجک چھوڑ کر پڑھنا شروع کرے تو شاباش یا ایسے ہی دوسرے طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی کریں اور اس کو یقین دلائیں۔ کہ اب وہ ضرور پڑھنا سیکھ جائے گا۔

(۵) انگلی کی مدد سے پڑھنا۔ پڑھنے کے عمل کی تشریح کرتے وقت ہم بتا چکے ہیں کہ پڑھنا صرف آنکھ کا کام ہے اور آنکھ کی حرکت کی رفتار شناخت الفاظ کی قوت پر منحصر ہے۔ بعض استاد

ر بچوں کو حروف و الفاظ پر انگلی رکھا کر پڑھاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آنکھ بجائے خود بخود حرکت کرنے کے اُنگلی کے ساتھ ساتھ حرکت کرتی ہے۔ اس طرح ایک تو رفتار تیز نہیں ہوتی دوسرے انگلی کی مدد کے بغیر الفاظ شناخت کرنے میں دِقت پیش آتی ہے۔ اور مسلسل عبارت رواں نہیں پڑھی جا سکتی۔ اس لیے بچوں کو شروع ہی سے صرف آنکھ سے پڑھنے کی عادت ڈالی جائے

(۶) ہونٹ ہلائے بغیر نہ پڑھ سکنا۔ چونکہ بچہ پہلے پہل الفاظ کو سن کر بولتا ہے اور خود بول کر کانوں سے تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے شروع شروع میں اگر بلند آواز سے پڑھنے کی مشق کرائی جائے تو کوئی ہرج نہیں لیکن بڑے درجوں میں خاموش مطالعے کی عادت ڈالنا ضروری ہے بلکہ اگر ہونٹ ہلائے بغیر پڑھنے کی مشق پہلی جماعت میں ہی شروع کر دی جائے تو بہتر ہے جو لوگ ہونٹ ہلائے بغیر نہیں پڑھ سکتے۔ اِن کو بعض اوقات بڑی دقت پیش آتی ہے۔ محفل میں بیٹھ کر اخبار پڑھیں تو دوسروں کی سمع خراشی کا باعث ہوتا ہے اور اگر ہونٹ نہ ہلائیں تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

(۷) جوش اور دلچسپی کا فقدان ۔ بعض اوقات جب اسباق دلچسپ نہ ہوں یا بچوں کے مزاج اور معیارِ قابلیت کے مطابق نہ ہوں تو بچے بددل ہو جاتے ہیں۔ پڑھائی کے سبق کو دلچسپ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مختلف حکمتیں استعمال کریں۔ مثلاً

(ا) سوالات

(ب) صحیح اور غلط بیانات

(ج) ایسی مشقیں جن کا جواب ہاں یا نہ میں ہو

(د) جملوں اور پیراگرافوں کا انتخاب

اور دیگر حکمتیں جن کا ذکر ادبی کھیلوں کے ضمن میں کیا جائے گا۔ اس سے بچے ایک تو سبق میں دلچسپی زیادہ لیں گے۔ دوسرے کمزور بچے بھی جو اور طریقوں سے ترقی نہ کریں۔ پڑھائی میں چل نکلیں گے اُن میں مقابلے کا جوش پیدا ہوگا۔ اگر خاص خاص موقعوں پر انعامات بھی دیے جائیں تو اچھا ہے۔

مدرس کو اصلاح کے معاملے میں حوصلہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ہمیشہ یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ بچوں کی کمزوریاں کبھی نہ کبھی ضرور رفع ہو جائیں گی۔ بچوں کو اپنی کمزوریاں خود تلاش کرنے اور اُن کی اصلاح کرنے کا موقع دینا چاہیے بلکہ مناسب وقفوں کے بعد درستی کو دہرایا جائے۔ درستی کا اچھی طرح ذہن نشین کرنا دیر تک یونہی مشق کراتے رہنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

نظم خوانی اور بچوں میں ذوقِ سلیم پیدا کرنا: جب بچے پہلے پہل سکول میں آتے ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ پڑھنے کے

پڑھنے کے قابل ہوں۔ کہانیوں کے ساتھ ساتھ اُن سے گیت سنے جائیں۔ بار بار دہرانے سے بچے صاف اور صحیح بولنے لگیں گے۔ پھر تجاویز ذیل پر عمل کیا جائے :۔

(۱) شعر سننا۔ ابتدائی جماعتوں میں بچے اشعار درست طریقے سے نہیں پڑھ سکتے۔ اُستاد کا فرض ہے کہ وہ اچھی اچھی نظمیں اور اشعار منتخب کر کے کبھی کبھی بچوں کو پڑھ کر سناتا رہے۔

(۲) نظم پڑھنا۔ سننے کے بعد پڑھنے کا نمبر ہے۔ شعر کا پڑھنا درحقیقت سننے کے برابر ہے کیونکہ جب تک شعر کو بلند آواز سے نہ پڑھا جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا اور جب تک زبان سے ادا نہ کیا جائے۔ اس کی خوبیاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اس لیے بچوں کو بلند آواز سے نظم پڑھنے کی مشق کرائی جائے۔

عام طور پر جو نظمیں درسی کتابوں میں موجود ہیں ان میں مذاق سخن پیدا کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں بلکہ انہیں پڑھ پڑھ کر بچے بد مذاق ہو جاتے ہیں۔ اچھے اور بُرے شعر میں تمیز نہیں کر سکتے اور بعض اوقات تو نظم سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے اُستاد کو چاہیے کہ مستند شعرآ کے ایسے دلچسپ اشعار چن چن کر لائے جو چھوٹی چھوٹی بحروں کے سادہ اور آسان ہوں۔ اور بچوں کے معیارِ قابلیت کے عین مطابق ہوں۔ بچوں کو ترنم سے پڑھنے کی بھی عادت ڈالی جائے اور کبھی کبھی نظمیں گا کر پڑھوائی جائیں۔

(۳) اشعار کا سمجھنا۔ جو نظمیں جماعت میں پڑھائی جائیں۔ اِن کا مطلب ذہن نشین کرنا بھی ضروری ہے لیکن مدرس کو چاہیے کہ وہ ہر ایک شعر کی لمبی چوڑی تشریح نہ شروع کر دے ورنہ بچوں کی دلچسپی جاتی رہے گی۔ استاد کا صرف یہ فرض ہے کہ وہ نظم کو صحیح طریقے سے پڑھ کر طلبہ کے سامنے پیش کر دے اور بچوں کو پڑھنے کا صحیح طریقہ بتا دے۔ جب بچے اشعار کو ادا کرنا سیکھ جائیں گے تو مطلب خود بخود سمجھ جائیں گے۔

(۴) شعر کی داد دینا۔ جوں جوں بچے نظمیں پڑھتے جائیں اور اشعار سنتے جائیں۔ اُن سے یہ کہا جائے کہ وہ ایسے اشعار یاد کریں۔ جو انہیں پسند ہوں پھر ہفتے میں کوئی سا ایک وقت مقرر کر کے اُن سے باری باری شعر سنے جائیں اور خوبیاں دریافت کی جائیں۔ اس سے بچوں میں اچھے اور بُرے شعر کی تمیز ہوگی اور وہ شعرآ کے کلام کی داد دے سکیں گے۔ اگر بچوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے پاس نوٹ بکیں رکھیں اور جب کوئی اچھا شعر سنیں یا پڑھیں۔ اُسے نوٹ کر لیں تو اُن میں مذاق سخن پیدا کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

طلبہ میں نظمیں حفظ کرنے کا شوق پیدا کرنے کے لیے اِن پر نظم کے مضمون کا اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ نظم کو محفوظ رکھنے کے خواہشمند ہوں چونکہ بچوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے

یہ ضروری نہیں کہ جو نظم ایک لڑکا پسند کرتا ہے۔ دوسرے بھی اُسے پسند کریں گے۔ اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام لڑکے ایک ہی نظم یاد کریں۔ اگر ہر ایک لڑکے کے لیے ایک یا دو نظمیں حفظ کرنا لازمی ہو تو مدرس نظموں کی فہرست طلبہ کے سامنے پیش کردے اور ہر ایک لڑکا اپنی پسند کے مطابق اس میں سے نظمیں چن لے۔

زائد مطالعہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ دیہاتی طلبہ کی تفریح طبع کا سامان بہت محدود ہے ہمارے سکولوں کے طلبہ فرصت کے وقت کا بہترین استعمال نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک طرف تو مدرسین اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ رخصتوں میں طلبہ کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں اور رخصتوں کے بعد سکول میں کورے واپس آجاتے ہیں۔ دوسری طرف والدین بھی چلا رہے ہیں۔ کہ تعطیلات میں بچوں کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر ایک سکول میں زائد مطالعے کا سامان نہایت ضروری ہے۔ اور اس مقصد کے لیے لائبریری کا ہونا لازمی ہے

لائبریری : لائبریری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عام لائبریری تمام سکول کے لیے۔

(۲) کلاس لائبریری ہر ایک جماعت کے لیے۔

کلاس لائبریری میں مختلف کتابوں کی بہت سی جلدیں ہونی چاہئیں۔ یہ کتابیں جماعت کے کمرے میں ٹیچر انچارج کے پاس الماری میں رکھی جائیں اگر ہر ایک کتاب کی بیس یا پچیس جلدیں موجود ہوں تو بہتر ہے۔ اُستاد کو چاہیے کہ کتابیں تقسیم کرنے سے پہلے اِن کتابوں کے متعلق سرسری طور پر کچھ بتا دے۔ مثلاً تاریخی کہانی کے متعلق کتابیں تقسیم کرنے وقت کہانی کے آغاز کا کچھ حصہ بتا دیا جائے تاکہ طلبہ شوق سے کہانی کا انجام معلوم کرنے کے لیے کتاب کو پڑھیں۔

ہفتے میں ایک دِن کتابیں لینے اور واپس دینے کے لیے مقرر کر دینا چاہیے۔ بعض سکولوں میں ٹائم ٹیبل میں خاموش مطالعے کو وقت دیا جاتا ہے اور کتب لائبریری کا مطالعہ استاد کی نگرانی میں ہوتا ہے یہ بھی اچھا طریق ہے ورنہ اگر لڑکے گھر پر مطالعہ کرنے کے لیے کتابیں لے جائیں تو کوئی ہرج نہیں۔ کتابیں باقاعدہ حاضر باش طلبہ کو دی جائیں۔ اگر کوئی کتاب گم ہو جائے یا خراب ہو جائے تو طالب علم اِس کی جگہ نئی کتاب لا کر دے۔ اس طرح بچے حاضر باش ہوتے جائیں گے اور سامان کی حفاظت کرنا سیکھیں گے۔ وقت مقررہ پر کتابیں لینے اور دینے سے باقاعدگی اور وقت کی پابندی سیکھیں گے ہر ایک لڑکا اپنی کاپی میں اِن کتابوں کے متعلق جو اُس نے پڑھی ہیں بطریق ذیل اندراج کرتا جائے :۔

نمبر شمار :- نام کتاب ۔ لینے کی تاریخ ۔ دینے کی تاریخ ۔خلاصہ مضمون کتاب اس کے علاوہ جماعت کے کمرے میں ایک چارٹ آویزاں کیا جائے جس میں جماعت کے تمام لڑکوں نے جو کتابیں مطالعہ کی ہیں ۔ درج کی جایا کریں ۔ لائبریری کی کتابوں کی فہرست بھی کمرہ جماعت میں یا الماری کے باہر لگا دینی چاہیئے ۔

خاموش مطالعہ :- بچوں کو شروع ہی سے زیرِ لب پڑھنے کی عادت ڈالی جائے اور انہیں مطالعہ کرنے کا صحیح طریقہ بتایا جائے کہ وہ اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنے کی عادت ڈالیں ۔ کتاب کھولتے ہی فوراً مطالعہ شروع کر دیں ۔ مطالعہ کرنے میں خاص مقصد زیر نظر رکھیں اس بات کا خیال دل سے نکال دیں کہ وہ اُستاد کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں ۔ بلکہ لطف اُٹھانے ۔ تفریح کرنے اور واقفیت میں اضافہ کرنے کے لیے مطالعہ کریں ۔ صرف اُتنا وقت مطالعہ کریں جب تک تھکان محسوس نہ ہو ۔ اگر تھوڑا سا پڑھ کر طبیعت اُکتا جائے تو ذرا ٹھہر کر پھر پڑھنا شروع کر دیں اگر مطالعہ کے دوران میں فقرے یا اشعار پسند آئیں تو انہیں زبانی یاد کر لیں ۔ یا نوٹ بک میں نقل کر لیں ۔

کتابوں کا انتخاب :- بچوں میں زائد مطالعہ کی عادت شروع ہی سے ڈالی جائے پہلی جماعت کے بچے جب سہ حرفی ۔ چہار حرفی مرکبات والے آسان فقرے پڑھ لیں تو انہیں آسان آسان کتابیں پڑھنے کو دی جائیں ۔ اُردو زبان میں بچوں کے لیئے موزوں کتابیں انتخاب کرنا بڑا اہم کام ہے ۔ کتابیں بچوں کے لیئے مُفید ہوں ۔ اُن کی عمر اور معیار ذہنی کے مطابق ہوں ۔ اُن کی واقفیت میں اضافہ کریں ۔ اُن کے اخلاق پر اچھا اثر ڈالیں ۔ اخلاقی کہانیاں ۔ تاریخی افسانے ۔ مشاہدہ قدرت یا سائنس کی ایجادات کے متعلق کتابیں بچوں کے لیے موزوں رہیں گی ۔ ایسی کتابیں محکمہ تعلیم نے سکولوں کے لیئے منظور کی ہوئی ہیں ۔

ریڈنگ رُوم :- لائبریری کے علاوہ سکول میں ایک ریڈنگ رُوم ہونا چاہیئے جہاں میزوں پر اخبار اور رسالے صفائی سے ترتیب دیئے جائیں ۔ بچوں کے اخبار اور رسالے دیکھنے میں دلکش ۔ نفسِ مضمون کے لحاظ سے دلچسپ اور زبان کے لحاظ سے آسان ہونے چاہئیں اِن کے علاوہ خود مدرسین کے لیئے بھی تعلیمی اخبار اور ادبی رسالے ہونے چاہئیں ۔

۳ ۔ لکھنا

پڑھنا سکھانے کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی سکھانا چاہیئے اور اس کے لیے مدرس کو موزوں

موقع خود ہی تلاش کر لینا چاہیے۔ شروع شروع میں بچے انگلیوں سے ریت پر یا مٹی پر لکھیں۔ مدرس کو چاہیے کہ وہ بچوں کو سامنے بٹھا کر تختہ سیاہ پر نمونہ دے اور بچے انگلیوں سے زمین پر اس کی تقلید کریں۔ جب وہ اس طرح کچھ شُد بُد کرنے لگیں تو چاک سے تختہ سیاہ پر لکھنے کی مشق کرائی جائے پھر تختیوں پر لکھوانا شروع کر دیا جائے۔

خوشخطی: بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ بچوں کو سلیٹوں پر یا پنسل سے کاپیوں پر لکھنے کی مشق کرائی جائے تاکہ بچے قلم اور سیاہی سے اپنے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کریں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ خوش نویسی ایک نعمت ہے اور جہاں اور خوبیاں کسی خواندہ شخص کی ترقی میں ممد ہوتی ہیں۔ خوش نویسی اُس کی کامیابی میں بڑی معاون ہوتی ہے پرانے زمانے میں طالب علم خوش نویسی کو بطور فن حاصل کیا کرتے تھے۔ آج کل یہ چیز ایک روایت بن کر رہ گئی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو آج کل بھی خوش نویس امیدوار امتحان میں بدخط طلبہ سے زیادہ نمبر لے جاتے ہیں۔ دفتروں میں اُمیدواروں کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی درخواستیں طلب کی جاتی ہیں تاکہ ان کے خط کا اندازہ لگایا جا سکے۔ بچوں کو شروع ہی سے خوشخط لکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اس کے لیے سامان کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سامان: لکھنے کے لیے قلم۔ دوات۔ تختی اور کاغذ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمارے سکولوں میں ان چیزوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

قلم: قلم کا قط اچھا نہیں ہوتا۔ گھسے ہوئے اور ٹوٹی ہوئی نوک والے قلم سے بچے لکھتے رہتے ہیں اور اُستاد پروا نہیں کرتا۔ جب کاغذ پر لکھنے کی باری آتی ہے تو لوہے کا قلم شروع ہو جاتا ہے جو رہے سہے خط کا بھی ستیاناس کر دیتا ہے جو بچے قلم استعمال کرتے ہیں وہ جس قسم کے کچے پکے سرکنڈے کا چاہیں بنا لیتے ہیں۔ استاد نہ تو قلم خود بنا کر دیتا ہے نہ بچوں کو قلم بنانا سکھاتا ہے۔ قلم بنانا بھی ایک فن ہے جو خوش نویس ہی جانتے ہیں۔ بچوں کو بتانا چاہیے کہ وہ قلم کے لیے پکا اور خشک سرکنڈا استعمال کریں۔ قلم کی زبان کمزور نہ ہو۔ قط تیز چاقو سے لگایا جائے تاکہ صاف ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ مدرس اچھے قلم بنا کر ان کا ذخیرہ اپنے پاس رکھے۔ چھوٹے بچوں کو لکھائی کے وقت قلم دے دیے جائیں اور پھر واپس لے لیے جائیں۔ بڑی جماعتوں میں بچوں کو قلم بنانا اور قط لگانا سکھایا جائے۔

دوات: دوات کی حالت عام طور پر قلم سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ مٹی کی کچی دواتیں چھوٹے پیندے کی۔ سیاہی یا تو اس قدر گاڑھی کہ قلم کی زبان لت پت ہو جائے یا اس قدر پتلی کہ بچہ چھڑک چھڑک کر فرش، ٹاٹ، کپڑے سب خراب کر دے۔

صوف اوّل تو ہوتا ہی نہیں اگر ہو تو ایسے خراب کپڑے کا کہ ہر بار قلم لگاتے وقت ایک دھاگے کا سرا ضرور پھنس جاتے اور گھسٹتا ہوا چلا آئے۔ کبھی دوات اُلٹ جاتی ہے تو پاس بیٹھنے والوں کی بھی شامت آتی ہے۔ بہت کم مدرسین اس طرف توجہ دیتے ہیں۔ دوات عام طور پر چوڑے پیندے کی اور کم گہری ہونی چاہیے تاکہ اُس کے اُلٹنے کا اندیشہ نہ ہو اور قلم ڈالا جائے تو زبان کا سرا ہی سیاہی چاٹ سکے۔ سیاہی نہ بہت گاڑھی ہو نہ پتلی بلکہ رواں ہو۔ دوات لکھنے والے کے دائیں طرف ہو۔ قلم ڈبو کر جھٹکا نہ جائے۔ تاکہ فرش پر یا ٹاٹ پر چھینٹے نہ پڑیں۔

تختی — تختی پر گاچنی لگانے کا طریقہ بھی بچوں کو سکھانا چاہیے۔ بعض بچے اِس مٹی کی ایک موٹی تہ تختی پر جما لیتے ہیں جس پر قلم ہی نہیں چلتا۔

طرزِ نشست لکھتے وقت بیٹھنے کا صحیح طریقہ عام طور پر سب مدرس جانتے ہیں۔ کہ ایک گھٹنا کھڑا کر لیا جائے اور دوسرا الٹا دیا جائے۔ اس سے ریڑھ کی ہڈی سیدھی رہتی ہے۔ طالب علم آرام سے کافی دیر تک بیٹھ کر لکھ سکتا ہے۔ لیکن بہت کم مدرس لکھائی کے وقت اس کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر ایک لڑکا چوکڑی لگا کر بیٹھا ہے تو دوسرا دونوں گھٹنے کھڑے کر کے اور تیسرا دونوں ٹانگیں پھیلا کر۔

قلم پکڑنے کا طریقہ: بچوں کو قلم پکڑنے کا صحیح طریقہ بتانا بھی نہایت ضروری ہے۔ جب تک قلم کی گرفت درست نہ ہوگی۔ لکھائی اچھی نہ ہوگی۔ مدرس کو چاہیے۔ کہ گرفت کا نمونہ دے۔ اور ہر ایک لڑکے کی درستی کرے۔ قلم کو انگوٹھے اور پہلی دو انگلیوں سے پکڑیں۔ بہت نہ دبائیں۔

لکھنے کا طریقہ: تختیوں پر لکھنا سکھاتے وقت بعض مدرسین چار لکیروں سے کام لیتے ہیں۔ بعض پانچ لکیروں سے۔ بعض دو سے اور بعض صرف ایک سے۔ یہ کتابت کے مختلف طریقے ہیں۔ مدرس کو ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس کو حروف کی بناوٹ اور قد و قامت کا علم ہونا چاہیے اور اس کے لیے وہ کاپی سلپ یا کتابت کی دوسری کتابوں سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن بچوں کے لیے صرف استاد کا نمونہ ہونا چاہیے۔

استاد کا نمونہ: مدرس جو حروف و الفاظ طلبہ سے لکھوانا چاہے۔ پہلے ساری جماعت کے سامنے تختۂ سیاہ پر نمونہ دے۔ اس کے لیے ایک لکیر کھینچ لینا کافی ہے۔ طلبہ کی توجہ حروف کی بناوٹ کی طرف دلائی جائے اور اچھی طرح اُن کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ کون کون سے حروف لکیر سے اوپر رہتے ہیں اور کون کون سے نیچے جاتے ہیں۔ اِن کے نچلے اور اوپر کے حصوں کا باہمی تناسب بھی سمجھایا جائے۔ ابتدا میں صرف ایک حرف یا لفظ لکھ

اسی وقت طلبہ سے تقلید کرائی جائے اور اچھی طرح نگرانی کی جائے تاکہ بچوں کے ہاتھ غلط حرکت نہ کریں اگر نمونہ دے کر تقلید نہ کرائی گئی اور نگرانی نہ کی گئی تو اکثر بچے حروف کی بناوٹ غلط طریقے سے پیش کریں گے جیسا کہ آج کل بعض سکولوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے بعض حروف و الفاظ کو دائیں طرف کے بجائے بائیں طرف سے اور نیچے کی بجائے اوپر سے لکھنا شروع کرتے ہیں۔

نقل نویسی :- تختہ سیاہ پر سے نقل کرنے کی خوب مشق کرا کر پھر کتاب پر سے نقل کرنے کی مشق کرائی جائے۔ جب بچے لکھ رہے ہوں۔ اُستاد پھر کر ہر ایک طالب علم کی مناسب اصلاح کرے۔ پھر عام غلطیوں کی صحت تختہ سیاہ کی مدد سے ذہن نشین کردے۔ لکھائی کے کام کی مقدار اگر تھوڑی ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن مشق جس قدر زیادہ ممکن ہو۔ کرائی جائے۔

اِملا نویسی :- بچوں کو شروع ہی سے نقل نویسی کے ساتھ ساتھ بغیر دیکھے حروف و الفاظ لکھنے کی مشق کرانا بھی ضروری ہے۔ ٹوکویں یا کٹویں حروف۔ الفاظ اور پھر فقرات لکھوائے جائیں۔ بڑی جماعتوں میں آسان عبارت لکھوائی جائے۔ املا کے لئے جو عبارت منتخب کی جائے۔ وہ بچوں کی استعداد کے مطابق ہو بہت مشکل نہ ہو۔ مقدار میں بھی زیادہ نہ ہو۔ بعض مدرسین اِملا کے لئے لمبے لمبے پیراگراف منتخب کر لیتے ہیں جو مشکل الفاظ سے پُر ہوتے ہیں اور بہت سا وقت لکھوانے میں صرف کر دیتے ہیں اصلاح کے لیے انہیں کوئی وقت نہیں ملتا۔

لکھوانے سے پہلے وہ عبارت طلبہ سے ایک دفعہ پڑھوا لی جائے یا بڑی جماعتوں میں خود پڑھ کر سُنا دی جائے۔ مشکل الفاظ کی بناوٹ تختہ سیاہ پر سمجھا دی جائے اگر عبارت بچوں کی درسی کتاب میں موجود نہیں تو تختہ سیاہ پر لکھ کر پڑھوائی جائے۔

اِملا لکھانے سے پہلے بچوں کو سیدھی قطاروں میں بٹھایا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کی نقل نہ کریں۔ سامان کی پڑتال کی جائے اور عبارت آہستہ آہستہ ایک دفعہ پڑھ کر سنائی جائے پھر فقرات کے مناسب ٹکڑے صاف اور واضح الفاظ میں بول کر لکھوائے جائیں۔ بچوں کو ہدایت کی جائے کہ جب وہ بولے ہوئے الفاظ لکھ چکیں تو لکھوانے والے کی طرف دیکھیں۔ آخیر پر ساری عبارت ایک دفعہ پھر پڑھ کر سُنا دی جائے۔

اِصلاح :- غلطیاں درست کرنے کے کئی طریقے ہیں (۱) تختہ سیاہ پر عبارت لکھ دی جاتی ہے اور بچوں کو پڑھنے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ پھر تختہ سیاہ اُلٹ دیا جاتا ہے اور اِملا لکھوا دی جاتی ہے تختہ سیاہ پھر سیدھا کر دیا جاتا ہے۔ اور طلبہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی لکھی ہوئی عبارت کا تختہ سیاہ کی عبارت سے مقابلہ کریں ایک ایک الفاظ کو دیکھیں اور خود ہی غلط

لکھے ہوئے الفاظ پر نشان لگا دیں۔

تمام عبارت لکھوا دینے کے بعد طلبہ کو کتاب کا صفحہ اور پیراگراف کا نمبر بتا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس کی مدد سے غلطیاں درست کر سکیں۔ استاد نگرانی کرے۔

(۳) بجائے اپنی اپنی تختیوں پر نشان لگانے کے بچوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ تختیاں تبدیل کریں اور ایک دوسرے کی غلطیوں پر نشان لگائیں۔

(۴) مدرس خود ہر ایک لڑکے کی غلطیوں پر نشان لگاتا ہے اور اُن کو درست کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک دو ہوشیار لڑکوں سے جن کی کوئی غلطی نہیں ہوتی، امداد لے لیتا ہے۔

اصلاح خواہ کسی طریقے سے کی جائے۔ مدرس کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے۔ اصلاح کے بعد درستیوں کی مشق کرانا لازمی ہے۔ ہر ایک درست شدہ لفظ کم از کم پانچ دفعہ ضرور لکھوایا جائے تاکہ درستی ذہن نشین ہو جائے۔ عام غلطیاں تختۂ سیاہ کی مدد سے سمجھائی جائیں۔

۴۔ سمجھنا

دوسرے کی بات توجہ سے سننا اور اُس کا صحیح مفہوم اخذ کرنا، کتاب یا تحریر کا مطالعہ توجہ سے کرنا اور سیاق و سباق کے ربط میں صحیح مطلب سمجھنا، مشکل یا نامعلوم الفاظ کے صحیح معانی معلوم کرنے کی کوششیں کرنا، لغت کا استعمال کرنا، وسیع مطالعہ کرنا، ادراک کے صحیح ذرائع اختیار کرنا، ذہن کی عام معلومات میں اضافے کرتا رہنا، ضروری اور غیر ضروری باتوں میں تمیز کرنا، عبارت پر بحیثیت مجموعی نظر ڈال کر محوری نقطہ معلوم کر لینا، سوال توجہ سے سن کر فوراً اُس کا مناسب جواب دینا۔ اظہار و اخذ میں مناسب سرعت سے کام لینا وغیرہ۔

دوسرے کی بات بے توجہی سے سننا اور غلط مفہوم اخذ کرنا۔ کتاب یا تحریر کے مطالعے میں بے توجہی سے کام لینا، بار بار رجعت کرنا۔ سیاق و سباق کے تعلق کو ذہن میں قائم نہ رکھنا، اور صحیح مطلب اخذ نہ کرنا، مشکل یا نامعلوم الفاظ کے صحیح معانی معلوم نہ کرنا، بلکہ جو کچھ غلط ملط ذہن میں اس کا مطلب آئے، اسے قائم رکھنا، لغت کا استعمال نہ کرنا، وسیع مطالعہ نہ کرنا، بلکہ مطالعے سے اکتانا۔ ادراک کے وسائل کمزور ہونا، عام معلومات کے اضافے سے کترانا، ضروری اور غیر ضروری امور میں تمیز نہ کرنا، عبارت کا مرکزی نقطہ معلوم کرنے سے قاصر رہنا بے توجہی سے تحریر پڑھتے ہوئے یا تقریر سنتے ہوئے پریشان ہو کر مطلب کا رشتہ ہاتھ سے کھو بیٹھنا، سوال توجہ سے نہ سننا اور بہت دیر کے بعد جو غلط ملط ذہن میں آئے، جواب دینا، اظہار و اخذ میں حد سے زیادہ یا اعتدال سے کم سرعت دکھانا وغیرہ۔ مدرس کے لیے یہ عادات بہت غور طلب ہیں۔ تدریس زبان کا مقصود یہی ہے کہ بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کے متعلق

جو اچھی عادات ہیں وہ طالب علم میں پیدا ہوں اور خراب عادات کا انسداد ہو۔ مدرس کے لیے جہاں اچھی عادات پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہونے کی ضرورت ہے۔ وہاں اُسے یہ سعی بھی کرنی لازم ہے کہ اگر بچے میں کوئی خراب عادت پیدا ہو چکی ہو، تو اس کے ازالے کا اہتمام کرے تاکہ تدریسی مقصد فوت نہ ہو۔

لسانی عادات بھی اور قسموں کی عادات کی طرح اپنی کیفیت کے لحاظ سے دو صورتیں رکھتی ہیں جسمانی اور نفسانی، جسمانی عادات کا تعلق بدنی اعضاء سے ہے اور نفسانی عادات کا رابطہ ذہنی کیفیات سے ہے۔ اصلیت کی رو سے اِن دونوں میں سے ہر ایک کی پھر دو قسمیں ہیں۔ موروثی اور اکتسابی یا وہبی وہ ہیں جو خاندانی ورثے میں میسر آتی ہیں، یا فطری طور پر ودیعت ہوتی ہیں اور اکتسابی وہ ہیں جو کوشش وعمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اکتسابی عادات کے سلسلے میں تو یہ اہتمام آسانی سے ہو سکتا ہے کہ اچھی عادات پیدا ہوں اور بُری عادات سے احتراز رہے لیکن موروثی اور وہبی عادات کے سلسلے میں دقتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اِن کا ازالہ یا اِن پر ضبط مشکل سے ہوتا ہے۔ جن لسانی عادات کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، وہ زیادہ تر اکتسابی ہیں اور مدرس زبان کا حلقۂ اثر اُنھی تک محدود ہے۔ اُن سے آگے وہ بے بس ہے۔ اس حلقۂ اثر سے باہر طبیب یا نفسیاتی معالج کا کام ہے سب سے زیادہ اہم چیز تشخیص ہے۔ لسانی عادات کی تشخیص میں مدرس کو احتیاط سے کام لینا چاہیے اس تشخیص کے کام سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے مدرس کو لسانی نفسیات سے شناسا ہونا چاہیے۔[1]

بصورت دیگر اُسے نفسیاتی ماہر وطبیب سے مدد لینی چاہیے۔ لیکن عادات کے معاملے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] ایضاً ص ۳۴۰ تا ۳۴۲

باب ۳

ذخیرہ الفاظ

ذخیرہ الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو درسی کتب اور اضافی کتب سے طلبہ اپنی معلومات میں ذخیرہ کرتے ہیں۔ ذخیرہ الفاظ حصولِ تعلیم میں سہولت اور آسانی پیدا کرتے ہیں۔ جس طرح ڈیم میں پانی ذخیرہ کر کے بوقت ضرورت کام میں لایا جاتا ہے اسی طرح ذخیرہ الفاظ سے ذرائع ابلاغ کو مؤثر بنایا جاتا ہے۔ بات کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ جس قدر وافر ہوگا۔ اتنا ہی یہ عمل خوشگوار ہوگا۔

ذخیرہ الفاظ کے لیے طلبہ کی عمر اور ذہنی استعداد کو ملحوظ رکھ کر درسی کتاب تیار کرنی چاہیے۔ کتاب کی تدوین سے قبل اِن الفاظ کی فہرست بنائی جائے جو استعمال کرنے مطلوب ہوں۔ اِن الفاظ کے استعمال میں بچوں کی عمر اور معیار پیش نظر رہنا چاہیے۔ اگلی جماعت کی درسی کتاب کی تیاری کے لیے پچھلی جماعت کی درسی کتاب میں مستعمل الفاظ اگلی جماعت کے طلبہ کے لیے ذخیرہ الفاظ ہوں گے انہیں بلاخوف استعمال کیا جائے اور نئے الفاظ کی فہرست مرتب کر کے پہلے ذخیرے میں اضافہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک جماعت کی درسی کتاب کا ذخیرہ الفاظ آئندہ جماعت کی بنیاد بنتا چلا جائے گا۔

ابتدائی جماعتوں میں الفاظ کی تکرار رکھی جائے تاکہ ذخیرہ الفاظ سے بآسانی طلبہ مانوس ہوتے چلے جائیں۔ آہستہ آہستہ تکرار کم کی جائے اور بڑی جماعتوں میں الفاظ کی تکرار بالکل ختم کر دی جائے چھوٹے بچوں کا ذخیرہ الفاظ، الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ بڑی جماعت کے طلبہ کا ذخیرہ الفاظ

(۱) الفاظ (۲) فقرات (۳) تخیلات پر مشتمل ہوتا ہے۔

اُردو کی درسی کتاب کے الفاظ ہی ریاضی، دینیات اور معاشرتی علوم وغیرہ میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ گویا جو بچوں کا ذخیرہ الفاظ ہے وہی اُردو کی کتاب سے ہٹ کر دوسری نصابی درسی کتابوں میں برتا جاتے۔ اِن کتابوں میں پچھلی جماعت کا ذخیرہ الفاظ اور موجودہ اُردو کی کتاب کا ذخیرہ الفاظ ملا کر سائنس، دینیات اور معاشرتی علوم وغیرہ کی کتابوں میں ذخیرہ الفاظ استعمال کیا جائے۔

اُردو ہمارے ہاں نہ صرف بطور مضمون پڑھایا جاتا ہے بلکہ یہ ذریعہ تعلیم بھی ہے۔ اس لیے نصابی کتابیں اور اُستاد کی روز مرہ کی گفتگو اور سمجھانے کے لیے ذخیرۂ الفاظ کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے۔ اگر استاد طلبہ کے ذخیرہ الفاظ کو بخوبی جانتا نہیں ہے اور برتتے ہیں احتیاط ملحوظ

نہیں رکھتا تو ایسا استاد طلبہ سے انصاف نہیں کر پاتا۔ زبان کے استعمال میں طلبہ کی عمر اور ذہنی استعداد کا لحاظ اور پاس ایک کامیاب استاد کے لیے بڑا ضروری ہوتا ہے۔ اچھے صدر معلم پرائمری سطح پر جماعت کے ساتھ ہی معلم کو بھی چلاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ سے ساتھ ساتھ آگاہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اُسے فہرست مرتب کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

درسی کتاب تیار کرنے والوں کے لیے فہرست مرتب کرنا بنیادی اور اہم کام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بغیر کتاب تیار کرنا بے معنی قرار پاتا ہے۔ کتاب میں ذخیرہ الفاظ کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے۔

(۱) مناسب الفاظ (۲) موزوں ترتیب

(۳) مؤثر اسلوب

۱۔ الفاظ کا چناؤ درسی کتاب کی تالیف و تصنیف میں بنیادی مسئلہ ہے جو کتاب یا نظم پڑھتے وقت ہم جھوم جاتے ہیں یا ہمارا دل چاہتا ہے کہ ایک نشست میں پڑھ ڈالیں وہ الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال ہی تو ہوتا ہے۔ ابن عبدالملک کہا کرتا تھا کہ الفاظ کا بونڈا استعمال چیچک کے داغ دبوں سے زیادہ بُرا ہے۔ بعض مصنف یا مقرر موٹے موٹے مشکل اور دقیق الفاظ استعمال کر کے اپنی قابلیت کا لوہا منوانے کی کوشش کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پرسکون دریا میں کشتیاں اور شکارے چلتے ہیں اور جس جگہ بڑے بڑے پتھر حائل ہو جائیں وہاں شور تو زیادہ ہوتا ہے لیکن اس منظر سے کوئی شاید لطف اندوز ہوتا ہو۔ قادر الکلام مؤلف و مصنف الفاظ کے برجستہ استعمال سے۔ چھوٹے چھوٹے فقرات اور مانوس الفاظ کا استعمال کر کے معانی وہ جوت جگاتا ہے کہ قاری جھوم جاتا ہے۔

(۲) الفاظ کی موزوں ترتیب و تنظیم عبارت کو خوبصورت مالا بنا دیتی ہے۔ آپ ذرا ایک خوبصورت مالا کو ذہن میں لائیے جسمیں جگہ جگہ غیر مانوس دانے چن دیئے گئے ہوں۔ اسی طرح دقیق اور مشکل الفاظ کا استعمال طلبہ کو ذہنی تکان کا سبب بنتا ہے۔

ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کے لیے نئے الفاظ درسی کتاب میں رکھنے چاہئیں لیکن اس میں سلیقہ اور احتیاط پیش نظر رہنی چاہیے۔ پچھلی جماعت کا ذخیرہ الفاظ استعمال کرتے کرتے چند نئے الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے یہ لحاظ رہے کہ طلبہ صرف لغات کے ہو کر نہ رہ جائیں۔

(۳) درسی کتاب میں خیالات و تصورات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خیالات طلبہ کی ذہنی استعداد سے بلند اور بالا نہیں ہونے چاہیں درسی کتاب ادبی و علمی شاہکار نہیں ہوتی بلکہ وہ نصاب کا احاطہ کرتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نصاب کو مؤثر اسلوب میں پیش کر دیا جائے۔

اسلوب بیاں سے آسانی اور دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ خیالات و تصورات عام فہم بھی ہوں لیکن اسلوب بیاں کے الجھاؤ سے پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح طلبہ ذہنی الجھن کا شکار ہو کر بوریت محسوس کرتے ہیں۔

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ذخیرۂ الفاظ کا مسئلہ

اہمیت : کتنا اہم اور بنیادی ہے۔ اسی کے سہارے طلبہ آگے بڑھتے ہیں۔ یہ ایک مشعل ہے جو طلبہ اپنے ہاتھ میں تھامے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

ایک جماعت کی جملہ درسی کتب میں منصوبہ بندی کے ساتھ ذخیرہ الفاظ کو سمونے کی کوشش کی جائے۔ ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کو کتاب کی منظوری دیکھتے وقت ذخیرۂ الفاظ کی فہرست کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ عدم فہرست کی درسی کتاب کی ہرگز منظوری نہ دی جائے کیونکہ وہ اندازے اور قیاس سے تدوین کی گئی ہو سکتی ہے۔

ایک اچھی درسی کتاب " وہ ترتیب ذخیرہ الفاظ پر مشتمل ہو تاکہ بچوں کے ذخیرہ الفاظ میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا جائے۔ تحریروں، تقریروں، رسالوں، اخباروں اور کتابوں کے عام آسان اور کثیرالاستعمال الفاظ پہلے اور کم مستعمل اور مشکل الفاظ بعد میں لائے جائیں۔ اس بات کا اہتمام ہو کہ طلبہ گھریلو الفاظ اور پیشہ وارانہ الفاظ اور ادبی الفاظ پر بتدریج عبور حاصل کریں۔ اُردو زبان اور اُس کی اہمیت۔ ڈاکٹر سلیم فارانی۔

زباندانی میں الفاظ کے استعمال کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جو لوگ الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں ان سے باقی معاملات میں درست رویے کی توقع رکھنا عبث ہے۔ الفاظ سے ہی مافی الضمیر کو بہتر انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ الفاظ ہی کہنے سننے کا ذریعہ ہیں جو لوگ ان کے استعمال میں احتیاط نہیں برتتے وہ یقیناً ہر کام میں احتیاط و سلیقے کا دامن چھوڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ذخیرہ الفاظ کی اہمیت کے پیش نظر اُردو کی درسی کتاب تیار کرتے وقت داخلیت کو اہمیت نہ دی جائے بلکہ الفاظ کی مرتب فہرست پہلے سے تیار کی جائے جس میں پچھلی جماعتوں کا ذخیرۂ الفاظ اور اس جماعت میں استعمال کیے جانے والے الفاظ موجود ہوں۔ الفاظ کے استعمال کو سائنسی بنانے کے لیے فہرست میں گذشتہ جماعتوں کا ذخیرہ الفاظ اور اس میں موجودہ جماعت میں کتنے فیصد اضافہ کرنا ہے اور ہر جماعت میں کتنے فیصد اضافہ کیا جاتا رہے گا۔ اس طرح اوّل تا دہم کتنے الفاظ ذخیرہ بنانے مطلوب ہیں۔

ایسا ذخیرہ الفاظ کی ہر سطح کے لیے لغات تیار کی جائے تاکہ الفاظ کی پرکھ اور استعمال کے لیے لغات کا استعمال ممکن بنایا جاسکے۔ الفاظ کے استعمال میں بچوں کی ذہنی استعداد ملحوظ رکھی جائے

ہمارے استاد دو حرفی، سہ حرفی اور چہار حرفی الفاظ کی تخصیص سے جماعتوں کے لیے مخصوص کر لیا کرتے تھے اور اُن کے استعمال میں سختی سے عمل کرتے تھے۔ چہار حرفی لفظ دوسری اور تیسری جماعت کے لیے مشکل خیال کیا جاتا تھا۔ اس وقت کی کتاب کے مصنف اور مؤلف بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ دیکھنے سے یہ کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے سامنے مرتب فہرست نہ ہونے کی وجہ سے وہ الفاظ جو ہمیں مڈل حصے میں پڑھانے چاہئیں وہ پرائمری میں رکھ لیتے ہیں اور پرائمری کے مڈل جماعتوں کی اُردو کی درسی کتاب میں رکھے نظر آتے ہیں۔ اس طرح سے الفاظ کے استعمال میں بھونڈا پن آجاتا ہے اور سیکھنے کی رفتار میں بھی ارتقاء باقی نہیں رہتا۔ چھوٹی جماعتوں میں لغات کا استعمال عنقا ہوتا ہے۔ اس لیے اس جماعت میں دقیق الفاظ استعمال کرنا بچوں کی شہ رگ پر چھری چلانے کے مترادف ہے۔ اگر استاد ہمہ وقت الفاظ کے معانی بتاتا رہے تو طلبہ نظم و نثر سے حظ اٹھانے سے قاصر رہتے ہیں۔ کوشش کی جائے کہ اُردو کی درسی کتاب میں روزمرہ کی زبان استعمال کی جائے اور تصنع اور علمی و ادبی موشگافیوں سے احتراز کیا جائے۔

یورپ میں ماہرین بچوں کی استعداد کے مطابق الفاظ کی مرتب فہرست تیار کر دیتے ہیں۔ جن میں ان کے سیکھنے کی رفتار، ذہنی استعداد اور روزمرہ استعمال میں آنے والے الفاظ کی ایک جامع فہرست شامل ہوتی ہے۔ مصنف اور مؤلف اس فہرست کے مطابق درسی کتاب ترتیب دیتے ہیں۔

زبان ایک زندہ نامیاتی چیز ہے۔ اس سے جذب و قبول کی قدرت موجود ہوتی ہے۔ اُردو زبان میں جذب و قبول کی صلاحیت سب زبانوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے ہر دس سال کے بعد درسی کتابوں کی بھی نظر ثانی کی جائے لیکن اُس سے قبل ذخیرہ الفاظ کی فہرست نظر ثانی کر لی جائے۔ زبان سمجھنے سمجھانے کا ذریعہ ہے۔ اگر ذریعے کو مشکل بنا دیا جائے تو مفہوم و معانی تو دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

ایک جماعت کی نصابی کتب میں مستند مرتب فہرست کے الفاظ سموئے جائیں۔ نہ صرف کتب میں بلکہ آزمائشوں میں بھی اس معیار کو مدنظر رکھا جائے۔ ذخیرۂ الفاظ نظام تعلیم کا سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ ہے۔ اس لیے یہ سب سے زیادہ توجہ طلب ہے۔ اسے نظر انداز کر کے ہم نظام تعلیم میں بہتری کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

اقسام:۔ ذخیرہ الفاظ کی مثال گھر کے اندوختہ کی سی ہے۔ یوں تو گھر میں استعمال کی سینکڑوں چیزیں ہیں۔ کچھ روزمرہ کے استعمال کی ہیں۔ کچھ آرائش و زیبائش کی قرینے سے سجی ہیں کچھ مہمانوں کی مہمانداری میں کام آتی ہیں اور کچھ عید کے عید استعمال کی ہیں۔

بعینہٖ ذخیرۂ الفاظ کا معاملہ ہے۔ بہت سے الفاظ کتابوں کے مطالعے سے ہماری نظروں سے گذرتے ہیں۔ ہم اِن کو سمجھتے ہیں۔ اِن سے حظ اٹھاتے ہیں۔ اِن کا مفہوم و معانی سیاق و سباق میں واضح ہو جاتا ہے لیکن پھر مہینوں اِس سے واسطہ نہیں پڑتا۔ وہ ہمارے استعمال میں نہیں آتے۔ دوبارہ نظر سے نہیں گذرتے۔ اس طرح وہ الفاظ نظری ذخیرۂ الفاظ ہی قرار پاتے ہیں۔

نظری ذخیرۂ الفاظ کو نہ ہم استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی وہ ہماری گفتگو اور نوکِ قلم سے نکلتے ہیں یعنی کبھی نظر سے گذرے تھے لیکن پھر استعمال کی نوبت نہیں آئی۔

دوسری قسم عملی ذخیرۂ الفاظ کی ہے عملی ذخیرۂ الفاظ ہماری روزمرّہ کی گفتگو اور تحریر میں بار بار آنے والے الفاظ ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے لباس اور روزمرّہ کی اشیاء کی طرح ہماری زندگی کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں ہم انہیں بلا تکلف ارادی اور غیر ارادی طور پر استعمال کرتے ہیں۔

عملی ذخیرۂ الفاظ اصل میں نظری ذخیرۂ الفاظ کی پختہ صورت ہے۔ جس نظری ذخیرے کو بار بار استعمال کیا جائے وہ روزمرّہ کے چلن میں داخل ہو جائے گا اور پھر ہم انہیں تحریر میں بغیر کسی اجنبیت کے استعمال کریں گے۔ عملی ذخیرہ الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مطالعہ کرتے وقت نئے الفاظ کی فہرست بناتے چلیے اور مطالعے کے بعد انہیں دو چار بار لکھ کر مفہوم و معانی تک رسائی حاصل کر لیجئے۔ وہی نظری ذخیرہ الفاظ اب عملی ذخیرہ الفاظ میں تبدیل ہو جائے گا۔

عملی ذخیرۂ الفاظ جس قدر زیادہ اور وسیع ہو گا۔ اتنا ہی زبان پر قدرت اور عبور حاصل ہو گا اور جب زبان پر قدرت حاصل ہو گی تو مافی الضمیر کے اظہار میں ندرت اور نکھار آئے گا۔ ایک قادر الکلام شاعر بننے کے لیے دوسرے پسندیدہ شعراء کے دیوان ازبر ہوتے ہیں۔ اس طرح اِن کے عملی ذخیرہ الفاظ میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود ابو الکلام بن جاتے ہیں۔ ایک اچھا نقاد بھی اپنے پسندیدہ ادیب کی تمام کتب کھنگالنے کے بعد اپنی ایک طرز اور اسلوب بناتا ہے اور عملی ذخیرہ الفاظ کا ایک وافر ذخیرہ پیدا کر لیتا ہے۔

اُردو ہماری قومی زبان ہے۔ پورے پاکستان میں رابطہ کی زبان ہے۔ ہم سب بھائی اس زبان کے ذریعے ایک دوسرے کو سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔ زبان کی تدریس کا مقصد یہی ہے کہ ان کے عملی ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے مافی الضمیر کو آسانی اور روانی سے پیش کر سکیں اور دوسرے کے خیالات سے استفادہ کرنے میں انہیں دقت محسوس نہ ہو۔ ادباء اور شعراء کے ادب پاروں کو سمجھ کر استحسان و حظ اٹھا سکیں۔ انہیں ہر قسم کے خیالات کے اظہار پر قدرت حاصل ہو اور موقع محل کی مناسبت سے صحیح الفاظ کا انتخاب کر سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ الفاظ کا برمحل اور درست استعمال لباس کے انتخاب سے زیادہ اہم ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگ

اپنے لباس کو تو تقریب کی مناسبت سے استعمال کرتے ہیں لیکن الفاظ سے غفلت برت کر کور ذوقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب لباس کے انتخاب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ الفاظ آپ کے اپنے ہیں اور لباس مانگے کا بھی ہو سکتا ہے۔

استعمال کے اعتبار سے الفاظ کی دو قسمیں (۱) نظری (۲) عملی ہیں۔ مصنفین و مولفین درسی کتاب میں دو طرح کے ذخیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۱) محدود ذخیرۂ الفاظ (۲) غیر محدود ذخیرہ الفاظ

محدود ذخیرہ الفاظ سے مراد یہ ہے کہ درسی کتاب میں ایک مترتب ذخیرہ الفاظ کی فہرست تیار کر کے محدود پیمانے پر ذخیرہ الفاظ استعمال کیے جائیں۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اِن محدود ذخیرۂ الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جائے تاکہ وہ نظری ذخیرے کی بجائے عملی ذخیرہ بنتا چلا جائے۔ اس میں چھوٹی جماعتوں میں تکرار سے محدود ذخیرہ الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے لیکن بڑی جماعتوں میں وقفوں وقفوں سے اِن الفاظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ محدود ذخیرہ الفاظ کا تعدّد و تکرار درسی کتاب میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ طریقہ طلبہ کے بے فائدہ ہوتا ہے۔ اِس کو مؤثر بنانے کے لیے پچھلی جماعتوں کا ذخیرہ الفاظ کی مرتب فہرست تیار کرتے الفاظ کا پہلے سے تعین کر لیا جائے اور انہیں مرحلہ وار ہر جماعت میں جگہ دی جائے۔ اس طرح محدود ذخیرۂ الفاظ کو استعمال کر کے خاطر خواہ فائدہ لیا جا سکتا ہے۔

غیر محدود ذخیرہ الفاظ میں مصنف اپنی داخلیت اور آزادی سے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ یہ ایک غیر سائنسی طریقہ ہے۔ اگر کوئی کتاب معیار پر پوری اُترے تو یہ اتفاق ہوگا۔ وگرنہ غیر مترتب ذخیرۂ الفاظ سے ڈھنگ کی کتاب ممکن نہیں ہے۔ ایسی کتاب میں مصنف بے قید و بند الفاظ کا استعمال کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ الفاظ سمو کر زیادہ فائدہ کا متمنی ہوتا ہے لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر کتابیں ذخیرۂ الفاظ کی منصوبہ بندی سے عاری ہوتی ہیں۔ اور غیر محدود ذخیرۂ الفاظ کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہیں۔

توفیر الفاظ کے وسائل: توفیر الفاظ سے مراد الفاظ میں وافر اور اضافہ کرنا ہے تاکہ نظری ذخیرۂ الفاظ عملی ذخیرۂ الفاظ میں تبدیل ہو جائے اور طلبہ انہیں اپنے روزمرّہ کی تقریر و تحریر میں بلا تکلف آسانی اور روانی سے استعمال کر سکیں۔ الفاظ کے ذخیرے میں جس قدر اضافہ و وسعت ہوگی اسی درجہ زبان پر قدرت اور دسترس ہوگی اور طلبہ اپنے مافی الضمیر کو حسن و خوبی سے ادا کر سکیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ طلبہ اپنی استعداد کے مطابق ہی اپنے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ اور وسعت ۔۔

دیتے ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ میں مرتب فہرست کے سوا بھی اس درجے کے الفاظ طلبہ مختلف ذرائع سے سیکھیں گے اور انہیں استعمال کریں گے۔ انہیں مرتب فہرست کا سختی سے پابند بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ "طاق کا خط" ہی پڑھ سکیں گے۔ الفاظ کے استعمال پر قدغن نہیں لگائی جائے گی بلکہ درسی کتاب کے ساتھ اضافی کتب جو اُس درجے کے لیے ماہرین انتخاب فرمائیں۔ مطالعے کے لیے تجویز کر کے طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا جائے گا۔

اس دور میں نئی ایجادات سے نت نئی مصنوعات آئے دن اپنے نام لے کر ہمارے استعمال میں آتی ہیں۔ بچے بھی انہیں استعمال کرتے ہیں اور ان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح بچوں کے گھریلو استعمال میں آنے والی اشیاء سے بھی بنیادی ذخیرہ الفاظ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو چیزیں متروک ہو جاتی ہیں ان کا نام بھی ذہنوں سے محو ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کا چلن ذخیرۂ الفاظ میں مفقود ہو جاتا ہے۔

مرتب فہرست پر ہر دس سال کے بعد نظرثانی کی جائے اور بنیادی ذخیرۂ الفاظ کی فہرست کو دہرایا جائے۔ اس طرح مرتب فہرست میں دیا گیا ذخیرۂ الفاظ طلبہ کی عملی زندگی سے مربوط ہو جائے گا اور درسی کتاب بامقصد قرار پائے گی۔

طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ و توفیر کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں۔

(۱) درسی کتاب میں نئے الفاظ کا استعمال	(۲) تقریر میں نئے الفاظ
(۳) تحریر میں نئے الفاظ	(۴) الفاظ سازی
(۵) نئے الفاظ کی بیاض	(۶) نئے الفاظ کے چارٹس
(۷) نئے الفاظ کی لغات	(۸) نئے الفاظ کی تلاش
(۹) نئے الفاظ کی باتصویر لغات	(۱۰) بیت بازی
(۱۱) نظمیں یاد کرانا	(۱۲) اضافی کتب کا مطالعہ
(۱۳) انشا پردازی کا مقابلہ	(۱۴) مباحثہ کا انعقاد
(۱۵) ڈرامہ	(۱۶) تکلم کے مواقع
(۱۷) سکول کا ادبی و علمی رسالہ	

۱۔ **درسی کتاب میں نئے الفاظ کا استعمال** درسی کتب اور اضافی کتابوں میں نئے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے۔ ابتدائی جماعتوں میں نئے الفاظ کے استعمال کی شرح کم ہو اور پھر ہر درجہ میں اس شرح میں اضافہ ہونا چاہیے۔ رنسر لینڈ نے قومی زبان میں پہلی اور دوسری جماعت کے بچوں کے لیے محدود ذخیرہ الفاظ میں جغرافیائی ماحول

اور عملی زندگی کی عکاسی کی جائے اور اگلی تین جماعتوں میں اس میں دس فیصد تک اضافہ کیا جائے۔

۲۔ تقریر میں نئے الفاظ کا استعمال: طلبہ کو تقریری مواقع مہیا کیے جائیں۔ بعض سکولوں میں جمعرات کو آخری دو تین پیریڈ تقریر کے لیے مخصوص کیے جاتے ہیں اور ہر طالب علم کو باری باری تقریر کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ طلبہ تقریر کر کے اور تقریر سن کر نئے الفاظ سیکھتے ہیں۔

۳۔ تحریر میں نئے الفاظ کا استعمال: ابتدائی جماعتوں میں املا سے نئے الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔ سکول کی بڑی جماعتوں میں تحریری مقابلے رکھے جائیں یا ہر درجہ میں اُردو مضمون کا استاد مضمون نویسی کے مقابلے رکھ کر نئے الفاظ کا استعمال سکھا سکتا ہے۔

۴۔ الفاظ سازی درسی کتاب میں مترادف اور متضاد الفاظ بتائے جائیں۔ اس طرح طلبہ مفہوم، مطلب اور معانی سیکھ جاتے ہیں۔ نظم میں ہم قافیہ الفاظ کی تلاش سے نظری ذخیرہ الفاظ عملی ذخیرہ الفاظ میں بنتا چلا جاتا ہے۔

۵۔ نئے الفاظ کی بیاض: طلبہ ایک رجسٹر صرف اس مقصد کے لیے رکھیں کہ ہر نئے لفظ کو اس میں درج کریں اور لغات کی مدد سے یہ معلوم کریں کہ یہ لفظ ہندی، عربی، فارسی، ترکی یا انگریزی کس زبان کا لفظ ہے اور یہ مونث ہے یا مذکر وغیرہ۔ استاد کبھی کبھی ان کی بیاض کو دیکھے اُس میں نئے اشعار اور پسندیدہ اشعار اور نثر پارے بھی تحریر کرنے کو کہا جائے۔

۶۔ نئے الفاظ کے چارٹ: درسی کتاب کے ساتھ راہنمائے درسی کتاب بھی اساتذہ کو مہیا کی جانی چاہیے۔ اس میں نئے الفاظ کی فہرست دی گئی ہو۔ ۰ اُستاد نئے الفاظ کے چارٹس تیار کر کے کمرۂ جماعت آویزاں کرے تاکہ اِن پر طلبہ کی نظر پڑتی رہے۔ بار بار دیکھنے اور پڑھنے سے وہ نظری ذخیرہ الفاظ کی بجائے عملی ذخیرہ الفاظ بنتے چلے جائیں گے۔

۷۔ نئے الفاظ کی لغات: درسی کتاب کے ساتھ نئے الفاظ کی لغات بھی تیار کی جانی چاہیے تاکہ طلبہ مشکل الفاظ کے معانی، مطلب اور مفہوم جان جائیں۔

۸۔ نئے الفاظ کی تاش: حروف کی تاش تیار کی جائے۔ ایک بچہ ایک کارڈ پھینکے اور دوسرا بچہ دوسرا کارڈ، تیسرا تیسرا کارڈ پھینکے۔ اس طرح تین حرفی لفظ بن جائے گا۔ اس لفظ کو لغات میں دیکھ کر لفظ اور معانی لکھیں گے۔ اگر الفاظ سازی کے مقابلے

جائیں جائیں تو کھیل کھیل میں طلبہ نئے الفاظ سیکھ سکتے ہیں۔

۹۔ **بیت بازی:** بیت بازی کے مقابلے کرائے جائیں۔ اس طرح طلبہ کو نئے الفاظ اور اشعار یاد کرتے ہیں۔

۱۰۔ **نظمیں یاد کرنا:** طلبہ کو اپنی درسی کتاب کی نظمیں یاد کرنے کو کہا جائے۔ اس طرح نئے اشعار اور نئے الفاظ سکھائے جا سکتے ہیں اور ان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ **اضافی کتب کا مطالعہ:** ہر درجے کے معیار کے مطابق اضافی کتب تجویز کی جائیں۔ زبان سکھانے کا یہ بڑا کامیاب اور مؤثر طریقہ ہے۔ مطالعے کی لت ڈالنے سے ذخیرۂ الفاظ میں وسعت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

۱۲۔ **انشا پردازی کا مقابلہ:** بچوں کو لکھنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس طرح نظری ذخیرہ الفاظ عملی بنتا چلا جائے گا اور طلبہ وافر الفاظ سیکھ جائیں گے۔

۱۳۔ **مباحثے کا انعقاد:** مباحثے کا اہتمام کر کے طلبہ کو بولنے کے مواقع فراہم کیے جائیں اس طرح وہ متضاد اور مترادف الفاظ سیکھتے چلے جائیں گے اور ان کے ذخیرۂ الفاظ میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

۱۴۔ **ڈرامہ:** استاد خود ڈرامہ لکھے اور کوشش کرے کہ نئے الفاظ کو اس میں استعمال کیا جائے۔ درسی کتاب کے ساتھ جو نئے الفاظ کی فہرست مہیا کی جائے۔ ان کو پیشِ نظر رکھ کر بچوں کے لیے لکھنے والے ادباء کو چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھنے چاہئیں۔ اس طرح کھیل کھیل میں نئے الفاظ سکھائے جا سکتے ہیں۔

۱۵۔ **تکلم کے مواقع:** مدرسے میں تقاریر، مباحثوں، مذاکرات، مکالموں اور زبانی امتحانات کے ذریعے بچوں کو بولنے کے مواقع فراہم کرنے چاہییں اس طرح ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

۱۶۔ **سکول میگزین:** مدرسے کے ادبی علمی رسالے میں طلبہ کی تحریروں کو جگہ دی جائے۔ اس طرح ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اور وہ نئے الفاظ سیکھ کر ان کے استعمال کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی تحریروں کو بار بار پڑھتے ہیں۔ اس طرح ان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

طلبہ کتب سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر پاتے جب تک کہ ان میں استعمال

ہونے والے الفاظ کے معانی، مطلب اور مفہوم سے آگاہ نہ ہوں۔ اگر مطالعہ پاکستان کا استاد مطالعہ پاکستان کی کتاب کی سلیس بتانا شروع کر دے تو یقیناً اُس کا اپنا کام متاثر ہو گا۔ اس لیے یہ کوشش کی جائے کہ ذخیرہ الفاظ میں مندرجہ بالا طریقے اختیار کر کے کوئی مواقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

۔ مرتبہ ایم نذیر تشنہ

باب ۴

تدریسِ اُردو کی اہمیت

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ خدا نے اسے قوّتِ متخیلہ عطا کی ہے چونکہ عالمِ حیوانات میں انسان معاشرتی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے دوسروں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اظہارِ خیال کا بہترین ذریعہ الفاظ ہیں۔ الفاظ کو ادا کرنے کے لیے قدرت نے انسان کو قوتِ گویائی عطا کی ہے یہی ایک ایسی طاقت ہے جو انسانوں کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز بناتی ہے اور یہی ایک ایسا وصف ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویدار بنا دیا۔ گویائی انسان کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ہر لفظ کسی نہ کسی خیال کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ الفاظ کا استعمال سیکھنے اور مشق کرنے کے بغیر نہیں آسکتا۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اظہارِ مطلب کر لینا اور بات ہے لیکن اپنے خیالات کو موزوں الفاظ میں بہترین طریق سے ادا کرنا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان زبان پر قادر نہ ہو۔

اس لیے یہ امر مسلمہ ہے کہ علم کے مختلف شعبوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے زبان کے سمجھنے اور استعمال کرنے کی قابلیت ضروری ہے۔ ہمارے سکولوں میں جہاں بچوں کو تعلیم جاتی ہے مختلف مضامین کے متعلق خیالات کا اظہار اُردو زبان میں کیا جاتا ہے۔ نصابِ تعلیم میں اس کو اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ جب تک بچہ زبان کے متعلق پوری واقفیت حاصل نہیں کرتا۔ وہ پڑھنے، لکھنے، تقریر اور خط کتابت میں قابلیت اور مہارت پیدا نہیں کر سکتا علاوہ ازیں بچوں کے لیے تدریسِ اُردو اس لیے بھی نہایت ضروری ہے کہ اُردو ہی وہ واحد زبان ہے جو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ پاکستان میں اُردو کوئی اجنبی یا نو وارد زبان نہیں بلکہ سالہا سال سے اس کا چلن ہے۔ یہ ملک کے ہر حصے کے لیے ذریعہ اظہار ہے اور ملکی اتحاد اور قومی وحدت کی علامت ہے۔ اس بنا پر تدریسِ اُردو کی اہمیت ضرورت اور مقاصد کا جائزہ لینا ناگزیر ہے۔

اہمیت وضرورت

ملکی اور قومی زبان کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ملک کے درونی روابط میں، کاروبار

میں، سیاست میں، سرکاری دفاتر میں، مراسلات میں، تعلیم میں اور نجی معاملات میں اُردو زبان استعمال میں آئے اور اسے وہ حیثیت حاصل ہو جو اقتدار فرنگی کی غلامی میں انگریزی کو حاصل رہی ہے تاکہ ملکی آزادی کے ساتھ ساتھ اس ملک کے باشندوں کو اُن گرفتوں سے بھی نجات نصیب ہو جو غیر زبان کے تحکمانہ رواج کے باعث غلاموں کے ذہن اور رُوح کو دبائے رکھتی ہے۔ یہ نئی حیثیت صرف جذباتی رَو کا نتیجہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو تو اس حیثیت کی حقدار صرف پاکستان ہی میں نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے ہند قبل از تقسیم میں بھی اس کی اہل تھی۔

پاکستان میں اُردو زبان ملکی، سیاسی، قومی، ثقافتی، سرکاری، مذہبی اور تعلیمی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اس اہمیت کا مختصر تعارف درج ہے:

ملکی اہمیت:- پاکستان کا ملکی استحکام اس بات کا متقاضی ہے کہ ممالکِ دُنیا میں اس کا امتیاز قائم ہو، اس کی درونی معاشرت و مدنیت کے روابط مستحکم ہوں۔ اس کے افراد کے روزمرّہ کام نوشت وخواند، تحریر و تقریر، خط کتابت وغیرہ میں مستقل موانست اور ربط ہو۔ اس کے اندر ہر فرد، ہر جگہ ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت، اور علمی مشاغل وغیرہ آسانی سے سرانجام دے سکے۔ اس کے اندر افراد کے افکار اور تجرباتِ زندگی کی تنظیم و حفاظت ہو سکے۔ علوم و فنون پنپ سکیں اور ان سے استفا کا اہتمام ہو سکے۔ علمی میراث منضبط ہو اور محفوظ طور پر وارثوں تک پہنچتی چلی جائے۔ صحیح طور پر افراد کی ذہنی تربیت ہو۔ ان کا ذہن چمکے۔ ان میں جمالیاتی احساس پیدا ہو اور ان کا ذہن ایسا منظم ہو کہ وہ صحیح ذہنی کارنامے سرانجام دے سکیں۔ یہ ساری باتیں ایک ایسی زبان سے پوری ہو سکتی ہیں، جو سارے ملک میں مشترک طور پر سمجھی اور بولی جاتی ہو۔ ورنہ متفرق زبانوں کے استعمال سے تفریق لازم آئے گی اور اس ملک کا درونی شیرازہ بکھر جائے گا اور یہ ملک کی ہستی اور آزادی کے لیے مہلک چیز ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہی اس قابل ہے کہ پاکستان کے ملکی استحکام کے مذکورہ بالا تمام تقاضے پورے کر سکے۔ یہ پاکستان کی ملکی زبان اور قومی زبان کی حیثیت سے دنیا بھر میں امتیاز قائم رکھ سکتی ہے۔ درونی معاشرت و مدنیت کے روابط مستحکم کر سکتی ہے۔ افراد کے روزمرّہ کے کام موانست کے ساتھ نباہ سکتی ہے۔ افراد کو ملک کے اندر ہر جگہ ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت اور علمی مشاغل آسانی سے سرانجام دینے کے قابل بنا سکتی ہے۔ ملک کے بہترین اذہان کے افکار و تجربات کو منظم اور محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ملک میں علوم و فنون کی ترویج و توسیع کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ عملِ تعلیم کے تمام پہلوؤں یعنی تقریر، تحریر، مطالعہ، اعادہ، تکرار، بیان، توضیح، تلخیص، بحث و تنقید، روایت، تحفظ، جائزہ، اصلاح، ہدایت اور توسیع وغیرہ میں کامیابی سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ ملک کی علمی

میراث کو منضبط کر کے نئی نسلوں تک پہنچا سکتی ہے۔ اپنی لسانی خوبیوں کے باعث افراد کی ذہنی تربیت کر سکتی ہے۔ اِن کا ذہن چمکا سکتی ہے۔ اپنے حسین وجمیل ادب کے ذریعے اِن میں جمالیاتی احساس پیدا کر سکتی ہے۔

قومی اہمیت:- کسی قوم کی زندگی من حیث القوم پانچ عناصر پر موقوف ہوتی ہے۔

(۱) افرادِ قوم کا اتحاد (۲) قومی افکار و کردار میں آزادی
(۳) قومی امتیاز (۴) قومی تہذیب وتمدن
(۵) قومی ترقی۔

اِن پانچ چیزوں کا اہم حربہ یا مدار قومی زبان ہے۔ قومی زبان سے قوم کے افراد میں اتحاد پیدا ہوتا اور قائم رہتا ہے۔ قومی زبان ہی سے قومی افکار و کردار کی آزادی استوار ہوتی ہے۔ قومی زبان ہی سے اقوام عالم میں قوم کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔ قومی زبان ہی سے کسی قوم کی تہذیب وتمدن اور ثقافت کا پتہ چلتا ہے اور قومی زبان ہی کے باعث اور اسی کے ذریعے قوم ترقی کے مدارج و منازل طے کرتی ہے۔ کسی قوم کا ذہنی، تہذیبی، ثقافتی، علمی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی معیار جانچنا مقصود ہو، تو نقاد و مبصر کی نگاہِ تنقید اُس کی قومی زبان پر ہی پڑتی ہے۔ پاکستان میں قوم پاک کے افراد کا اتحاد مقصد اولین ہے۔ اور یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ اس ملک کے مختلف خطوں میں مختلف اللسان لوگ بستے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے کا سب سے پہلا حربہ وہ مشترک زبان ہے جسے سب سمجھتے اور بولتے ہیں۔ پاکستان کے سلسلے میں یہ زبان اُردو ایسی ہے جس سے قوم پاک کا اتحاد قائم رہ سکتا ہے اور رہے گا۔

قومی زندگی کا دوسرا اہم عنصر اس کی اپنی آزادی کا قیام وبقا ہے۔ سب سے بڑی کٹھن اور کڑی غلامی ذہنی غلامی ہوتی ہے جو قوم غیر زبان میں سوچتی، لکھتی، پڑھتی اور بولتی ہے۔ وہ غیر تہذیب کے فقط تاثرات قبول کرتی اور اِن کو اپناتی ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو رفتہ رفتہ فنا فی الغیر کر دیتی ہے یہ اُس کی اپنی شکست ہے اور غیر کی فتح۔ آزادی پسند قوموں کے لیے یہ خطرناک بھنور ہے۔ اس خطرناک بھنور سے بچنے کے لیے قوم کی اپنی قومی زبان آڑے آتی ہے کیونکہ جو عاقبت اندیش قوم اپنی زبان میں سوچتی، لکھتی، پڑھتی اور بولتی ہے وہ اپنی تہذیب کا امتیاز قائم کر کے اس کی خوبیوں کو درخشاں کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا بھر کی اقوام میں امتیاز قائم کرتی ہے اور ناعاقبت اندیش قوم کی طرح اپنی مغلوبیت کا پرچار کر کے کسی دوسری قوم میں مدغم نہیں ہوتی۔ قوم پاک کو اپنی آزادی کے حصول کے بعد اس آزادی کو برقرار رکھنے کا سامان کرنا ہے اور اس آزادی کا

تو وہ ذہن وعمل کی آزادی سے ہو گا۔ ذہن وعمل پر غیر زبان کے غیر تہذیب وثقافت اثر انداز رہی تو ناممکن ہے کہ بحیثیت قوم، قوم پاک اپنا امتیاز قائم کر سکے۔ غیر کے بندھنوں میں یہ غیر کے نظریے سے سوچتی اور عمل کرتی رہے گی۔ آزادی کی خاطر اُسے اپنے ذہن پر غیر کے عائد کردہ بندھن توڑنا ہیں اور اپنی قومی زبان کو اپنے فکر وعمل کا آلہ کار بنانا ہے۔

قومی امتیاز بڑی چیز ہے۔ اور اس امتیاز کی علمبردار قومی زبان ہوتی ہے۔ قوم پاک اگر اپنی قومی زبان کو چھوڑ کر کسی غیر زبان کو اپنی قومی زبان کی حیثیت دے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ اپنے آپ کو اُس غیر زبان کی قوم میں مدغم کرے گی۔ اس سے ممتاز نہیں رہے گی۔ زندہ قوموں کی اپنی زبانیں دوسری قوموں پر غالب ہوا کرتی ہیں۔ وہ قوم مُردہ ہوتی ہے، جو کسی دوسری قوم کی زبان کی مغلوب ہو۔ زبان اظہار واخذ کا آلہ ہوتی ہے۔ اظہار واخذ ضرورت کے ماتحت ہوتا ہے۔ قومی ضرورتیں ایسے آلۂ اظہار واخذ سے صحیح تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں جو قوم کا اپنا نہ ہو بلکہ غیر کا ہو۔ اس کے ذریعے سے اظہار واخذ کی دقتیں، ابہامات اور تضاد غیر متوقع نہیں۔ قومی ضرورتوں کی خاطر قومی زبان کو آلۂ اظہار واخذ بنانا ناگزیر ہے۔ اسی سے قوموں کی قطار میں قوم امتیازی مقام حاصل کرتی ہے۔ اقوام جہان کی صفوں میں پاکستان کو امتیازی مقام اِس کی قومی زبان ہی سے میسر رہے گا۔ اُردو زبان قوم پاک کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کی شان وشوکت کے آئینے میں پاکستان کی شان وشوکت جھلکتی رہے گی۔

قومی تہذیب وتمدن اور قومی ثقافت قومی زبان ہی سے جھلکتی ہے غیر زبان سے نہیں۔ انگریزی زبان سے انگریز قوم کا معیارِ ثقافت وتہذیب نمایاں ہوتا ہے نہ کہ کسی اور قوم کا۔ پاکستان کی تہذیب وثقافت کا جائزہ قوم پاک کی قومی زبان سے لیا جائے گا۔ نہ کہ انگریزی سے۔ ہوشیار اور کارآگاہ قومیں اپنی قومی زبان کو فروغ دینے میں اسی لیے کوشاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ اِن کی تہذیب وثقافت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اُردو زبان کا لفظ اپنے ساتھ ہماری ملکی تہذیب وثقافت کی داستان کا پس منظر لیے ہوتے ہے۔ اس زبان میں یہاں کی ادبی اور علمی تاریخ جمائی گئی ہے۔ اس زبان کی موجودہ حیثیت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی مالک قوم تہذیب وثقافت کے منازل کہاں تک طے کر چکی ہے۔

قومی ترقی کا جائزہ بھی قومی زبان سے لیا جاتا ہے۔ قومی زبان جس قدر مہذب، لطیف اور وفورِ الفاظ کی مالک ہو گی اسی قدر قوم زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب ہو گی اور ذخیرۂ الفاظ، تہذیب اور لطافت میں زبان جتنی کم ہو گی اسی قدر وہ قوم کے کم مہذب اور پس ماندہ ہونے کی دلیل ہو گی۔ اُردو زبان ماشاء اللہ ایک ایسے بلند معیار پر پہنچ چکی ہے کہ پاکستان اس پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اِس زبان کی روز افزوں ترقی پاکستان کے درخشندہ تر مستقبل کی آئینہ دار ہے۔ تہذیب وثقافت اور ترقی کے مدارج طے کرنے میں اُردو یہاں تک ہو چکی ہے کہ اب اِسے دنیا کی مہذب ترین اقوام کی قومی زبانوں

میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ انگریزی اور مشرق و مغرب کی اکثر مشہور زبانوں کے مقابلے میں بہت سے امتیازی اوصاف رکھتی ہے (اس حقیقت پر تفصیلی بحث پچھلے باب میں ہو چکی ہے) پاکستان اور لہٰذا قوم پاک کے لیے اس طرۂ امتیاز کو فروغ دینا اشد ضروری ہے۔

ثقافتی اہمیت: اُردو زبان بنیادی طور پر برصغیر پاک و ہند کی دو اہم قوموں کی مخلوط تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ہے لیکن چونکہ اس میں اسلامی تہذیب کا زیادہ تر حصہ ہے اس لیے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خاص توجہ کے قابل ہے۔ اس میں ہمارے ماضی کی زریں داستان مرقوم و محفوظ ہے۔ اس زبان کی ترقی اور بلند معیاری خود اس بات کی شاہد ہے کہ اس برصغیر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو کیا گراں قدر پایہ اور اثر میسر تھا اور اس کی رفتارِ ترقی میں کس نوعیت کی تیزی تھی اور اس میں کس قسم کے اُمید افزا عناصر تھے جو قومی ترقی و عروج کا پیش خیمہ تھے اور کون سی دقتیں راہوں میں حائل تھیں۔ جنہیں یہاں کی اسلامی ثقافت نے عبور کیا۔ پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لیے یہ داستان بڑی اہم ہے۔

اُردو زبان بصورتِ موجودہ تین بڑی تہذیبوں کے اثرات کا ماحصل ہے۔ ہندی، اسلامی اور افرنگی۔ اس لحاظ سے اس زبان کا ہر ایک لفظ بجائے خود ایک تاریخ ہے انگریزی کو اگر یہ ناز ہے کہ اُس نے لاطینی اور یونانی جیسی اہم کلاسیکی زبانوں کے سرچشموں سے پانی پیا ہے اور اس طرح دو بڑی اہم تہذیبوں کے اثرات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، تو اُردو اس سے زیادہ فخر کر سکتی ہے کہ اُس نے چار اہم تہذیبوں (یعنی ہندی، فارسی، عربی اور یورپی) اور ان کی زبانوں سے سیرابی حاصل کی ہے اس رُو سے اُردو بمقابلہ انگریزی کے زیادہ تاریخی و ثقافتی وسعت کی مالک ہے۔ اور اس کی وسعت کی بناء پر یہ پاکستان کے لیے زیادہ قابلِ توجہ و احترام ہے کیونکہ اس کے ذریعے چار اہم ثقافتوں کا نچوڑ اس کی وراثت میں آیا ہے۔ وارث کے لیے اتنی گرانقدر وراثت کی تعظیم و تکریم اس لحاظ سے بھی مطلوب ہے کہ اس پر اس کی آئندہ ثقافت کی عمارت بلند ہوگی۔

سیاسی اہمیت: ملکی سیاست میں سب سے پہلی چیز ملک کے باشندوں کا مستحکم ربط و اتحاد۔ اس ربط و اتحاد کے سب سے زیادہ کامیاب حربوں میں سے ایک حربہ ملکی زبان ہے۔ پاکستان کے باشندوں کے مستحکم ربط و اتحاد کی خاطر ہمیں ایسی زبان کی ضرورت ہے جو سارے ملک کے تمام باشندوں میں اظہارِ خیال کے لیے سہل ہو جس کے سمجھنے میں کہیں دقت پیش نہ آئے اور وہ بلاشبہ اُردو زبان ہی ہے۔ اُردو سے پاکستان کے درونی ملکی اتحاد کے علاوہ وہ ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں، جو اس ملک کے مختلف حصوں کے باسیوں کے باہم روابط اور کاروبار کے سلسلے میں پیش آتی ہیں۔ یہ ضرورتیں سیاسی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہیں

ان روابط اور کاروباری سلسلوں میں دیواریں حائل ہو جائیں تو ملک میں عجیب قسم کا طوفان برپا ہو، ہر قدم پر ایک دوسرے کی بات سمجھنے سمجھانے کے لیے ترجمانوں کی ضرورت پڑے اور ترجمانوں کی ستم ظریفیاں پھر جو چاہیں کریں۔ ضرورت اور مقصد براری کے مسائل ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود ہیں۔ انسان کے لیے یہ مسائل ناگزیر ہیں لیکن ان کا حل ایسی زبان سے ہو سکتا ہے کہ جس سے سائل و مسئول یا طالب و مطلوب دونوں شناسا ہوں ورنہ ضرورت جب سمجھ ہی میں نہ آئی تو پوری کیسے ہوگی۔ بہرحال ملکِ پاکستان کے باہمی تعلقات اور کاروبار کی سہولت اُردو ہی سے میسر آسکتی ہے۔

ملکی سیاست کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ملک کے باشندے اس نقطۂ نگاہ سے واقف ہوں جو ملک کی بہتری کے لیے اربابِ اہتمام کے مدنظر ہے۔ اس قسم کے خیالات سے عوام کو آگاہ کرنے کی خاطر جو زبان اہم خدمات سرانجام دے سکتی ہے وہ ملکی زبان ہے۔

رہبرانِ ملت ہوں یا حکامِ وقت، ملکی افراد کی مختلف الخیال اور مختلف اللسان جمعیتوں کو صرف اُسی زبان کے ذریعے اپنے نقطۂ نگاہ سے واقف اور اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں جس کو مختلف الخیال اور مختلف اللسان افراد سمجھنے میں دقت محسوس نہ کریں۔ ملک کی تمام زبانوں میں یہ کام سرانجام دینا بہت مشکل ہے۔ پاکستان کے لیے اس سلسلے میں اُردو زبان کی اہمیت واضح ہے۔

اُردو زبان کا پس منظر بھی سیاسی ہے۔ یہ زبان مختلف اللسان حاکموں اور محکوموں کے باہم اختلاط کا نتیجہ ہے اور برِّصغیر کی دو اہم قوموں کی یادگار لیکن چونکہ دوسری قوم نے اُسے اسلامی زبان کہہ کر اُس سے بے وفائی کی اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کے منصوبے بنائے۔ اور مسلمانوں کو تنہا اِس زبان کا علمبردار ہونا پڑا۔ اس لحاظ سے اور کامیابیوں کے علاوہ یہ ایک اہم سیاسی فتح ہوگی کہ اُردو زبان جس کا ایک ایک لفظ برصغیر کی تاریخ کی ثقافت بن چکا ہے، پاکستان میں فروغ پائے اور مسلمانوں کے سایۂ عاطفت میں اپنی زندگی محفوظ کرلے۔

پاکستان کی ملکی زبان بننے کے بعد اُردو کے لیے حکومتِ پاکستان کا آلہ کار

سرکاری اہمیت: بننا لازمی امر ہے۔ دفاتر، مراسلات، سرکاری ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ فرنگی کے دورِ حکومت میں جب فرنگی کی قومی زبان انگریزی یہاں کی سرکاری زبان تھی۔ تو تمام کام اِسی کے ذریعے تکمیل پاتے تھے۔ اب آزادی کے دور میں اُردو کو سرکاری زبان کا رُتبہ ملنے پر اِسے انگریزی کی جگہ ملنی ناگزیر ہے۔ دفتری امور اسی سے طے پائیں تو لازم ہے کہ دفتری عملہ اِس میں ماہر ہو۔ مراسلات کا ذریعہ اُردو ہونے پر مراسلات کا کام سرانجام دینے والوں کے لیے اُردو میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے اور چونکہ سرکاری زبان کی حیثیت سے تمام قسم کے سرکاری اداروں، محکموں اور اِن کے کاموں میں اُردو کی ترویج لازمی ہے۔ اس لیے سرکاری ملازمت کی خاطر اِس کا سیکھنا

ایک ناقابلِ انکار لازمہ ہے چنانچہ سرکاری دفاتر، مراسلات اور ملازمتوں کے لیے تحریری اور بالمشافہ امتحانات میں اُردو کو اہم مقام دینے کے اہتمامات بتدریج ہو رہے ہیں اور یقین کیا جاتا ہے کہ تھوڑی سی مدت میں اُردو تمام اداروں میں سرایت کر جائے گی۔[1]

مذہبی اہمیت: مذہبی حیثیت سے بھی اُردو کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ قرآن پاک کے تراجم، تفاسیر اور احادیث کے تقریباً سبھی مشہور نسخوں کو اُردو کے قالب میں ڈھالا جا چکا ہے علاوہ ازیں ہمارے علماء اور صوفیائے کرام ایک عرصہ دراز سے اس زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں۔ بہت سی عربی و فارسی زبان کی مذہبی کتابوں کے تراجم ہوتے آئے ہیں، غرضیکہ مذہب کے متعلق جس قدر کتابیں اُردو میں لکھی گئیں شاید کسی اور زبان میں موجود نہ ہوں۔

تعلیمی اہمیت: کسی نصابی مضمون کی اہمیت کا راز اس تعلق میں پوشیدہ ہے جو فرد کی عملی زندگی اور اس مضمون کے درمیان پایا جاتا ہے اور عمل تعلیم میں معلم علم کی باتیں زبان کے ذریعے متعلم تک پہنچاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر زبان سے جو واسطے کا کام دے رہی ہے، معلم نا آشنا ہوگا یا متعلم ناواقف ہوگا تو تعلیم و تدریس کا واسطہ استوار نہیں ہوگا کیونکہ کمال ابلاغ کے لیے مشترک وسیلۂ اظہار انتہائی ضروری ہے۔

پاکستانی باشندوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اُردو سے گہرا تعلق نہ رکھتا ہو یا جسے اُردو نے متاثر نہ کیا ہو۔ قیام پاکستان سے لے کر موجودہ سیاست و معاشرت اور تعلیم و ادب میں کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی تعمیر و توسیع میں کم و بیش اُردو کا دخل نہ ہو۔ وہ قومی نظریہ جس کے ماتحت پاکستان وجود میں آیا اس کا ایک اہم عنصر بھی اُردو زبان تھی۔ لہٰذا اُردو کی بڑھتی ہوئی اہمیت اور ہمہ گیر حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ قومی زبان اُردو کو تمام مدارس میں ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے کیونکہ:-

(۱) قومی زبان احساسِ قومیت کو ابھارنے کی بہت بڑی قوت ہے۔ لوگوں میں اتفاق پیدا کرنے کے لیے اور ان کو متحد رکھنے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اس سے قومی سربلندی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) عوام و خواص کے درمیان ایک ہی زبان کا باہمی استعمال طبقاتی امتیاز کو ختم کر دیتا ہے۔

(۳) غیر ملکی زبان میں طلبہ پر سخت بار پڑتا ہے وہ بدیسی زبان سیکھنے میں اپنا سارا وقت گزار دیتے ہیں لیکن قومی زبان میں تعلیم دینے سے ان کے تصورات اور تخلیقی افکار پروان چڑھتے ہیں۔

لہٰذا وقت کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان کے نظامِ تعلیم میں اُردو زبان کو ابتدائی جماعتوں سے لے کر یونیورسٹی کی سطح پر بحیثیت ذریعہ تعلیم لازمی قرار دیا جائے تاکہ تعلّم کے حصول کے طور طریقے ہماری قومی ضروریات کے عین مطابق ہوں۔

۱؎

ماحصل:۔ گذشتہ مباحث میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اُردو ہماری ملکی زبان ہے اور ہماری تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہے۔ پاکستان کے ہر فرد کے لیے اس میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی کاروباری، دفتری، تعلیمی، اخباری، نشری، علمی، مجلسی، مراسلاتی اور تبلیغی زبان ہے۔ ہمارے ملک کے درونی اتحاد کا یہ اہم واسطہ ہے۔ غیر ملکی زبانوں کی تعلیم بھی اسی کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے اور پاکستان میں تمام علوم و فنون کی تعلیم کے لیے موزوں اور مفید ذریعہ تعلیم بھی یہی ہے۔ یہ تمام امور اس بات کے متقاضی ہیں کہ پاکستان کے تمام افراد علی الخصوص بچوں کے لیے جو قوم کا مستقبل ہیں، کچھ ایسا اہتمام ہو کہ وہ اس زبان کو ذریعہ اظہار و اخذ کی حیثیت سے تسلی بخش معیار تک حاصل کریں۔ اسی کے ذریعے اپنے دفتری اور تجارتی کام چلائیں۔ اسی کی وساطت سے اپنی علمی و فنی اُفق کو وسیع کریں اور اسی کے ذریعے علوم و فنون کے بحر ذخار میں غوطے لگا لگا کر جواہر پارے نکال لائیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اِس زبان کے پڑھانے کا انتظام ہو اور یہ پڑھائی اس قسم کی ہو کہ جو ملکی و قومی، انفرادی و اجتماعی اور علمی و ثقافتی مقاصد اس زبان سے وابستہ ہیں، وہ پورے ہو سکیں۔ اِن ضرورتوں سے تدریس زبانِ اُردو کی اہمیت ظاہر اور واضح ہے۔

پاکستان میں چار قسم کے افراد ہیں:

(۱) وہ جن کی مادری زبان اُردو نہیں اور وہ عام طور پر اُردو بولتے بھی نہیں۔

(۲) وہ جن کی مادری زبان اُردو ہے اور وہ عام طور پر اسے بولتے ہیں۔

(۳) وہ جن کی مادری زبان اُردو نہیں لیکن لوگوں کے اختلاط سے وہ اُردو بول لیا کرتے ہیں۔

(۴) وہ جن کی مادری زبان مخلوط قسم کی ہے۔ نہ خالص اُردو نہ خالص غیر اُردو اور وہ اسی قسم کی مخلوط سی زبان بولتے ہیں۔

بادی النظر میں تو یہی مناسب فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی مادری زبان اُردو ہے اور وہ عام طور پر اسے بولتے ہیں۔ اُن کے سوا باقی سب کے لیے اُردو کی تدریس کا انتظام ہو کیونکہ انہیں علمی و عملی اُردو سے واقف ہونا ہے لیکن اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اُن افراد کے لیے بھی تدریس اُردو ضروری ہے جن کی مادری زبان اُردو ہے اور وہ اسے عام طور پر بولتے بھی ہیں۔ کیونکہ اُردو لکھنا پڑھنا تو انہیں بھی سیکھنا پڑتا ہے۔ رہا بولنا تو اس کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ مکان، زمان اور مرتبے کے لحاظ سے اہلِ زبان کی اُردو میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مقامی، مخصوص، روزمرّہ اُردو اُس اُردو سے مختلف ہوتی ہے جو مدرسی عملیات و علمیات میں کام آتی ہے۔ علمی و ادبی اُردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے کے لیے ہر فرد کو خواہ وہ اہلِ زبان ہی کیوں نہ ہو، تدریسی حلقے میں زانوئے ادب تہ کرنا پڑتا ہے۔ عام بول چال کی زبان میں تلفظ کی غلطیاں عام ہوتی ہیں۔ صرف و نحو کے اصول کی پابندی ملحوظ

نہیں ہوتی۔ جملوں اور لفظوں کی نوعیت وصورت درست نہیں ہوتی لیکن علمی و ادبی زبان ان خامیوں سے مبرا اور بلند ہوتی ہے۔ اس خامیوں سے مبرا اور علمی حیثیت سے بلند تر زبان کا سیکھنا سب پر لازم ہے۔ سیکھے بغیر اُردو کے مشابہ بولی آجاتی ہے، اُردو زبان نہیں آتی۔ پاکستانیوں کو اُردو زبان سیکھنی ہے لہذا اُن کے لیے تدریس اُردو کی اہمیت عیاں ہے۔

اس اہمیت کی بنا پر لازم ہے کہ اُردو بحیثیت مضمون تدریس وقیع ہو یعنی تمام پاکستانی بچوں کو لازمی طور پر اس زبان پر صحیح قابو حاصل کرنے کا اہل بنایا جائے۔ تحریر و تقریر میں صحت زبان پر زور رہو۔ اُردو ادب میں دلچسپی پیدا کی جائے۔ اس زبان کی تعلیم میں طلبہ مسرت و فخر محسوس کریں۔ نظام تدریس میں اسے اہم موقف دیا جائے۔ اس کی تعلیم باوقار ہو۔ دوسرے مضامین کے مقابلے میں اس کی خفت نہ ہو۔ امتحانی لحاظ سے بہت اہم ہو۔ اس کا نصاب دلچسپ، جاذب توجہ اور بارعب ہو۔ درسی کتابیں پرلطف اور پرشوکت ہوں اور طریق تعلیم ہر لحاظ سے اچھا اور مؤثر ہو ورنہ اس کی برائے نام تدریسی اہمیت بے کار ہوگی اور اس طرح اس زبان سے متعلقہ مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔[1]

---

[1] ایضاً

باب ۵

تدریسِ اُردو کے مقاصد

ہر زبان، علم، فن اور مضمون کی تدریس اور سیکھنے کا کوئی نہ کوئی مقصد یا مقاصد ضرور ہوتے ہیں لیکن جب تک اِن مقاصد کا تعین اور واضح حد بندی نہ کی جائے، تب تک تدریس غیر موثر اور غیر سائنسی رہتی ہے اور معلم و متعلم ایک ایسے مسافر کی طرح جسے اپنی منزل کا پتہ ہی نہ ہو، بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں یہی صورتحال اُردو زبان کی تدریس کی ہے۔ اس زبان کی تدریس کے واضح مقاصد ہیں جن کی بناء پر اسے بطور مضمون شامل نصاب کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم فارانی نے تدریس اُردو کے مقاصد پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ہم اِن کے بیان کردہ مقاصد کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں۔

اُردو زبان کی تدریس کے مقاصد کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) **عمومی مقاصد:** عمومی مقاصد سے مراد وہ کلی مقاصد ہیں جو بحیثیت مجموعی تدریس اُردو کے تمام شعبوں میں یکساں دخل رکھتے ہیں۔

(۲) **خصوصی مقاصد:** خصوصی مقاصد سے مراد وہ جزوی مقاصد ہیں جو تدریس اُردو زبان کی جزئیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن مقاصد میں اتنی وسعت نہیں ہوتی ہے کہ اِن کا اطلاق تمام جزئیات پر یکساں طور پر کیا جا سکے۔ اس لحاظ سے خصوصی مقاصد جزئیات کی نوعیت کے اختلافات کے مطابق ہر نوع کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔

عمومی مقاصد

(۱) متعلم کو تدریسِ اُردو کی اہمیت سے متعارف کرانا۔

(۲) متعلم کو تدریسِ اُردو کے مختلف طریقوں میں مہارت بہم پہنچانا۔

(۳) متعلم کو تدریسِ اُردو کے مختلف مسائل سے آگاہ کرانا اور اِن مسائل کو حل کرنے کی تربیت دینا۔

(۴) تدریس اُردو میں سمعی و بصری معاونات استعمال کرنے کی تربیت دینا۔

مذکورہ مقاصد کے علاوہ تدریس اُردو کے عمومی مقاصد کی مندرجہ ذیل پانچ صورتیں ہیں۔

۱۔ معاشرتی مقاصد ۲۔ سیاسی مقاصد

۳۔ ثقافتی مقاصد ۴۔ معاشی مقاصد

۵۔ تعلیمی مقاصد

۱۔ **معاشرتی مقاصد:** سب سے زیادہ اہم اور بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ اُردو زبان میں حسبِ ضرورت اپنے مافی الضمیر کو تقریر یا تحریر کی صورت میں بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہو اور اُردو زبان میں دوسروں کی تقریر و تحریر کو سمجھنے کی قابلیت جب ہی پیدا ہو گی کہ اُردو میں بولنا اور لکھنا آجائے اور دوسروں کی تحریر و تقریر کو سمجھنے کی قابلیت حاصل ہو یعنی انسان خود بھی کچھ کہہ سکے اور دوسروں کا کہا بھی سمجھ سکے۔ اسکے مافی الضمیر کو تقریر یا تحریر کی صورت میں بیان کرنیکی صلاحیت جب ہی پیدا جب ہی حاصل ہو گی کہ اُردو پڑھنا اور سمجھنا آجائے۔ یہ چہار گانہ مقاصد معاشرتی مقاصد کہلاتے ہیں کیونکہ یہ مقاصد معاشرتی باہمی اختلاط اور میل جول سے متعلق ہیں۔ بولنا اور لکھنا بھی معاشرتی ضرورتیں ہیں اور پڑھنا اور سمجھنا بھی معاشرتی اہمیت رکھتے ہیں۔ اِن مقاصد کو افادی یا لسانی مقاصد بھی کہا جاتا ہے۔ بحیثیت زبان، زبان کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ اس زبان میں بولنا، لکھنا، پڑھنا اور سمجھنا آجائے۔ اسی لیے تحصیل زبان کے اِن چار پہلوؤں کی تربیت کو لسانی مقاصد سے تعبیر کیا جاتا ہے —— ان لسانی، افادی یا معاشرتی مقاصد کی خاطر ایک سمجھدار اور ہوشیار مدرس ایسا طریق تعلیم اختیار کرتا ہے کہ چاروں پہلوؤں میں مہارت حاصل ہو جائے۔ وہ ہر پہلو کی جزئیات معلوم کرتا اور ہر جز کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ مثلاً بولنا سکھانے کی خاطر ذخیرہ الفاظ، محاورات، تلفظ، لہجہ، روانی، قوت اظہار، صحت بیان اور دیگر جزئیات کی طرف اس کی توجہ لازمی طور پر ہوتی ہے۔ لکھنا سکھانے کی خاطر ہجے، خط، تلفظ و انشاء وغیرہ پیش نظر ہوتے ہیں اور پڑھنا سکھانے میں تلفظ، ذخیرۂ الفاظ اور معانی وغیرہ پیش نظر ہوتے ہیں اور پڑھنا سکھانے میں تلفظ، ذخیرۂ الفاظ اور معانی وغیرہ ملحوظ ہوتے ہیں۔ مدرس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ تمام پہلوؤں کے اجزا باہم مربوط رہیں، متفرق اور منتشر نہ ہوں۔

(۲) **سیاسی مقاصد:** یہ ہیں کہ ملکی زبان کی تحصیل سے قومی امتیاز کا حربہ ہاتھ آئے، آزادی قائم رہے اور ملک کے وطنی باشندے باہم متحد و متفق ہوں۔ آپس میں ربط بڑھانے اور اتحاد قائم رکھنے کا سامان ہو۔ ملکی یا قومی زبان، ملک یا قوم کے لیے طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی آزادی اور زندگی قائم ہوتی ہے اور اسی سے ملک و قوم کی ترقی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اُردو ملک پاکستان کی قومی اور ملکی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ملک کے ہر باشندے کے لیے اس کی تحصیل اور اس کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش قومی آزادی،

اور زندگی کی خاطر بہت ضروری ہے۔ قومی افراد اپنی زبان سے خاص قسم کے جذباتی اثرات حاصل کرتے ہیں، جو اُن میں خود اعتمادی ترقی، جوشِ حریت اور خودداری کے جذبات بیدار رکھتے ہیں۔

(۳) **ثقافتی مقصد:** زبان کا مطالعہ دراصل اس کے ادب کا مطالعہ ہوتا ہے۔ ادب کے مطالعے میں مختلف قسم کی ذہنی قویٰ کی تربیت ہوتی ہے۔ مطالعہ ادب میں پڑھنا پڑتا ہے، سمجھنا پڑتا ہے، یاد رکھنا پڑھتا ہے۔ زیرِ مطالعہ چیز سے نتیجہ اخذ کرنے یا اثر لینے کے بعد کچھ ردِعمل کرنا پڑتا ہے اور اس ردِعمل میں محتاط ہونا پڑتا ہے۔ اس قسم کے طرزِ کار میں قوتِ ادراک و فہم چلا کرتی ہے۔ قوتِ فکر، قوتِ حافظہ، اور قوتِ فیصلہ کی خوب تربیت ہوتی ہے۔ اسپِ تخیل کو ایڑ لگتی ہے۔ اچھے بُرے میں تمیز کرنے کی قوت فروغ پاتی ہے جس کا نتیجہ ذوقِ سلیم اور تہذیب و اخلاق ہوتا ہے چنانچہ اُردو زبان پڑھانے کے مقاصد یہ بھی ہیں کہ ادراک، فہم، فکر، حافظہ، فیصلہ، تخیل اور تمیز نیک و بد کی قوتوں کی تربیت ہو، تہذیب و اخلاق اور مذاقِ سلیم پیدا کرنے کا سامان ہو۔ اِن مقاصد کا تعلق ثقافت سے ہے اس لیے یہ ثقافتی مقاصد کہلاتے ہیں۔ ان مقاصد کے پیشِ نظر معلّم کو ذہنی قویٰ کی تربیت کے لیے مناسب سامان کرنا پڑتا ہے اور ایسی تدابیر استعمال کرنی پڑتی ہیں کہ صحیح تہذیب اخلاق اور مذاقِ سلیم پیدا ہو جائے۔

اُردو ادب میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہمارے ماضی کی زرین ادبی و ثقافتی داستان مرقوم و محفوظ ہیں اس ادبی و ثقافتی داستان کے علم کی خاطر اُردو پڑھنا اہم ثقافتی مقصد ہے اور معلّم کو اس نظریے کے تحت بڑی محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔

۴۔ **معاشی مقصد:** معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی مقاصد اپنی اپنی جگہ بڑے اہم ہیں لیکن بعض کے نزدیک معاشی و اقتصادی سوال زیادہ اہم ہوتا ہے۔ وہ اُردو زبان کو معاشرتی، سیاسی یا ثقافتی مقاصد کی خاطر نہیں سیکھتے بلکہ اس لیے سیکھتے ہیں کہ کسی طرح گذران ہو سکے۔ اس کے ذریعے وہ کچھ کما کر پیٹ پال سکیں۔ پاکستان کی ملکی زبان ہونے کی حیثیت سے یہاں کی عدالتوں، دفتروں، مختلف پیشوں، کاموں اور تجارتوں میں اُردو ہی زیادہ مروج ہے عدالتی یا دفتری ملازمت کے لیے جو افراد آمادہ و تیار رہتے ہیں۔ اُن کے لیے اُردو زبان میں مہارت حاصل کرنا ناگزیر ہے اور جنہیں ملک کے اندر مختلف پیشوں، کاموں اور تجارتوں میں مصروفِ عمل ہونا ہے۔ انہیں مراسلات نگاری، باہم میل جول اور معاشی ذریعے کے استحکام کے لیے جدید ترین معلومات سے باخبر رہنے کی خاطر زبان سیکھنی ضروری ہے۔ اخبارات و رسائل روزمرہ زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اس ترقی یافتہ دور میں اِن کے مطالعے سے بے نیاز رہنا مضر ہے اور چونکہ ملک میں اخبار و رسائل اور دیگر ذرائع ابلاغ زیادہ تر ملکی زبان اُردو ہی میں ہوتے ہیں۔ اس

لیے ہر اُس فرد پر جو روزمرّہ زندگی کے کسی پہلو میں مصروفِ اجتہاد رہتا ہو، اُردو زبان کی تعلیم ازبس ناگزیر ہے۔

(۵) **تعلیمی مقاصد:** اُردو زبان سیکھنے کا ایک اور اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے علم کی تحصیل ہوتی ہے اور متعلم میں اس بات کی قابلیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ صحتِ تصورات کے ساتھ اپنی تخلیقی لیاقت کا عالمانہ اظہار کر سکے۔ علوم و فنون کی بیشتر کتابیں اسی زبان میں ہمارے ملک میں موجود ہیں اور درسگاہوں میں مختلف علوم و فنون کا ذریعۂ تعلیم بھی یہی زبان ہے اور جہاں کہیں یہ ذریعۂ تعلیم ابھی تک نہیں ہے وہاں عنقریب ہو جائے گا اس لیے اُن افراد کے لیے جنہیں کسی علم و فن کی تحصیل کرنی ہے یا کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنی ہے یا بذریعہ مطالعہ اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہے یا اپنے اندازِ تحریر اور اسلوبِ بیان کو مؤثر اور دقیع بنانا ہے، اُردو زبان کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اِن مقاصد کے پیشِ نظر متعلم میں شوقِ علم، آزاد مطالعے کی قابلیت، قوتِ فکر و تخلیق کی نشوونما، صحتِ تصورات اور تقریر و انشا کی عمدگی کے لیے مدرس کو خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے [۱]

خصوصی مقاصد

(۱) متعلم کو اُردو نظم، نثر، قواعد اور انشاء کے طریقہ ہائے تدریس میں خصوصی مہارت بہم پہنچانا۔

(۲) متعلم کو لسانی عادات، ذخیرۂ الفاظ اور صحتِ املا کے مختلف مسائل سے روشناس کروانا اور انہیں حل کرنے کی مشق بہم پہنچانا۔

(۳) متعلم کو معروضی اور انشائی آزمائشیں تیار کرنے اور انہیں صحیح طور پر استعمال کرنے کے قابل بنانا۔

مذکورہ مقاصد کے علاوہ تدریسِ اُردو زبان کے خصوصی مقاصد زبان کی جزئیات، منازلِ تدریس اور درجاتِ تدریس کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔

جزئیات: تدریسِ اُردو زبان اپنی جزئیات کے لحاظ سے مندرجہ ذیل چار صورتیں اختیار کرتی ہے۔

(۱) بولنا (۲) پڑھنا (۳) لکھنا (۴) قواعد

---

[۱] سلیم فارانی، اُردو زبان اور اسکی تدریس ص ۴۹۹ تا ۵۰۳

منازلِ تدریس: تدریس اُردو تین منازلِ تدریس طے کرتی ہے۔

(۱) ابتدائی یعنی ابجدی و میکانکی منزل
(۲) ثانوی یعنی وسطانی اور فوقانی منزل
(۳) جامعاتی یعنی فائنزی، طیلسانی اور انتہائی منزل

درجاتِ تدریس: درجاتِ تدریس کے لحاظ سے مروج جماعتیں سولہ ۱۶ ہیں :۔

(۱)	ابجدی میں ایک سال	نرسری سے سال اوّل تک
(۲)	میکانکی میں چار سال	پرائمری سطح تک
(۳)	وسطانی میں تین سال	مڈل سطح تک
(۴)	فوقانی میں دو سال	ثانوی سطح تک
(۵)	فائنزی میں دو سال	ایف اے یا اعلیٰ ثانوی سطح تک
(۶)	طیلسانی میں دو سال	بی اے
(۷)	انتہائی میں دو سال	ایم اے

اس لحاظ سے تدریس اُردو کے مقاصد یہ صورتیں اختیار کرتے ہیں :۔

(الف) ابتدائی، ثانوی اور جامعاتی منزلوں کے عمومی مقاصد۔
(ب) ہر منزل کے ہر درجے میں تدریس اُردو کے ہر جزو کے مقاصد

چنانچہ اسی لائحہ عمل کے مطابق، ابتدائی، ثانوی اور جامعاتی منزل کے مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

ابتدائی منزل کے مقاصد

ابتدائی منزل کے مقاصد اس منزل کی خصوصیات کے مطابق متعین ہوتے ہیں کیونکہ یہ منزل آیندہ تعلیم کی بنیاد ہوتی ہے، اور اکثر بچوں کی پہلی اور آخری تعلیمی منزل بھی ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس منزل میں پیدا شدہ عادات راسخ ہو کر مستقبل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس منزل سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسی سے مشاغل زندگی اور معاش کی تیاری ہوتی ہے۔ معاشری جذبات کی

تخلیق کا یہی زمانہ ہے۔ ذہنی قوی کی تربیت اور نشو و نما کی صورت بھی اسی منزل سے قائم ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس منزل میں اُردو زبان کی مستحکم بنیاد پڑے، مطالعہ و اظہار کی قوت پیدا ہو۔ صحیح قسم کی لسانی عادات پیدا ہوں۔ اُردو سے مفید کام لینے کی صلاحیت پیدا ہو اور طلبہ کی ذہنی قوتیں تربیت پائیں۔ اس لیے ابتدائی منزل میں تدریس اُردو کے مقاصد حسبِ ذیل ہیں۔

عمومی مقاصد: (۱) گفتگو میں بچے کو اتنی مہارت ہو جائے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء، اشخاص، روزمرّہ کے دلچسپ واقعات اور حالات کے متعلق اپنے خیالات کو بول کر بے تکلف ادا کر سکے، اور مختصر کہانیاں کہہ سکے اور اس سلسلے میں اُسے کسی قسم کی جھجک نہ ہو۔

(۲) پڑھنے میں بچے کو اتنی استعداد حاصل ہو کہ آسان نظم و نثر صحیح تلفظ اور موزوں روانی کے ساتھ باآواز سمجھ کر پڑھ سکے اور لائبریری کی آسان کتابیں، بچوں کے رسالوں، اخباروں، اور گاؤں کی چھٹیوں وغیرہ کا خاموش مطالعہ کر سکے اور مشکل الفاظ کے معانی کی دقت رفع کرنے کی خاطر لغت کے استعمال کا ڈھنگ جان لے۔

(۳) زبان کی ساخت کے متعلق اس میں عملی طور پر اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ غلط اور درست میں تمیز کر سکے اور درست زبان استعمال کرے۔

(۴) لکھنے میں بچہ اتنی مہارت حاصل کرے کہ خوشخط، صاف، رواں اور صحیح لکھ سکے۔ نقل کر سکے اور آسان املا لکھ سکے۔ تھوڑی بہت انشا بھی کر سکے۔ چھٹیاں رقعے، خطوط اور گاؤں یا محلے وغیرہ سے متعلقہ دستاویز لکھ سکے۔

(۵) بولنے، پڑھنے، لکھنے، سمجھنے اور صحت زبان کی صورت جاننے میں مہارت اس طرح پیدا ہو کہ اس ضمن میں ذہنی قوتوں اور صحیح لسانی عادتوں کی تربیت بھی ہو جائے۔ ذخیرۂ الفاظ بھی بڑھتا جائے۔ اور روزمرہ زندگی اور معاش کے لیے ضروری لسانی امور میں مشق بھی ساتھ ساتھ ہوتی جائے۔

جزوی مقاصد: اس وقت ابتدائی منزل میں پانچ جماعتیں مروج ہیں جن کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

پہلی جماعت: (۱) بولنے میں بچہ ماحول، پسندیدہ مشاغل اور تصاویر کے متعلق گفتگو کر سکے کہانیاں، لطیفے اور مختصر نظمیں زبانی سنا سکے۔

(۲) پڑھنے میں حروف کی ابتدائی، وسطی اور آخری شکلیں، تمام حرکات وسکنات اور حروف علت وصحیح کی آوازیں، سیکھ کر آسان الفاظ اور آسان جملے پڑھ سکے۔

(۳) لکھنے میں حروف، الفاظ اور آسان جملوں کو دیکھ کر صحیح لکھ سکے۔

دوسری جماعت: (۱) بولنے میں روزمرہ کے واقعات مشاہدات، اور مشاغل کا حال بیان کر سکے پڑھی ہوئی کہانیاں اور نظمیں سنا سکے، مختصر مکالموں میں حصہ لے سکے اِن سب میں وہ الفاظ بار بار استعمال کرے جو وہ پڑھ چکا ہو۔ اس طرح ذخیرۂ الفاظ بڑھائے۔

(۲) پڑھنے میں ایک آسان زبان میں لکھی ہوئی سوا سو صفحے کی کتاب کے اسباق نظم ونثر سمجھ کر رواں اور صحیح تلفظ کے ساتھ باآواز بلند پڑھ سکے۔

(۳) لکھنے میں خوش خط لکھے ہوئے فقرے صاف طور پر نقل کر سکے۔

تیسری جماعت: (۱) بولنے میں روزمرہ زندگی کے متعلق بے تکلف گفتگو کر سکے اور سیکھے ہوئے الفاظ کا بول چال میں استعمال کر کے پڑھی ہوئی کہانیاں اور نظمیں اچھے امور میں سنا سکے۔

(۲) پڑھنے میں ڈیڑھ سو صفحے کی درسی کتاب کے اسباق نظم ونثر سمجھ کر، رواں اور صحیح تلفظ کے ساتھ باآواز بلند پڑھ سکے، خاموش مطالعہ کرنے کی صلاحیت بھی اُس میں پیدا ہو۔ درسی کتاب کے علاوہ کوئی اور پانچ پانچ صفحوں کی کہانیاں خاموشی سے پڑھ سکے۔

(۳) لکھنے میں خوشخطی کے ساتھ املا لکھنے کی صلاحیت بھی پیدا کرلے اور بعض آسان سوالوں کے مختصر تحریری جواب دینے کی کوشش کر سکے۔

چوتھی جماعت: ۱۔ بولنے میں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق حالات حاضرہ پر گفتگو کر سکے۔ پڑھی ہوئی کہانیاں مختصر طور پر یا تفصیل کے ساتھ سنا سکے۔ نظمیں وضاحت کے صحیح انداز میں زبانی سنا سکے۔

(۲) پڑھنے میں پونے دو سو صفحات کی درسی کتاب کے اسباق نظم ونثر صحیح تلفظ، روانی اور لہجے کے ساتھ بلند آواز میں پڑھ سکے اور سات سات صفحوں کی کہانیوں کا خاموش مطالعہ کر سکے۔

(۳) لکھنے میں اپنے مشاغل کا حال، سیدھی سادی چھٹیاں، درخواستیں اور کہانیاں اپنے الفاظ میں لکھ سکے۔

(۴) قواعد میں جملے اور اسم، فعل، حرف میں تمیز کر سکے۔

پانچویں جماعت (۱) بولنے میں روزمرّہ زندگی اور کتابی اسباق کے متعلق بے تکلّف گفتگو کے علاوہ مختصر تقریریں کر سکے۔ نظمیں اور مضامین مؤثر طریق سے حفظ سنا سکے۔

(۲) پڑھنے میں دو سو صفحات کی درسی کتاب کے اسباقِ نظم و نثر صحیح پیرائے میں پڑھ سکے اور دس دس صفحوں کی کہانیوں کے خاموش مطالعے کے علاوہ چھٹیاں، اخبار، رسالے اور گاؤں یا محلے کے کاغذات وغیرہ بھی پڑھ سکے۔

(۳) لکھنے میں مربوط، مختصر اور مفصل عبارتیں، کہانیاں خطوط، درخواستیں، رسیدیں، منی آرڈر فارم، دعوتی رقعے اور کاروباری خطوط لکھ سکے۔

(۴) قواعد میں واحد، جمع، تذکیر و تانیث، اجزائے جملہ اور مرکبات تام و ناقص کی تمیز کر سکے۔

ثانوی منزل کے مقاصد

ثانوی منزل میں متعلم کو ابتدائی منزل میں حاصل کردہ قابلیت سے آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ ثانوی منزل اس کے لیے قوتِ فکر و غور، قوت اظہار و بیان اور قوت تحقیق و استدلال کی تربیت کے ساتھ ذوقِ سلیم اور لطفِ سخن کی نشو و نما، اردو شہ پاروں کا شغف اور حصول علم کا شوق پیدا کرنا ضروری ہے۔ یہی ضرورت اس منزل کے مقاصد کا تعین کرتی ہے۔

ثانوی منزل کے دو مروج طبقے ہیں۔

(الف) طبقہ وسطانی (ب) طبقہ فوقانی

ایک قبل کی تکمیل اور نئی چیز کی تیاری کا طبقہ ہے اور دوسرا تکمیل کا۔ ہر دو کے جزوی مقاصد اگرچہ باہم مربوط ہیں لیکن طبقاتی نوعیت کے لحاظ سے ان میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

وسطانی منزل میں تدریسِ اردو کے مقاصد: طبقہ وسطانی میں ابتدائی منزل سے تکمیلی تجاوز ہوتا ہے اور اُن چیزوں کی بنیاد پڑتی ہے جن کی تکمیل طبقہ فوقانی میں ہوتی ہے۔ اس لیے وسطانی منزل کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

عمومی مقاصد: (۱) تقریر و تحریر اور مطالعے کے سلسلے میں ابتدائی منزل میں حاصل کردہ قابلیت کی مزید تکمیل۔

(۲) بولنے، پڑھنے اور لکھنے کی طبعی خواہش کی مزید تربیت کرنا اور فکر و غور کی اہلیت پیدا کرنا۔

(۳) عام اور وسیع مطالعے کا شوق بڑھانا اور اس مطالعہ سے علمی استفادہ اور لطف اندوزی کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۴) مشاہدات و واقعات کے متعلق حکائی، بیانی، استدلالی اور فکری مضامین لکھنے اور اپنے انداز میں اپنے خیالات کو ظاہر کر سکنے کے قابل بنانا۔

(۵) اُردو زبان کی ساخت کا مزید علم دینا تاکہ زبان پر صحیح قسم کا قابو ہو۔

جزوی مقاصد: وسطانی منزل میں تین جماعتیں مروج ہیں۔ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں۔ ہر جماعت میں مقاصد کی صورت یہ ہوگی:-

چھٹی جماعت: ۱۔ بولنے میں مشاہدات و مشاغل کو روانی سے بیان کرنے، نظم و نثر کو تمثیلی انداز میں بیان کرنے، خیال انگیز مباحث پر مذاکرے اور عام مباحث پر مختصر تقریریں کرنے کی قابلیت۔

(۲) پڑھنے میں مشہور و مستند شعراء و ادبا کی تصنیفات کے انتخابات، درسی کتاب کے ذریعے پڑھنے اور سمجھنے اور اُن میں لطف لینے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ اخبار، رسالے اور لائبریریوں کی عام کتابوں کا خاموش مطالعہ کرنے کی مزید مشق۔

(۳) لکھنے میں متفرق قسم کے خط، درخواستیں، رقعے، رسیدیں، مجمل و مفصل کہانیاں، شستہ زبان میں مسلسل حکائی و بیانیہ مضامین لکھنے کی مشق اور الفاظ و محاورات کا استعمال۔

(۴) قواعد زبان میں جملے کی قسموں، اسم کی قسموں، افعال کی قسموں اور حروف کی قسموں سے عملی تعارف۔

ساتویں جماعت: ۱۔ بولنے میں چھٹی جماعت کی مشقوں کے علاوہ مباحثوں اور مناظروں میں حصہ لینے اور فکر و غور سے بولنے کی مشق۔

(۲) پڑھنے میں چھٹی جماعت کے مقصد کے علاوہ خاموش مطالعے اور اُردو مصنفین کی کتابیں دیکھنے کی مزید صلاحیت۔

(۳) لکھنے میں چھٹی جماعت کے مقصد پر مزید یہ کہ وصفی اور طبع زاد مضمون لکھ سکے۔

(۴) قواعد زبان میں آموختہ کے علاوہ مرکبات، اسماء، افعال و حروف کی اقسام کا تفصیلی تعارف۔

آٹھویں جماعت: ۱۔ بولنے میں مباحثوں اور مناظروں میں حصہ لینے اور فکر و غور اور وضاحت بیان کی مزید مشق۔

(۲) پڑھنے میں خاموش مطالعے کے علاوہ اُردو مصنفین کے کلام کے استحسان کی صلاحیت۔

(۳) لکھنے میں حکائی، بیانی، استدلالی اور طبع زاد مضمون لکھنے کی قابلیت۔

(۴) قواعد زبان میں زبان کی ساخت کا مکمل اور ضروری علم۔

فوقانی منزل میں تدریس اُردو کے مقاصد: فوقانی منزل میں درج ہیں نویں اور دسویں ہر جماعت میں مقاصد کی صورت یہ ہوگی۔

عمومی مقاصد:

(۱) وسطانی منزل میں حاصل کردہ قابلیت کی مزید مشق و تکمیل۔

(۲) قوتِ تخیل اور قوت فیصلہ کی تربیت اور حسن و قبیح کلام میں امتیاز کرنے کی قابلیت۔

(۳) ذوق سلیم اور لطف سخن کی نشوو نما۔

(۴) تقریر و تحریر میں تخلیقی صلاحیتوں کا عمل۔

(۵) اُردو شہ پاروں کے مطالعے کا شغف۔

(۶) اُردو کے ذریعے علوم و فنون کے حصول کی قابلیت۔

(۷) اُردو زبان کی ساخت کا مکمل علم اور اُردو زبان کا سطحی تعارف۔

(۸) لطیف و مہذب اسلوبِ بیان و انداز گفتگو کا اکتساب۔

جزوی مقاصد: فوقانی منزل میں جزوی مقاصد کی صورت یوں ہوگی:۔

نویں جماعت:

۱۔ بولنے میں ایسے مباحث کے متعلق مذاکرے، مناظرے، مباحثے اور تقریریں جن کے لیے مطالعے، غور و فکر، اور تخلیقی صلاحیتوں کی ضرورت پڑے۔

(۲) پڑھنے میں اُردو مصنفین کے عمدہ اور چیدہ انتخابات نظم و نثر کا مطالعہ باآواز خاموشی اور ان کا استحسان۔ ادبی و علمی و فنی اُردو کتابیں پڑھنے کا ذوق۔ اُردو زبان کی داستان کا سطحی مطالعہ۔

(۳) لکھنے میں لطیف پیرائے میں وصفی، استدلالی اور تخلیقی طویل مضامین لکھنے کی صلاحیت۔ جامع، مؤثر اور ادبیانہ خطوط لکھنے کی مشق۔

(۴) قواعد میں اُردو زبان کی ساخت و ترکیب کا اس طرح علم کہ غلط اور صحیح الفاظ و مرکبات کا پتہ چل جائے۔

دسویں جماعت:

۱۔ بولنے میں نویں جماعت کے مقصد کے علاوہ شستہ اور با محاورہ زبان میں مدلل اور فصیح بولنے کی مشق۔

(۲) پڑھنے میں نویں جماعت کے مقصد کے علاوہ اُردو مصنفین کے انتخابات کے ذریعے اُردو

زبان کے تدریجی، لسانی و ادبی ارتقار کا سطحی مطالعہ۔

(۳) لکھنے میں نویں جماعت کے مقصد کے علاوہ شعروں اور مقولوں کی تفصیلی اور واضح تشریحات و توضیحات لکھنے کی مشق۔

(۴) قواعد میں اُردو زبان کی ساخت کا مکمل عملی علم اور تحریر و تقریر کی عام اغلاط کے مقابلے میں صحیح صورتوں سے عملی واقفیت۔

جامعاتی منزل کے مقاصد

اعلیٰ جامعاتی تعلیم کی منزل میں متعلم زبان اُردو کو وسیع مطالعہ ادب، تنقید و تبصرے، تاریخ ادب، تحقیق و تدقیق اور عالمانہ و فاضلانہ انشار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس منزل کے مندرجہ ذیل تین اہم حصے مروج ہیں۔

(۱) فوزی یعنی ایف۔اے

(۲) طیلسانی یعنی بی۔اے

(۳) طبقہ مہارت یعنی ایم۔اے

فوزی و طیلسانی تیاری و تکمیل کی تحتی منزلیں ہیں۔ طبقہ مہارت میں علم زبان کی مجموعی و ہمہ گیر پختگی کا سامان ہوتا ہے چنانچہ اِن کیفیتوں کی بنار پر اعلیٰ تعلیم کی اِن تینوں تحتی منزلوں کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فوزی منزل کے مقاصد**

(۱) اصناف ادب میں سے بلحاظ نظم غزل، قصیدہ، مسدس اور رباعی اور بلحاظ نثر ڈرامہ، ناول اور سوانح کا مطالعہ یعنی ہر ایک کے متعلق کوئی ایک کتاب زیر مطالعہ ہو تاکہ اِن اصنافِ ادب سے معنوی واقفیت ہو جائے۔

(۲) تقریر یا تحریر کے محاسن و عیوب کے امتیاز کے ساتھ اعتراض اور تنقید و تبصرے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(۳) تاریخ ادب اُردو کا سطحی تعارف ہو جائے۔

(۴) اُردو کے ادبی و لسانی مسائل پر غور و خوض کرنے اور اُن کے متعلق استفسار یا تحقیق کرنے کی طرف طبعی رُجحان پیدا ہو جائے۔

(۵) انشائے تحریری و تقریری میں علمی وقار اور حسنِ اسلوب پیدا کرنے کی قابلیت میسر آئے۔

۲۔ **طیلسانی منزل کے مقاصد:** ۱۔ مطالعہ ادب میں وسعت میسر ہو۔ یعنی اصناف ادب سے ہر ایک کے متعلق گہرا اور وسیع تعارف ہو۔

۲۔ تقریروں یا تحریروں پر جامع مدلل تنقید و تبصرہ کا ذوق پیدا ہو۔

۳۔ تاریخ ادب اُردو کے اہم پہلوؤں پر گہرا عبور ہو جائے۔

۴۔ اُردو کے لسانی و ادبی مسائل پر تحقیقی مقالے لکھنے اور بحث کرنے کی قوت پیدا ہو۔

۵۔ تحریر و تقریر میں لطیف اسلوب پیدا ہو جائے۔

۳۔ **طبقۂ مہارت کے مقاصد:** ۱۔ لسانیات اُردو پر عبور

۲۔ تاریخ ادب اُردو کا گہرا اور وسیع مطالعہ۔

۳۔ مشہور مصنفین اُردو کے اہم منظور و منثور کارناموں پر گہری تنقیدی نظر۔

۴۔ اہم ادبی یا لسانی موضوعات پر فکر انگیز تحقیقی مقالہ نگاری۔

۵۔ اُردو زبان میں علمی، ادبی اور فنی مذاکرات۔

جامعی تعلیم کی ان منزلوں میں سے ہر ایک کی مدتِ تعلیم دو دو سال ہوتی ہے اور مقررہ مقاصد اسی عرصے میں حاصل کرنا پڑتے ہیں۔ اِن میں درجوں یا جماعتوں کی علیحدہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس لیے ہر درجے کے لیے علیحدہ مقاصد کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ استاد پر موقوف ہے کہ وہ حالات کے مطابق مقاصدِ مقررہ کے حصول کے لیے جس چیز کو مقدم اور زیادہ اہم سمجھے، اُسے پہلے سال پڑھا دے۔ اور موخر اور کم اہم کو دوسرے سال میں۔ یا سلسلہ وار ہر ایک مقصد کی تکمیل دو سال میں کرے۔[1]

---

[1] سلیم فارانی، اردو زبان اور اسکی تدریس، ص ۵۰۳ تا ۵۲۲

باب ٦

تدریسِ اُردو کے معاون سامان و تدابیر

سمعی و بصری معاونات و تدابیر سے مطلب اِن تمام امدادی اشیاء سے ہے جو استاد بچوں کو سبق دینے کے دوران میں استعمال کرتا ہے تاکہ معانی و مطالب سمجھانے، چیزوں کے تصورات واضح کرنے اور عام فہم بنانے اور اِس کو آسانی سے ذہن نشین کرانے میں مدد ملے علاوہ ازیں چونکہ اسباق کی معلوماتی، مہارتی اور التحسانی تین قسمیں ہیں اور دلچسپی، آمادگی اور تحریک پائیدار تعلّم کے بنیادی اصول ہیں اور یہ تمام قسم کے سبقوں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سمعی بصری معاونات و تدابیر کی افادیت سے کسی سبق یا مضمون میں انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اشیاء دلچسپی اور آمادگی کی ضامن ہیں۔ اس لیے سب مضامین میں سمعی و بصری اعانتوں کو استعمال کیا جاتا ہے لیکن تدریسِ اُردو میں اِن کی خاص اہمیت ہے۔ اس کی اہم وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ سمعی بصری مواد سے الفاظ کے معنی ٹھوس، واضح اور باضابطہ بن جاتے ہیں۔ بچوں کو اکثر اپنے
۲۔ گھر اور ماحول کی جانی بوجھی چیزوں کے معنی نہیں معلوم ہوتے اس لیے وہ الفاظ کا صحیح استعمال اور برمحل نہیں کر سکتے چنانچہ سمعی بصری مواد مختلف الفاظ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔
۳۔ سمعی بصری مواد کی مدد سے متعلمین کی توجہ اور دلچسپی سبق میں قائم رہتی ہے۔
۴۔ سمعی بصری مواد کی مدد سے متعلمین سبق کا مفہوم اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں اِن کا تلفظ اور لہجے
۵۔ صحیح ہو جاتے ہیں۔ اِن کا تخیل بلند ہو جاتا ہے اور وہ صحیح قسم کی زبان بولنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

تدریسِ اُردو کے معاون سامان و تدابیر کی تعداد کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سبق کی نوعیت کے لحاظ سے ہم مختلف چیزوں کو استعمال میں لا سکتے ہیں لیکن عام طور پر ذیل کے معاونات و تدابیر کو حسبِ ضرورت استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

۱۔ سوال و جواب

تدریسِ اُردو میں سوالات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جو اساتذہ مسلسل بولے جاتے ہیں،

نہ خود سوال کرتے اور نہ طلبہ کو سوال کرنے کا موقع دیتے۔ ان کی تدریس سے طلبہ کو بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسے اسباق میں بچے بہت کم عملی دلچسپی لیتے ہیں۔

سوالات کی اہمیت و افادیت: موزوں سوالات کی بڑی اہمیت و افادیت ہے ان کے ذریعے سے

(۱) تجسس کو بیدار کر کے بچوں کو سبق پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) سبق میں ان کی توجہ و دلچسپی برقرار رکھی جا سکتی ہے۔

(۳) غیر متوجہ طلبہ کو متوجہ کرنے اور سست رفتار طلبہ کو ہشکانے اور ہمت بندھانے کا کام لیا جاتا ہے۔

(۴) طلبہ کو غور و فکر اور مشاہدہ و مطالعے پر اکسایا جا سکتا ہے۔

(۵) ان کی صلاحیت کی جانچ کی جا سکتی ہے۔

(۶) طلبہ کو ان کی غلطیاں محسوس کرائی جا سکتی ہیں۔

(۷) اسباق کو آگے بڑھانے میں مدد لی جا سکتی ہے۔

(۸) اسباق کا اعادہ کرایا جا سکتا ہے۔

اغراض: پڑھاتے وقت معلم کو طرح طرح کے سوالات کرنے پڑتے ہیں۔ کچھ سبق کی ابتدا میں، کچھ درمیان میں اور کچھ اختتام پر۔

(الف) **تمہیدی سوالات**: یہ سبق کے شروع میں کیے جاتے ہیں۔ تعداد میں تھوڑے اور بہت ہی آسان ہوتے ہیں۔ نیز موضوع سے ان کا قریبی تعلق ہوتا ہے۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے:

(۱) بچوں کی سابقہ لیاقت کا پتہ چل جائے تاکہ اسی بنیاد پر نئی معلومات فراہم کی جائیں۔

(۲) بچوں کے ذہن کو سبق کے لیے تیار اور یکسو کیا جائے۔

(۳) سبق کی غرض و غایت اور ضرورت و افادیت ان پر بخوبی واضح ہو جائے۔

(ب) **درمیانی سوالات**: سبق کے بیچ میں متعدد سوالات کیے جاتے ہیں جن کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ:

(۱) معلم اندازہ کر سکے کہ بچے سبق کو بخوبی سمجھ رہے ہیں۔

(۲) سبق میں بچوں کی دلچسپی اور توجہ برقرار رہے۔

(۳) سبق کو آگے بڑھانے میں طلبہ عملی حصہ لیں۔

(۴) سبق کے مشکل حصے واضح اور ذہن نشین ہوتے جا

(۵) غور و فکر کا موقع ملے اور معلومات میں تسلسل رہے ۔

(۶) نئی معلومات کا سابقہ معلومات سے ربط قائم ہو ۔

(۷) بچوں کے روزمرہ واقعات، تجربات و مشاہدات وغیرہ سے جدید معلومات کا مقابلہ و موازنہ ہو سکے۔

(۸) کچھ مشاہدہ کرانے یا کسی چیز پر توجہ مرکوز کرانے میں مدد ملے ۔

(۹) غیر متوجہ طلبہ کو متوجہ کیا جا سکے اور سست رفتار طلبہ کو ساتھ لیا جا سکے۔

اختتامی سوالات : سبق کے آخر میں کچھ سوالات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ :

(۱) پورے سبق کا اعادہ ہو جائے۔

(۲) سبق کے ذریعے سے جو کچھ بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ بچوں کو اسے استعمال کرنے کا موقع مل جائے ۔

(۳) بچوں کو کسی ہوم ورک یا عملی کام پر آمادہ کیا جا سکے یا حل طلب مسئلے کی شکل میں انہیں کوئی کام دیا جا سکے۔

سوالات کیسے ہوں؟

سوالات سے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب ان میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جائیں ۔

(۱) سوالات کی زبان صاف شگفتہ، عام فہم اور زوائد سے پاک ہو تاکہ بچوں کی سمجھ میں بخوبی آ سکے کہ آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ زبان کی شگفتگی ان کی توجہ کھینچے اور جواب سوچنے پر آمادہ کر دے۔ بعض لوگ سوالات میں بلاوجہ غیر ضروری سوالات کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً پوچھنا ہے غالب کس سن میں پیدا ہوئے ؟ تو پوچھیں گے "کیا تم بتا سکتے ہو یا تم میں کون جانتا ہے کہ غالب کس سن میں پیدا ہوئے ؟" اس طرح کے زوائد سے سوالات کی زبان پاک ہونی چاہیے

(۲) زبانی سوالات چھوٹے اور ان کی عبارت بہت مختصر ہو تاکہ پورا سوال بآسانی بچوں کے ذہن میں محفوظ رہ سکے مثلاً میر تقی میر نے دہلی ہجرت کیوں کی ؟ ایک موزوں زبانی سوال ہے۔ اسی کو اگر ان الفاظ میں پوچھا جائے کہ میر تقی میر نے آگرہ چھوڑ کر جو اُس کا وطن تھا، ہجرت کیوں کی جب کہ دہلی شہر اُس کے لیے اجنبی بھی تھا اور آگرے سے کافی دُور بھی ؟ تو یہ سوال ناقص ہو گا۔

(۳) سوالات طلبہ کی صلاحیت کا لحاظ رکھ کر بنائے گئے ہوں، نہ اتنے آسان ہو کہ طلبہ ان پر توجہ دینے یا غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھیں اور نہ اتنے مشکل ہوں کہ بچے جواب دینے کی ہمت ہی نہ کر سکیں ۔

(۴) سبق کے دوران میں جتنے سوالات کیے جائیں وہ آپس میں اتنے مربوط ہوں کہ وہ ایک دوسرے کا لازمی جز معلوم ہوں اور سب کا بحیثیت مجموعی اصل سبق سے قریبی تعلق ہو۔ اس طرح خیالات میں بھی تسلسل رہتا ہے اور غیر متعلق باتوں پر وقت ضائع نہیں ہوتا۔

(۵) دو یا زائد سوالات ملا کر نہ کیے جائیں مثلاً حالی کی نثر اور شاعری کے نثری اور شعری مآخذ اور فائدے بتاؤ۔

(۶) سوالات واضح، معین اور غیر مبہم ہوں تاکہ بچوں کا ذہن اصل جواب کی طرف منتقل ہو، ایسے سوالات ہرگز نہ کیے جائیں جن کے ایک سے زیادہ جواب ہو سکتے ہیں مثلاً:
سامنے کیا نظر آ رہا ہے؟ یا نقشے میں کیا دکھائی دے رہا ہے؟ دونوں صورتوں میں متعدد جوابات ممکن ہیں۔

(۷) سوالات صرف یادداشت یا حافظے سے متعلق نہ ہوں بلکہ فکر انگیز ہوں تاکہ بچوں کو سوچنے اور غور و فکر کرنے پر آمادہ کر سکیں۔

(۸) ابتدائی درجات میں سوالات عموماً سیدھے سادے اور ایسے ہوں جن میں بچوں کو خوب بولنا پڑے البتہ اونچی جماعتوں میں قدرے پیچیدہ ہوں تاکہ بچوں کو غور و فکر اور استدلال سے کام لینا پڑے۔

(۹) خبردار کیے بغیر دھوکے اور مغالطے میں ڈالنے والے سوالات نہ کیے جائیں مثلاً میر تقی میر اور میر درد میں کیا رشتہ تھا۔

(۱۰) سوالات ایسے نہ ہوں جن کے جوابات صرف "ہاں۔ نہیں" یا ایک ہی لفظ میں پورے ہو جائیں۔ اگر اس طرح کے سوالات کرنے ہی پڑیں تو ساتھ ہی کیوں یا کیسے وغیرہ بھی ہونا چاہیے تاکہ جواب دینے میں کچھ جدوجہد کرنی پڑے اور معلم کو اطمینان ہو سکے کہ بچے نے سوچ سمجھ کر "ہاں یا نہیں" کہا ہے

(۱۱) سوالات ایسے بھی نہ ہوں جن کے اندر ہی جواب ہو یا جو اپنے جواب کی طرف خود اشارہ کر رہے ہوں۔ مثلاً کیا الطاف حسین حالی شاعر نہ تھے؟ سر سید احمد خاں شاعر تھے یا نثر نگار۔

(۱۲) کچھ بتاتے ہی اُلٹ کر سوال نہ کر لیا گیا ہو۔ مثلاً علامہ اقبال ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے، علامہ اقبال کس سن میں پیدا ہوئے؟" البتہ اگر کوئی بچہ غیر متوجہ ہو یا کھویا کھویا سا نظر آئے تو اس سے اچانک اس طرح کا سوال کیا جا سکتا ہے۔ یا اس طرح کا سوال کہ فلاں بچے نے کیا جواب دیا؟ وغیرہ

سوالات کرنے کا طریقہ: جس طرح موزوں سوالات بنانا ایک فن ہے جس میں کافی احتیاط، سوجھ بوجھ اور مشق و مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سوالات کرنا بھی فنی مہارت چاہتا ہے۔ سوالات کرتے وقت مندرجہ ذیل امور پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) پورے درجے کو مخاطب کر کے سوال کیا جائے۔ کسی کی طرف اشارہ کر کے یا کسی کا نام لے کر سوال نہ کیا جائے۔ البتہ جواب کسی ایک بچے ہی سے مانگا جائے۔

(۲) سوال کرنے کے بعد جواب سوچنے کا کچھ موقع دیا جائے فوراً جواب مانگا نہ جائے۔

(۳) چند مخصوص بچوں سے ہی سوالات نہ کیے جائیں بلکہ باری باری سب سے پوچھے جائیں البتہ اس باری میں کوئی خاص ترتیب نہ ہوں ورنہ جن سے پوچھا جا چکا ہوگا یا جن کی باری نہ ہوگی وہ توجہ نہیں دیں گے۔

(۴) سوال کرتے وقت صاف بولا جائے تاکہ پورا درجہ بخوبی سُن سکے اور سوال کا اصل مدعا ظاہر کرنے والے تلفظ پر خاص طور سے زور دیا جائے۔

(۵) سوالات ہرگز نہ دہرائیں اِلّا یہ کہ کسی وجہ سے طلبہ سن یا سمجھ ہی نہ سکے ہوں ایسی صورت میں پھر سے سوال کیا جائے یا کوئی آسان سوال کر کے اصل سوال کی طرف رہنمائی کر دی جائے۔

(۶) موقع ہو اور ضرورت سمجھیں تو تختۂ سیاہ پر سوال لکھ دیا کریں خصوصاً جانچ یا ہوم ورک کے لیے سوالات تختۂ سیاہ پر لکھ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

(۷) غیر متوجہ طلبہ سے اچانک سوال کیا جائے۔

(۸) سوالات کرنے کا لہجہ خوشگوار اور ہمدردانہ ہو تاکہ بچے خود اعتمادی کے ساتھ جواب دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ خوف و ہراس یا جھجک محسوس نہ کریں۔

(۹) جواب نکلوانے میں بہت زیادہ وقت صرف نہ کیا جائے۔

(۱۰) اگر ایک بچہ ٹھیک جواب دیدے تو بھی بعض اور بچوں سے جواب مانگے جائیں۔

(۱۱) کبھی کبھی بچوں کو بھی سوال کرنے کا موقع دیا جائے اور سوال کرنے پر انہیں اکسایا جائے ساتھ ہی درجے کی فضا ایسی بنائی جائے کہ دورانِ تدریس جو بات سمجھ میں نہ آئے طلبہ بلا جھجک پوچھ سکیں، اس سے بچوں کو سمجھنے بوجھنے غور و فکر کرنے اور سبق میں پوری دلچسپی لینے میں مدد ملتی ہے۔ البتہ غیر متعلق سوالات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ سوال اگر ضروری اور مفید ہو تو بعد میں علیحدہ سے اس کا جواب دے دیا جائے۔

(۱۲) سوالات اطمینان سے کیے جائیں۔ جلد بازی کرنا یا سوالات کی بوچھاڑ کر دینا ٹھیک

نہیں۔ اس سے بچے گھبرا اور بوکھلا جاتے ہیں۔

طلبہ کے جوابات: سوالات سے پورا پورا فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب طلبہ کے جوابات کے سلسلے میں مناسب طرز عمل اختیار کیا جائے اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے۔

۱۔ بچوں کے جوابات خندہ پیشانی سے سنے جائیں۔ انہیں جواب دینے پر اکسایا جائے۔ صحیح جوابات پر شاباش دی جائے۔ لا یعنی اور غیر متعلق جوابات نظر انداز کر دیے جائیں۔

۲۔ طلبہ کے بعض غلط لیکن "دلچسپ" جوابات سے درجے میں شگفتگی اور مسرت کی لہر دوڑانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ البتہ ایسے کرتے وقت جواب دینے والے بچے کے جذبات کا

۳۔ صرف ان جوابات کو بالکل ٹھیک شمار کیا جائے جو

۱۔ زبان اور قواعد کی رو سے بالکل ٹھیک ہوں۔

۲۔ سوال سے متعلق ہوں۔

۳۔ جتنی بات پوچھی گئی ہے اس سے کم ہو نہ زیادہ۔

۴۔ پورے جملے میں دیے گئے ہیں لیکن اس پر ہمیشہ اصرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کبھی کبھی فطری جواب ادھورے جملوں ہی میں مکمل ہو جاتا ہے۔

۵۔ پوری آواز سے دیا گیا ہو تاکہ پورا درجہ بآسانی سن سکے۔

اگر ان پہلوؤں سے نقص ہو تو قبول کرنے سے پہلے اس کی اصلاح کرا دی جائے۔

۴۔ حتی الامکان بچوں کے ہی جوابات جزوی رد و بدل کے بعد قبول کر لیے جائیں۔ اگر پورا جواب صحیح نہ ہو تو جتنا جز ٹھیک ہو اتنا ہی قبول کر لیا جائے۔ باقی حصہ مزید سوالات کر کے یا وقت کم ہو تو خود بتا کر مکمل کرا لیا جاتے اس سے بچوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

۵۔ ٹھیک جوابات کو دوسرے طلبہ سے دوہروا دیا جائے۔ کبھی کبھی طلبہ کے اچھے جوابات کو درجے کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا جائے۔

۶۔ ٹھیک جواب فوراً قبول کر لینے کے بجائے بعض اور طلبہ سے پوچھ لینے کے بعد قبول کیا جائے تاکہ دوسرے بچوں کی معلومات کے بارے میں بھی اندازہ ہو سکے۔

۷۔ جواب سوچتے وقت بولا نہ جائے اور نہ جواب کے دوران میں مداخلت کی جائے۔ اگر مدد کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے بچے سے دلوا دی جائے۔

۸۔ بچہ اگر غلط جواب دے یا جواب ہی نہ دے سکے تو فوراً بتا نہ دیا جائے بلکہ یا تو مزید سوالات

کرکے جوابات کی طرف رہنمائی کی جائے یا دوسرے بچوں سے صحیح جواب حاصل ہونے کے بعد اس سے دوہروا دیا جائے۔

(۹) طلبہ کے سارے غلط جوابات قابل اعتنا نہیں ہوتے لیکن وہ جوابات جن سے اندازہ ہو کہ بچہ بات سمجھ ہی نہیں سکا تو اس کی ضرور اصلاح کی جائے ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا جائے کہ اس کا جواب کیوں غلط ہے۔

(۱۰) لاپرواہی یا گستاخی سے دیے گئے جوابات پر کبھی کبھی ہمدردی و دلسوزی سے سرزنش مفید ہوتی ہے۔

(۱۱) اجتماعی جوابات عام طور پر نہ مانگے جائیں اور نہ قبول کیے جائیں البتہ اعادہ یا مشق کی صورت میں وقت بچانے کے لیے کبھی کبھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔

(۱۲) بچوں کو اس کا عادی بنایا جائے کہ جس سے سوال کیا جائے وہی جواب دے دوسرے نہ بول پڑیں کیونکہ اکثر ذہین بچوں کے بول پڑنے کی وجہ سے دھوکا ہو جاتا ہے کہ سب کو آتا ہے اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اکثریت سمجھی ہی نہیں۔

(۱۳) اگر پورا درجہ یا زیادہ طلبہ بار بار غلط جواب دیں تو سبب کا پتہ لگا کر ازالہ کیا جائے اسباب عموماً یہ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سوالات طلبہ کی لیاقت سے اونچے ہوں۔

۲۔ تدریس کے طریقے میں خامی اور سبق سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔

۳۔ درجے کا نظم وضبط ٹھیک نہ ہو۔

۴۔ بچے تھک گئے ہوں۔

۵۔ سبق خشک بے جان اور غیر دلچسپ ہو۔[۲]

۲۔ بیان

تدریسِ اردو میں بیان کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ نئی معلومات فراہم کرتے وقت معلم کو اکثر اس سے کام لینا پڑتا ہے، کبھی کسی شاعر، نظم یا انشاء کے بارے میں کچھ بتانا ہوتا ہے اکثر کہانیاں سنانی پڑتی ہیں اس لیے جب تک اسے بیان پر قدرت نہ ہو اور اس کا اندازِ بیان مؤثر نہ ہو وہ کامیاب معلم ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۲؎ افضل حسین، فنِ تعلیم و تربیت، ص ۳۹۴ تا ۴۰۲

کسی شاعر، نظم، انشائیہ یا واقعے

الف۔ کسی شاعر، نظم یا انشاء کے بارے میں بیان کے متعلق کچھ بیان کرنا ہو تو مندرجہ ذیل امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) معلم کے ذہن میں اس کا اتنا واضح تصور ہو گویا اُس نے خود غور سے دیکھا ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُس نے اس کا گہرا مطالعہ یا مشاہدہ کیا ہو۔

(۲) آسان الفاظ اور موزوں زبان میں واضح نقشہ کھینچا جائے تاکہ بچوں کے ذہن میں صحیح تصورات قائم ہوں۔

(۳) حتی الامکان اختصار سے کام لیا جائے۔ بہت زیادہ تفصیلات سے بچوں کا ذہن اُلجھ جاتا ہے۔ البتہ جتنا کچھ بتایا جائے اُس کی اتنی واضح منظر کشی کی جائے کہ پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

(۴) پہلے کل کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جائے پھر ایک خاص ترتیب سے تفصیلات بتائی جائیں۔

(۵) زبانی بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ حسبِ موقع ماڈل، تصویر، چارٹ اور نقشے وغیرہ سے مدد لی جائے۔

(۶) ان دیکھی اور نامعلوم چیزوں کے متعلق بتاتے وقت دیکھی ہوئی یا معلوم چیزوں سے مقابلہ و موازنہ کیا جائے تاکہ فرق و مماثلت بخوبی سمجھ میں آجائے۔

(۷) جو کچھ بیان کرنا ہو اُس کا مختصر خاکہ پہلے سے مرتب کر لیا جائے اور بیان میں اس ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تاکہ کڑی سے کڑی ملتی جائے۔

(۸) جو کچھ بیان کرنا ہو اُسے مسلسل اور ایک ہی سُر میں نہ بیان کیا جائے بلکہ دو یا تین مناسب اجزا میں تقسیم کر کے باری باری ایک جز پیش کیا جائے ہر جز کے اختتام پر سوالات کر کے اعادہ کرا دیا جائے اور پھر خلاصہ نوٹ کرا دیا جائے۔

کہانیاں شروع سے تعلیم و تربیت کا نہایت دلچسپ اور موثر ذریعہ

ب۔ کہانیاں کہنا: رہی ہیں کون ہے جسے کہانیوں میں لطف نہیں آتا لیکن بچے تو ان کے بہت ہی دلدادہ ہوتے ہیں، دادی اماں کے جہاں اور بہت سے احسانات ہوتے ہیں جن سے بچے اِن کی طرف کھنچتے ہیں وہاں سب سے زیادہ کشش اِن کی کہانیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کہانیوں سے اِن کے فطری ذوق کا اندازہ اس اصرار سے ہو سکتا ہے جو کہانیاں سننے کے لیے وہ کرتے رہتے ہیں وہ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی نیند اُڑ جاتی ہے اور

دادی اماں کی جان اُس وقت چھوٹتی ہے جب سُنتے سُنتے نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

اہمیت وافادیت: (۱) کہانیوں سے بچوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ اپنے ہیرو کا قائم مقام بنا کر اپنے اوپر اسی جیسی تمام کیفیات طاری کر لیتے ہیں۔ سنتے سنتے اچھل پڑتے ہیں اور چہرے بشرے نیز جسم کی حرکات وسکنات سے صاف محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کے دل و دماغ پر بھی وہی کچھ گذر رہی ہے جو کہانی میں ہیرو پر گذرتی ہے۔

(۲) قوت متخیلہ کی نشوونما، نصب العین اور آدرش کی تشکیل، سیرت سازی اور اعلیٰ تخیلات کو پروان چڑھانے میں کہانیاں بہت زیادہ معاون ثابت ہوتی ہیں۔

(۳) مشکل اور خشک مضامین کہانیوں کے سہارے آسان دلچسپ اور قابل قبول بن جاتے ہیں۔

(۴) مجرد تصورات اور اصولی باتیں کہانیوں کے ذریعے بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔

(۵) زبان سکھانے، الفاظ کے ذخیرے میں اضافہ کرنے۔ خیالات وجذبات کے اظہار پر قدرت حاصل کرنے میں کہانیاں بڑی معاون ہوتی ہیں۔

قابلِ لحاظ امور: ابتداء میں کہانیاں سادہ اور مختصر ہونی چاہئیں۔ رفتہ رفتہ طویل اور پیچیدہ، اس کے ساتھ ساتھ:-

(۱) الفاظ آسان، جملے چھوٹے اور زبان شگفتہ ہونی چاہیے۔

(۲) واقعات باہم مربوط اور بچوں ہی کی زندگی سے متعلق نیز ان کے ذوق، فہم، مشاہدے اور تجربے سے قریب ہونے چاہئیں۔

(۳) قصے کا ہیرو حتی الامکان بچہ ہو اور اس کی حرکات وسکنات یا کارنامے واضح پس منظر میں بیان کیے جائیں۔

(۴) قصے کا مواد بچوں کی عمر، لیاقت، نفسی خصوصیات اور دلچسپیوں کو پیشِ نظر رکھ کر منتخب کرنا چاہیے۔

(۵) کہانیوں کے افراد، مقامات اور اشیاء کو تعین کے ساتھ بتانا چاہیے۔

(۶) کہانیاں حرکت اور جوش سے بھرپور ہونی چاہئیں۔ ان میں بھاگ دوڑ، اُچھل کود، مقابلہ ومسابقت ہمت وشجاعت اور سیر وسیاحت اور مہمات واکتشافات وغیرہ کے واقعات ہونے چاہئیں۔

(۷) مکالمات کی فراوانی ہونی چاہیے۔

(۸) کہانی مسلسل پھیلتی جائے تاکہ توجہ مرکوز اور دلچسپ رہے۔

(۹) اگر ایک شگفتہ جملہ یا فقرہ تھوڑے تھوڑے وقفے پر دہرایا جا سکے تو چھوٹے بچوں کو بہت لطف آتا ہے۔

(۱۰) کہانی خواہ کسی مضمون سے متعلق ہو اس میں قصہ پن غالب ہونا چاہیے البتہ وہ مقصد ہمہ وقت پیش نظر رہنا چاہیے جس کے لیے وہ کہانی سنائی جا رہی ہے۔

(۱۱) مشہور و معروف کہانیوں کو من وعن پیش کرنے کے بجائے حسب ضرورت بچوں کی لیاقت و صلاحیت کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا چاہیے لیکن تاریخی کہانیوں میں اس کا لحاظ رہے کہ تاریخی حقائق یا واقعات مجروح نہ ہونے پائیں۔

(۱۲) بعض کہانیاں جگ بیتی کی بجائے آپ بیتی کے طور پر پیش کی جائیں تو زیادہ لطف دیتی ہیں۔ ایسی کہانیاں بچوں کو جلد یاد ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں بآسانی بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے کبھی کبھی ہیرو کی زبان سے کہانی کہلوانی چاہیے۔

(۱۳) بچپن میں بھوت پریت اور جن و پری کے قصوں سے توہم پرستی پیدا ہوتی ہے اور جرائم پیشگی اس لیے اس طرح کی کہانیوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔

(۱۴) کہانی معلم کو خوب یاد ہونی چاہیے تاکہ سناتے وقت روانی رہے۔ بیچ بیچ میں رکنا یا کتاب کھول کر دیکھنا نہ پڑے ورنہ سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔

(۱۵) کہانیوں کے جو حصے مکالمے کی شکل میں پیش کیے جا سکتے ہیں انہیں کبھی درجے یا مجمع کے سامنے بطور مکالمہ پیش کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ البتہ ایسی کہانیاں مکالمے کے لیے منتخب نہ کرنی چاہئیں جن سے کسی بچے کو کوئی گھناؤنا پارٹ ادا کرنا پڑے ورنہ اس بچے پر وہی کیفیات طاری ہوں گی اور اس کا اندیشہ رہے گا کہ وہی کہیں جڑ نہ پکڑ جائیں۔

کہانیاں سنانے کا طریقہ:

۱۔ کہانیاں ہمیشہ زبانی ہونی چاہئیں۔ پڑھ کر سنانے میں نہ تو لطف ہی آتا ہے اور نہ ہی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے لیے کہانی سنائی جاتی ہے اگر کبھی پڑھ کر سنانا پڑے تو انداز بیان زبانی سنانے کا سا ہونا چاہیے۔

(۲) انداز خوشگوار اور لب و لہجہ فطری ہونا چاہیے۔ حسب ضرورت آواز میں اتار چڑھاؤ اور حرکات و سکنات سے جوش و جذبے کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۳) معلم جب خود مزے لے کر کہانی سناتے اور واقعات سے تاثر کا اظہار کرتے ہیں تو بچے بھی لطف لیتے ہیں۔ اس لیے زبان، بیان، انداز ہر چیز سے مطلوبہ کیفیت اور فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۴) کہانی مسلسل سنانے کی بجائے دو یا تین موزوں اجزا میں تقسیم کر کے سنانا چاہیے۔ ایک جزو سنانے کے بعد موزوں سوالات کے ذریعے سے اہم واقعات کا اعادہ کر کے اگلا جزو پیش کرنا چاہیے آخر میں سوالات کر کے پوری کہانی کا خلاصہ سن لینا چاہیے۔

(۵) الفاظ میں واضح نقشہ کھینچنے اور ہر واقعے کا پس منظر بیان کرنے کے بعد بھی حتی الامکان توضیحی تصاویر دکھانی چاہئیں اور تختۂ سیاہ کی مدد سے مزید وضاحت کرنی چاہیے۔

(۶) معلوماتی کہانیوں میں سے مناسب سوالات کے ذریعے وہ باتیں اخذ کرا لینی چاہئیں جن کے لیے کہانی کی مدد لی گئی تھی۔

(۷) کہانی سنانے کے دوران میں وہ مقصد ہمہ وقت ذہن میں رہنا چاہیے جس کے لیے وہ کہانی سنائی جا رہی ہے۔

(۸) کہانی کے وہ حصے جنھیں بچوں سے مکالمے کے طور پر بعد میں پیش کرانا ہو، سناتے وقت معلم انھیں مکالمے ہی کی شکل میں پیش کرے۔

(۹) کبھی کبھی بچوں کو بھی کہانیاں سنانے کا موقع دینا چاہیے اور اس ضمن میں انتخاب، پیشکش وغیرہ کے سلسلے میں مناسب رہنمائی ہونی چاہیے[۳]

۳۔ تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ)

تدریس کو آسان، مؤثر اور دلچسپ بنانے میں تختۂ سیاہ کو بھی بہت زیادہ دخل ہے۔ سبق کو واضح کرنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہت کم اساتذہ کما حقہٗ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اہمیت و افادیت: ۱۔ سبق کے مشکل حصوں کی توضیح و تشریح کے لیے تختۂ سیاہ بہت ہی سستی اور موزوں سطح ہے۔ حسبِ ضرورت اس پر نہایت واضح اور خوش رنگ تصاویر، چارٹس اور نقشے وغیرہ بنائے جا سکتے ہیں جن میں وقت اور پیسے کی بھی بچت ہوتی ہے اور بنانے کا سلیقہ ہو تو پہلے سے بنی یا چھپی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں یہ زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔

(۲) بچوں کے سامنے اس پر جو لکھا اور بنایا جاتا ہے اسے بچے زیادہ غور اور توجہ سے دیکھتے ہیں ان کی سمجھ میں بخوبی آتا ہے اور ضرورت ہو تو وہ باآسانی اس کی نقل بھی اتار سکتے ہیں۔

(۳) زبانی پڑھاتے رہیے تو بچوں کو صرف کانوں سے کام لینے کا موقع ملتا ہے اور مسلسل سنتے رہنے سے وہ اُکتا بھی جاتے ہیں۔ تختۂ سیاہ کی وجہ سے انھیں آنکھوں سے بھی کام لینے کا موقع ملتا

[۳] ایضاً ص ۴۰۴ تا ۴۰۹

ہے اور بولنا بند کر کے جب معلم تختۂ سیاہ استعمال کرنے لگتا ہے تو کام کی نوعیت میں تبدیلی واقع ہو جانے کی وجہ سے اکتاہٹ بھی دُور ہو جاتی ہے اور توجہ و دلچسپی پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ نیز ایک سے زائد حس سے کام لینے کی وجہ سے سمجھنے اور یاد رکھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴) طلبہ کو زبانی کوئی ہدایت دی جائے یا حل کرنے کے لیے کوئی مسئلہ یا ہوم ورک دیا جائے تو کبھی کبھی وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، کہا کچھ جاتا ہے اور بچے کرتے کچھ اور ہیں۔ تختۂ سیاہ پر نوٹ کر دینے سے کام متعین ہو جاتا ہے اور بھٹکنے یا شبہے میں پڑھنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(۵) تختۂ سیاہ کی مدد سے سبق کا خلاصہ اور مختصر نوٹ مربوط و مرتب شکل میں طلبہ کو مل جاتا ہے جسے وہ بآسانی یاد بھی کر سکتے ہیں اور اپنی کاپیوں پر صحت کے ساتھ نوٹ بھی کر لیتے ہیں۔ سبق کے خاص خاص پوائنٹ پر توجہ مرکوز کرانے میں بھی تختۂ سیاہ سے بڑی مدد ملتی ہے۔

استعمال:

۱۔ تختۂ سیاہ معلم کی بائیں جانب اس انداز سے لگایا جائے کہ سطح چمکے وہ اور پورا درجہ بآسانی دیکھ سکے۔ نیز معلم کو وہاں تک پہنچنے اور لکھنے میں آسانی ہو۔

(۲) استعمال سے پہلے تختۂ سیاہ خوب صاف کر لیا جائے۔ جھاڑن اگر قدرے نم استعمال کیا جائے تو بہتر ہے مگر بہت گیلا نہ ہو۔ کام ختم ہونے کے بعد جلد از جلد صاف کر دیا جائے۔

(۳) تختۂ سیاہ پر جو کچھ لکھا یا بنایا جائے وہ نہایت صاف واضح، صحیح، سیدھی سطر نیز موٹے اور یکساں خط میں ہو۔

(۴) کھریا سرے کے قریب پکڑی جائے، ۴۵ درجے کا زاویہ بناتے ہوئے تختۂ سیاہ پر لکھا جائے، موٹا لکھنا ہو تو چاک کا سر اگھس لیا جائے۔ لمبی لکیر کھینچی ہو تو دونوں سرے کے نقطے متعین کر کے ملا دیے جائیں اور رنگ بھرنا ہو تو تختۂ سیاہ کو پٹ کر دیا جائے۔
لکھتے وقت چاک سے کھرکھراہٹ کی آواز نہ نکلے ورنہ توجہ بھٹکے گی بسا اوقات سرے پر کنکری آجانے سے آواز نکلتی ہے۔ ایسی صورت میں سرا توڑ کر کنکری نکال دی جائے۔

(۵) پورے درجے کا خیال رکھ کر لکھا جائے اور کبھی کبھی پیچھے جا کر اطمینان کر لیا جائے کہ سب کو بخوبی دکھائی دے رہا ہے۔

(۶) درجے کی طرف پیٹھ کر کے نہیں بلکہ ایک پہلو یا جانب سے لکھا جائے۔ لکھتے وقت درجے کی طرف مڑمڑ کر دیکھتے یا کچھ بولتے یا پوچھتے جانا چاہیے تاکہ درجے کا نظم وضبط برقرار رہے۔

(۷) لکھا ہوا یا تو خود بلند آواز سے پڑھ دیا جائے یا بچوں سے پڑھوا لیا جائے تاکہ کچھ چھوٹ

گیا ہو یا پڑھنے میں دشواری ہو تو اصلاح کر دی جائے۔

۸۔ صاف و خوشخط لکھنے یا اسکیچ کرنے کی خوب مشق کر لی جائے۔ لائن ڈرائنگ آسان بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی نیز معمولی مشق سے آجاتی ہے۔ واضح رہے غلط یا بدخط اور گندہ لکھنے سے نہ لکھنا بہتر ہے۔ اس سے بچوں پر خراب اثر پڑتا ہے اس لیے صحت و صفائی کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

۹۔ ابتدائی جماعتوں میں حتی الامکان رنگین چاک استعمال کیا جائے۔ اس سے بچوں کی توجہ اور دلچسپی حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ البتہ اونچی جماعتوں میں عموماً سفید چاک استعمال کی جائے۔ اہم پوائنٹ، سرخیوں اور عنوانات کو رنگین چاک سے لکھنا چاہیے۔

۱۰۔ سبق کا خلاصہ نہایت اختصار سے لکھا جائے۔ سبق کے ساتھ ساتھ خلاصہ نوٹ کرتے جانا چاہیے اس طرح سبق ختم ہوتے ہوتے خلاصہ بھی تیار ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ کبھی کبھی طلبہ کو بھی تختہ سیاہ استعمال کرنے کا موقع دیا جائے۔[۳]

۴۔ توضیحات و تشریحات

پڑھاتے وقت متعدد ایسے مواقع آجاتے ہیں جب معلم کو کسی مشکل، نامانوس، غیر واضح یا مبہم بات کی توضیح و تشریح کرنی پڑتی ہے تاکہ

۱۔ اشکال دُور ہو جائے۔

۲۔ تصورات واضح بنیں۔

۳۔ بات بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

یہ توضیحات و تشریحات دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) زبانی۔

(۲) مرئی یعنی نظر آنے والی، مثلاً تصاویر، نقشہ جات، گلوب چارٹ وغیرہ

زبانی توضیحات: زبانی تشریح کرتے وقت حسبِ ضرورت و موقع مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں مثلاً:۔

۱۔ مشکل الفاظ کا مفہوم سمجھانے کے لیے یا تو آسان مترادفات دیے جاتے ہیں یا ان کی ضد بتا دی جاتی ہے یا انہیں جملوں میں استعمال کر کے مفہوم واضح کر دیا جاتا اور محل استعمال بتا دیا جاتا ہے۔ تلمیح طلب الفاظ ہوں تو اختصار سے واقعہ سنا دیا جاتا ہے۔ اصطلاحی

[۳] ایضاً ص ۱۰۴ تا ۱۳

الفاظ ہوں تو ان کی تعریف بیان کر کے مثالوں سے وضاحت کر دی جاتی ہے۔

(۲) نامانوس چیز کا واضح تصور دلانے کے لیے کسی مانوس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے یا اس سے موازنہ و مقابلہ کر کے مماثلت اور فرق واضح کر دیا جاتا ہے۔

(۳) حکایت، روایت، چٹکلے، ضرب المثل وغیرہ کی مدد سے کسی مجرد تصور کی توضیح کر دی جاتی ہے۔

(۴) مشکل عبارت کا مفہوم اپنے آسان الفاظ اور سادہ انداز میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

قابلِ لحاظ امور: (۱) توضیح و تشریح سے پہلے اِس کی ضرورت محسوس کرائی جائے تاکہ بچے غور سے سنیں۔ تشریح سے پہلے اگر بچوں ہی کو اشکالات حل کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ تشریح کی ضرورت باسانی محفوظ کریں گے۔

بچوں ہی کی زبان اور انداز بیان میں تشریح کی جائے تاکہ بات بھی بخوبی سمجھ میں آجائے اور بچے حسبِ ضرورت خود بھی تشریح کر سکیں۔

(۲) وضاحت کرتے وقت سبق کی اصل غرض و غایت پیش نظر رہے اور حتی الامکان اختصار سے کام لیا جائے تاکہ غیر متعلق یا لایعنی تفصیلات میں وقت ضائع نہ ہو۔

(۳) تشریح کے ضروری پوائنٹ اگر تختہ سیاہ پر نوٹ کر دیے جائیں تو افادیت بڑھ جاتی ہے۔

(۴) زبانی بتا دینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ اگر ممکن ہو تو تختہ سیاہ پر شکلیں اور گراف وغیرہ کھینچ کر مزید وضاحت کی جائے۔

(۵) تشریح و توضیح کے دوران میں طلبہ کو زیادہ سے زیادہ پوچھنے کا موقع دیا جائے[۳]

۵۔ تصاویر، ماڈل، چارٹ وغیرہ

ابتدائی درجات میں مؤثر تدریس کے لیے مختلف چیزیں، اِن کے ماڈل، تصاویر اور چارٹ وغیرہ کا استعمال نہایت مفید اور ضروری ہے کیونکہ اِن کی مدد سے

(۱) نئی معلومات باآسانی بہم پہنچائی اور ذہن نشین کی جاسکتی ہیں۔

(۲) بچوں کے تصورات صحیح اور واضح بنتے ہیں۔

(۳) سبق میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور بچے توجہ دیتے ہیں۔

(۴) بیان کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

(۵) زبانی تشریح کے مقابلے میں اِن کی بدولت ذہن پر زیادہ گہرے نقوش بنتے ہیں چنانچہ بات زیادہ دنوں تک یاد رہتی ہے۔

۳؎ ایضاً ۱۶۴ تا ۱۹۴

(۶) مشاہدے کی تربیت ہوتی ہے اور قابل توجہ پہلوؤں پر بچوں کی نظریں جمنے لگتی ہیں۔

قسمیں : مرئی توضیحات مندرجہ ذیل اقسام کی ہوتی ہیں۔

(۱) اصل اشیاء
(۲) ماڈل، سٹینڈ پر مناظر۔ گلوب وغیرہ
(۳) تصاویر، فوٹو، سینریاں، پوسٹرس وغیرہ
(۴) نقشے، خاکے، گراف، چارٹ وغیرہ
(۵) عمل یا تجربہ کر کے دکھانا یا مشاہدے کے لیے جانا۔

۱۔ اصل اشیاء : پڑھاتے وقت اگر اصل اشیاء بچوں کے سامنے پیش کی جا سکیں اور بچوں کو انہیں دیکھنے چھونے اور کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو سونگھنے اور چکھنے کا موقع بھی مل سکے تو معلومات نہایت واضح ہوں گی اور تصورات صحیح قائم ہوں گے۔ اس لیے جو چیزیں بآسانی حاصل ہو سکتی ہوں اور درجے میں لائی بھی جا سکیں یا ان تک بآسانی پہنچا جا سکے۔ ان کے بارے میں تو معلومات اسی انداز سے بہم پہنچائی جائے۔ چھوٹے بچوں کے ضمن میں تو ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے تجربات و مشاہدات ناقص اور محدود ہوتے ہیں اور تصاویر نقشہ جات اور چارٹوں وغیرہ کی مدد سے وہ بخوبی سمجھ نہیں پاتے۔ اصل اشیاء کو حتی الامکان ان کے پس منظر ہی میں دکھانا چاہیے۔ مشاہدے کے وقت اہم پہلوؤں کی طرف بچوں کو متوجہ کرنا چاہیے ورنہ بہت سی اہم باتیں وہ اپنے طور پر دیکھ نہیں پاتے اور نہ قوتِ مشاہدے کی تربیت ہو پاتی ہے۔

۲۔ ماڈل : جغرافیہ، تاریخ اور عام سائنس میں متعدد ایسے مناظر اور اشیاء کے بارے میں معلومات بہم پہنچانی ہوتی ہیں۔ جن تک رسائی مشکل ہے یا جو بہت بڑی ہوتی ہیں یا کسی اور وجہ سے درجے میں لائی نہیں جا سکتیں مجبوراً ان کے ماڈلوں سے کام چلانا پڑتا ہے۔ ماڈل سستے مگر صاف اور صحیح بنانے یا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ماڈل اشیاء کے بھی ہوتے ہیں اور مناظر و نقشہ جات کے بھی جو ٹھوس ہونے کی وجہ سے بچوں کے لیے قابلِ فہم بھی ہوتے ہیں اور جاذبِ نظر بھی لیکن چونکہ اصل کے مقابلے میں عموماً نہایت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو دیکھ کر غلط تصورات قائم ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ماڈل کے ساتھ اس کی اصل تصویر بھی دکھائی جائے تاکہ سائز اور پسِ منظر وغیرہ کے متعلق صحیح تصورات قائم ہوں۔

بچے کہانیوں کی طرح تصاویر کے بھی بڑے دلدادہ ہوتے ہیں۔
۳۔ تصاویر، پوسٹر وغیرہ: کوئی تصویر سامنے آئے تو اس کو غور سے دیکھنے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں چنانچہ خوش رنگ پوسٹرس اور تصاویر کی وجہ سے سبق بہت دلچسپ بھی ہوجاتا ہے اور قابل فہم بھی، واضح تصورات قائم کرانے میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ان کے ضمن میں مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

۱۔ شکلیں بہت بڑی خوش رنگ اور جاذب نظر ہوں اور ان میں صرف وہی تفصیلات نمایاں طور پر دکھائی گئی ہوں جن کے لیے وہ بچوں کے سامنے پیش کرنی ہیں۔

۲۔ خود بنائی یا ساتھی اساتذہ کی مدد سے تیار کی جاسکیں تو بہتر ہے۔

۳۔ ہر معلم کو ایک ایسا البم تیار کرنا چاہیے جس میں اپنے مضامین سے متعلق شکلیں برابر اکٹھا کی جاتی رہیں تاکہ بر وقت دکھائی جاسکیں۔ پرانے انگریزی رسائل سے خاصا ذخیرہ اکٹھا ہو سکتا ہے۔

۴۔ پوسٹرس وغیرہ تیار کرنے میں بڑے بچوں سے بھی مدد لی جائے۔

۵۔ ہر معلم کو جدید طرز کی سادہ شکلیں بنا لینے کی مشق کر لینی چاہیے۔ یہ نہایت آسانی سے اور بہت کم وقت میں تیار ہو جاتی ہیں۔ اس کے باوجود بڑی مؤثر ہوتی ہیں بچے انہیں زیادہ پسند کرتے ہیں۔

نو دس سال کے بچے اصل اشیاء یا ان کے ماڈلوں اور
۴۔ نقشے، چارٹ، گراف وغیرہ: تصویروں کی جگہ نقشوں اور خاکوں کی مدد سے بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں اس لیے رفتہ رفتہ ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تاریخ میں نقشہ جات اور ٹائم چارٹ سے جغرافیہ اور عام سائنس میں مختلف طرح کے خاکوں، نقشہ جات، گلوب، گراف اور چارٹوں وغیرہ سے مدد لینی چاہیے۔

زبانی سمجھانے کے مقابلے میں اگر بچوں کے سامنے کر کے دکھا دیا
۵۔ عمل، تجربہ، مشاہدہ: جائے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا پورا طریقہ، تو بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایسے تمام مواقع پر زبانی سے زیادہ عملی مظاہرہ مناسب ہوتا ہے۔ اسی طرح عام سائنس اور جغرافیہ وغیرہ کے ضمن میں تجربہ کر کے دکھانا یا بچوں کو تجربے اور مشاہدے کا موقع فراہم کرنا بھی معلومات کو واضح کرنے میں بہت معاون ہوتا ہے۔ ان سے بھی پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(۱) توضیحات کے انتخاب میں بچوں کی عمر، ذہنی استعداد اور دلچسپیوں
قابلِ لحاظ امور: کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ بچوں کے لیے جاذب توجہ بھی ہوں اور قابل فہم

بھی۔ان سے بات بھی بخوبی سمجھ میں آجائے گی اور یادداشت میں بآسانی محفوظ ہو جائے گی۔

(۲) جس چیز کی وضاحت کے لیے استعمال کی جا رہی ہے اس سے براہِ راست متعلق ہو اور حتی الامکان صرف ان تفصیلات پر مشتمل ہو جن کی واقعی ضرورت ہے غیر متعلق یا غیر ضروری تفصیلات سے بات واضح ہونے کے بجائے اور گنجلک ہو جاتی ہے۔

(۳) درجے کے سامنے سلیقے سے پیش کی جائیں تاکہ ہر بچہ بخوبی دیکھ سکے۔ قابل توجہ پہلوؤں کی طرف مناسب سوالات یا ہدایات کے ذریعے سے متوجہ کیا جائے، تاکہ ضروری امور مشاہدے سے نہ رہ جائیں۔

(۴) توضیحات کے ضمن میں بچوں کو جتنے زیادہ سے زیادہ حواس سے کام لینے کا موقع دیا جا سکے اتنا ہی مفید ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھنے، چھونے، سونگھنے، چکھنے، آواز نکلتی ہو تو سننے کے مواقع۔ اس طرح زیادہ صحیح اور واضح تصور بن سکے گا۔

(۵) ابتدائی درجات میں اصل اشیا یا ان کے ماڈل دکھلائے جائیں پھر بتدریج، تصاویر نقشہ جات اور گراف وغیرہ سے کام چلایا جائے۔

(۶) تمام توضیحی سامان ایک ساتھ بچوں کے سامنے نہیں لانا چاہیے بلکہ آڑ میں رکھنا چاہیے اور حسبِ موقع وضرورت ایک ایک کو درجے کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ ورنہ بچوں کی توجہ بھٹکتی ہے اور تجسس ختم ہو جانے کے بعد وہ کشش بھی باقی نہیں رہتی جو دکھاتے وقت مطلوب ہے۔

(۷) بچوں کے سامنے پیش کر کے فوراً ہٹا نہ لیا جائے بلکہ اتنی دیر سامنے رکھا جائے کہ انہیں تسکین ہو جائے اور ضروری امور کا بخوبی مشاہدہ کریں۔

(۸) ہر مدرسے کو نقشہ جات، گلوب، ماڈل البم، مختلف قسم کے پوسٹرس، تصاویر چارٹ وغیرہ زیادہ سے زیادہ اکٹھا اور تیار کرنا چاہیے تاکہ تدریس کو مؤثر اور دلچسپ بنانے میں اساتذہ ان سے مدد لے سکیں۔ آج کل اس طرح کی متعدد فرمیں کام کر رہی ہیں جن کے یہاں سے طرح طرح کے تعلیمی سامان بہ کفایت حاصل ہو سکیں [۱]

۶۔ **تعلیمی سیر و سیاحت اور پکنک** سماجی اور فطری ماحول سے متعلق متعدد ایسے عنوانات شامل نصاب ہوتے ہیں جن کے بارے میں واضح تصورات نہ تو کتابوں کے ذریعے سے ممکن ہیں اور نہ درجے میں بٹھا کر روایتی تدریس سے، بلکہ بچوں کو خود موقع پر لے جا کر غائر مشاہدہ کرانے ہی سے صحیح معلومات بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

[۱] ایضاً

کارخانوں، منڈیوں، ندی، نالوں، فصلوں اور فطری مناظر وغیرہ کے متعلق۔ اسی طرح متعدد ایسے اجتماعی انفرادی و معاشرتی اوصاف ہیں جن کی تربیت کے فطری مواقع درجے میں ہاتھ نہیں آتے بلکہ اِن کے لیے باہر نکلنا ضروری ہوتا ہے۔

روایتی تدریس سے بچے عموماً گھبراتے اور چھٹیوں کا بے چینی سے انتظار کرتے رہتے ہیں، سیر و تفریح میں انہیں بڑا مزا آتا ہے۔ وہ پوری دلچسپی اور گہرے انہماک سے اِن میں شریک ہوتے ہیں اور اِس ضمن کی متعدد مشکلات اور پریشانیوں کو بخوبی جھیل لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعلیم و تربیت کے ایسے مفید و موثر ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش ضروری کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درجے کی فضا یہاں بھی طاری رہے بلکہ جائز حدود میں بچوں کو آزادی دلچسپی اور تفریح کی پوری گنجائش دی جائے۔

تعلیمی اغراض کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا مشاہدہ کرانا مقصود ہے بچے اس کا بخوبی مشاہدہ کرسکیں۔ اِن کی قوتِ مشاہدہ کی تربیت ہو۔ اِن کے تصورات واضح ہوں۔ معلومات میں اضافہ ہو۔ سبق کا مقصد بحسن و خوبی پورا ہو، فطری و سماجی ماحول اور اِن کی اشیاء کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کا ذوق ابھر آئے۔

تربیتی اغراض سے مراد یہ ہے کہ بچے چلنے پھرنے، کھانے پینے، ملنے جلنے کے آداب سیکھیں۔ سفر اور اُس کے انتظامات کا تجربہ حاصل کریں۔ مل بانٹ کر کھائیں پئیں، ایک دوسرے کی مدد کریں، گھر کے باہر کی محنت و مشقت کی زندگی کا تجربہ ہو اور سفر میں کھانے پینے، نماز اور آرام وغیرہ سے متعلق ضروری انتظامات کے لیے راہ پیدا کرنے کا انہیں سلیقہ آئے۔

ابتدائی درجات میں یہ پروگرام بہت لمبے نہ ہونے چاہئیں۔ چھوٹے بچوں کے لیے عام طور پر گھنٹے دو گھنٹے کے اور مدرسے سے یا آبادی کے قریب ہی، بڑے بچوں کے لیے عموماً تین چار گھنٹے اور قدرے فاصلے پر اِس طرح کے مختصر پروگرام وقفے سے متصل گھنٹوں یا آخری گھنٹوں میں ہوسکتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی دِن بھر کا پروگرام ہونا چاہیے تاکہ تعلیمی و تربیتی دونوں اغراض حاصل ہوسکیں۔ اس طرح کا پروگرام ہفتے کے آخری دِن یا چھٹیوں میں مناسب ہوتے ہیں تاکہ واپسی پر آرام کا کچھ موقع مل سکے۔

قابلِ لحاظ امور: اِن سیاحتوں سے پورا فائدہ اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے۔

(۱) طلبہ کی تعداد اتنی ہو کہ سنبھالنے میں زیادہ دشواری نہ ہو۔

(۲) روانگی سے قبل سیاحت کی غرض بچوں پر اچھی طرح واضح کردی جائے۔

(۲) سفر کا پورا خاکہ ان کے مشورے سے مرتب کیا جائے۔ ضروری سامان کی فہرست تیار کر لی جائے اور ان کی فراہمی نیز نگرانی کا کام طلبہ کی ٹولیوں سے انجام دلایا جائے۔ جس جگہ لے جانا ہو مدرس ایک بار وہاں جاکر تفصیلی معلومات خود حاصل کر آئے۔ کم سے کم وقت اور کم سے کم پیسہ خرچ کیا جائے تاکہ یہ سیاحتیں تعلیم میں خارج یا جیب پر بار نہ ہوں۔

(۴) سارے کام حتی الامکان بچوں ہی سے سرانجام دلائے جائیں۔

(۵) جائز حدود میں بچوں کو پوری آزادی دی جائے۔ ؎

۷۔ سمعی امدادیں

سمعی امدادوں میں وہ تمام تدریسی امدادیں شامل ہیں جن سے آوازیں پیدا ہوتی ہیں اور جو انسان کی قوت سماعت سے تعلق رکھتی ہیں عموماً تعلیم و تدریس کی سمعی امدادوں میں مندرجہ چیزیں شامل ہیں۔

(۱) ٹیپ ریکارڈ　　　　(۲) گراموفون

(۳) ریڈیو

ٹیپ ریکارڈر سمعی تدریسی اشیاء میں ایک مفید ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ <u>ٹیپ ریکارڈ</u>: اس کے ذریعے سے ہم زبان کے اسباق بخوبی پڑھا سکتے ہیں اور طلبہ کو مختلف لوگوں کی آوازیں سنا کر ان سے ایک طرح کی قربت پیدا کر سکتے ہیں یہ شے ہمارے تعلیمی اداروں میں معاشرتی علوم اور زبان کے اسباق میں زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈ میں پلاسٹک کا ٹیپ ہوتا ہے۔ اس میں لوگوں کی آوازیں اور باتوں کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور پھر حسب ضرورت اس ریکارڈ کی مدد سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ ہم جب چاہیں لوگوں کی آوازیں ٹیپ پر سے ختم کر دیں اور پھر اسی ٹیپ میں دوسری آوازیں اور باتوں کو شامل کریں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہم جتنی بار چاہیں لوگوں کی آوازوں کو طلبہ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اس شے کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ہم اس میں ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگراموں کو بھی ٹیپ کر سکتے ہیں اگر کوئی تعلیمی یا عملی پروگرام ریڈیو اور ٹیلیویژن سے رات کو آرہا ہے تو اس کو ٹیپ ریکارڈ میں ٹیپ کر کے صبح اور شام کو جماعتوں میں طلبہ کے سامنے سنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف اردو نظم اور معاشرتی علوم کے اسباق کامیاب بنائے جا سکتے ہیں بلکہ سائنس اور تاریخ کے اسباق کو بھی کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔

؎ ایضاً ۲۱۴ تا ۲۲۴

غرضیکہ یہ امدادی شے ایک طرف تو سبق کی تدریس میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے اور دوسری طرف طلبہ کی تحقیقی قوتوں اور دیگر فعالیتوں کو بھی بڑھاتی ہیں۔

ہمارے سکولوں میں عموماً اس سے اُردو نظم کے اسباق میں مدد لی جاتی ہے اور شعراء کے تعارف اور نظم کی بلند خوانی کو اس کے ذریعے پیش کر کے جماعت میں استحسانی فضا قائم کی جاتی ہے۔ لیکن بعض معلمین اپنی بلند خوانی سے گریز کرتے ہیں اور صرف ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے دوسروں کی بلند خوانی سنا کر سبق کا آغاز کرتے ہیں۔ شاید وہ اپنی غیر مؤثر آواز کے ماتحت ایسا کرتے ہوں یا غلط پڑھنے کا احساس ہو۔ یہ اقدام کسی صورت میں مفید نہیں کہا جا سکتا کیونکہ طلبہ کے سامنے معلم کو اپنی بلند خوانی کا نمونہ ضرور پیش کرنا چاہیے تاکہ طلبہ میں معلم کی تقلید کا جذبہ پیدا ہو جب معلم اپنی بلند خوانی کا نمونہ پیش کر چکے تو وہ پھر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے دوسروں کی بلند خوانی کو پیش کر سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ سبق کے خاتمے پر استحسان پیدا کرنے کے لیے وہ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے سے بلند خوانی کو پیش کرے۔ اس موقع پر ٹیپ ریکارڈر کی آواز بڑے لطیف جذبات پیدا کرے گی۔ کیونکہ نظم کے تمام اشعار کی تفہیم واضح ہو چکی ہوگی اور طلبہ نظم کے باریک پہلوؤں اور خوبیوں سے بھی واقف ہو گئے ہوں گے۔ جب کوئی شعر بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے تو اس کی دوبارہ بلند خوانی پر لطیف احساسات کا پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ اس لیے نظم کے خاتمے پر ٹیپ ریکارڈ کی بلند خوانی سننے کے لیے رائے دی جاتی ہے۔

۲۔ گراموفون: گراموفون کو بھی سمعی امدادی شے میں شامل کیا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال آج کل مقبول نہیں ہے۔ جب سے اِس کی جگہ ٹیپ ریکارڈر نے لی ہے۔ اس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ مغربی ملکوں میں اس کو اکثر موسیقی کے اسباق میں شامل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے لطیف احساسات اور جمالیاتی ذوق کی تربیت دی جاتی ہے اس کو عموماً رقص و سرور کے تقاضوں کی تشفی و آسودگی کے لیے استعمال کرتے ہیں ہمارے ملک پاکستان میں اس کا استعمال تعلیمی اداروں میں نہیں ہوتا ہے لیکن جب سے قومی نغموں اور ترانوں کے ریکارڈ دستیاب ہو گئے ہیں ان کو گراموفون کے ذریعے استعمال کر سکتے ہیں اور اس امدادی شے سے سبق میں اچھا تاثر پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً زبان و ادب کے اسباق اس کے ذریعے سے کامیاب بنائے جا سکتے ہیں۔ ہم طلبہ کے ڈرامائی مکالمے اور تقریریں بھی ریکارڈ میں بھر سکتے ہیں اور ان کو وقتاً فوقتاً استعمال کر کے متعلقہ امور کی آموزش دے سکتے ہیں

ہم گراموفون کے ذریعے سے زبان کے تلفظ کی ادائیگی اور نظم کی بلند خوانی کے اوصاف طلبہ کو بتا سکتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب متعلقہ نظم کا ریکارڈ تیار کر لیا ہو لیکن آج کل اس کا استعمال ہمارے سکولوں میں نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی جگہ ٹیپ ریکارڈر استعمال کر کے

سبق کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے کیونکہ ٹیپ ریکارڈرز کا استعمال بہت ہی آسان ہے اور اس کی جسامت بھی بہت ہلکی اور چھوٹی ہوتی ہے۔

ریڈیو: آج کے دور میں ریڈیو کو تعلیم و تدریس کا اہم جزو قرار دے دیا گیا ہے اور طلبہ کے لیے یہ امدادی شے بہت ہی دلچسپ اور قومی محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج دنیا کے اکثر تعلیمی اداروں میں اس کو بطور مؤثر وسیلے کے استعمال کیا جا رہا ہے، تقریباً تمام بڑے ممالک میں ریڈیو کے ذریعے سے سکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے مختلف مضامین اور موضوعات پر تقریریں، فیچر، مذاکرے اور مباحثے نشر کیے جاتے ہیں اس طرح وہ تعلیم و تدریس میں بڑی معاونت کرتے ہیں اور تعلیم بذریعہ ریڈیو کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

(۱) ریڈیو کے ذریعے سے جو مضامین پیش کیے جاتے ہیں ان میں لذتِ گویائی کی وجہ سے طلبہ زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔

(۲) ریڈیو کے ذریعے سے ہم معلومات کو بہت جلد نشر کر سکتے ہیں۔

(۳) ریڈیو اسباق میں ڈرامائی انداز پیدا کر دیتا ہے۔

(۴) ریڈیو کے ذریعے سے ہزاروں طلبہ بیک وقت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۵) تدریس اردو کے لیے ریڈیو بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ یعنی ریڈیو کے ذریعے تلفظ، الفاظ اور محاورات کے معانی و استعمال، عمدہ نظم و نثر کے نمونے، ادبا، شعرا کی سوانح حیات نہایت مؤثر طریقے سے سکھائے جا سکتے ہیں۔

لیکن اس سمعی تدریسی شے کے استعمال میں کچھ نقائص اور دشواریاں بھی پیدا ہوتی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) پہلی دشواری یہ ہے کہ اس کو حسبِ ضرورت استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر ہم چاہیں کہ اس کو اپنی پسند کے سبق میں کسی وقت استعمال کریں تو اس وقت ریڈیو پر کوئی تعلیمی پروگرام نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری خامی یہ ہے کہ اس کے استعمال کے دوران میں طلبہ غیر سرگرم رہتے ہیں ان کی عملی قوتیں نہیں بیدار ہوتیں وہ بے حس و حرکت خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔

(۳) تیسری خامی یہ ہے کہ اس کے دوران میں طلبہ اور معلم کا ربط قائم نہیں رہتا۔ معلم بھی جماعت میں خاموش رہتا ہے اور طلبہ بھی خاموش رہتے ہیں اگر پروگرام کے خاتمے کے بعد متعلقہ موضوع پر مباحثہ یا تبصرہ کیا جائے تو یہ خامی دور ہو جائے اور طلبہ کی فعالی قوتیں بھی نشوونما پائیں۔

۴۔ اس میں ایک خامی یہ بھی ہے کہ اس کو صرف ریڈیو والوں کے پروگرام کے ماتحت استعمال کیا جا سکتا۔ ہر سبق کی تدریس میں اس سے مدد نہیں لی جا سکتی۔ صرف مخصوص موضوعات جو نشر کیے جائیں ان سے متعلقہ سبق کو مربوط کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ان خامیوں کے باوجود آج بھی اس کو تعلیم و تدریس میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس سے نہ صرف تعلیم و تدریس کو موثر بنایا جا سکتا ہے بلکہ تعلیم کو پسماندہ علاقوں میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ سمعی و بصری امدادیں

سمعی و بصری امدادیں وہ تدریسی اشیاء ہیں جو قوت سماعت اور بصارت دونوں سے تعلق رکھتی ہوں۔ بالفاظ دیگر وہ اشیاء جن کو دیکھ کر اور جن کی آوازوں کو سن کر تعلیمی و تدریسی فائدہ حاصل کیا جائے۔

سمعی و بصری امدادوں میں مندرجہ ذیل دو اہم چیزوں کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) متحرک فلمیں یا تصویریں (۲) ٹیلی ویژن

متحرک تصاویر یا فلمیں: (الف) آج تعلیم و تدریس میں ان اشیاء کو استعمال کرنے پر زور دیا جا رہا ہے جو بچوں کی زندگی اور حقیقی باتوں سے ہم آہنگ ہوں جن میں طلبہ کو متاثر کرنے کی زبردست محرکاتی قوت موجود ہو۔ اس سلسلے میں سمعی و بصری امدادوں سے بڑھ کر کوئی اور تدریسی مدد کامیاب اور موثر نہیں ثابت ہوتی۔ ان سے ایک طرف طلبہ خود اپنی آنکھوں سے چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے کانوں سے اس شے کے بارے میں گفتگو تقریر اور مباحثہ و مذاکرہ وغیرہ سنتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ امدادی اشیاء چیزوں کو حقائق کی صورت میں پیش کرتی ہیں۔ اس کے استعمال سے نہ صرف تدریس خوشگوار معلوم ہوتی ہے بلکہ طلبہ بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ بچے کے نفسیاتی اور فطری تقاضوں کو آسودگی دینے میں حرکی فلمیں یا تصویریں بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ابتدائی جماعتوں کے بچوں کے لیے یہ امدادی شے نہایت موثر ثابت ہوتی ہے۔

ڈیل نے حرکی فلموں کی تدریسی افادیت میں بارہ فوائد بیان کیے ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) حرکی تصویریں تدریس میں حقیقی معنوں کا رنگ دیتی ہیں۔ ان سے سبق کامیاب اور نتیجہ خیز بنایا جا سکتا ہے۔

(۲) طلبہ کی توجہ کسی مرکز پر لائی جا سکتی ہے اور ان میں شوق و دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۳) اس کے ذریعے ماضی اور حال کے واقعات کا تجزیہ آسانی سے کرایا جا سکتا ہے۔

(۴) طلبہ کو اپنے ماحول کے بارے میں باخبر رکھا جا سکتا ہے اور تدریس کو ان کے ماحول سے وابستہ کیا جا سکتا ہے۔

(۵) اس کے ذریعے دوبارہ واقعات کو منظرِ عام پر لایا جا سکتا ہے اور جتنی بار چاہیں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۶) طلبہ اس سے خود اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ اور چیزوں کے اثرات دیکھ سکتے ہیں۔

(۷) اس شے سے طلبہ کے تجربات و شعور میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ نئی چیزوں کو اپنے سبق سے مربوط کر سکتے ہیں۔

(۸) اس کے ذریعے طلبہ کے خیالات اور جذبات بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔

(۹) اس کے ذریعے غیر واضح خیالات کی صحیح وضاحت کی جا سکتی ہے۔

(۱۰) اس کے ذریعے بچوں میں حقیقی استحسان پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(۱۱) اس سے آموزش کے اثرات پائیدار ہوتے ہیں۔

(۱۲) اس کے استعمال سے طلبہ کو سکول کی چار دیواری کے باہر سیر کرائی جاتی ہے اور دنیا کے مسائل و تعلیمی تقاضوں سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

اِن فوائد کے علاوہ حرکی فلموں کی تعلیم و تدریس میں بڑی اہمیت ہے۔ انڈرسن کا کہنا ہے کہ اگر ہم جماعت کے تدریسی کاموں کو حرکی فلموں سے وابستہ کریں تو اس کے ذریعے محرکات کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو طلبہ کو آموزش کی طرف لگائے رہتا ہے اور طلبہ چیزوں کو اپنی کانوں اور آنکھوں سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس طرح اِن کے حافظے میں مشاہدے اور تجربات کے ذریعے علم پائیدار رہتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حرکی فلمیں ٹیلیویژن سے زیادہ تعلیم و تدریس میں زیادہ کامیاب اور مؤثر ثابت ہوتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

حرکی فلموں کے ذریعے ہم جب چاہیں سبق کی باتیں بتا سکتے ہیں اور جس مضمون کی آموزش دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ جب کہ ٹیلیویژن میں صرف مخصوص وقت پر پروگرام نشر کیا جاتا ہے اس لیے اس کا استعمال مخصوص وقت میں ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو عمومی استعمال کا رنگ نہیں دے سکتے۔

حرکی تصویریں طلبہ کے خیالات اور رجحانات کو بڑی حد تک بدلنے میں کامیاب ہوتی ہیں اور ان میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ یہی تبدیلی آموزش ہے جو پائیدار اثرات کی حامل ہوگی۔

ایلین کے نزدیک اگر حرکی فلمیں بچوں کے رجحانات سے وابستہ ہو کر استعمال کی جائیں تو یہ امدادی شے ان کے رجحانات کو بدل سکتی ہے۔

حرکی فلموں کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایڈگر ڈیل نے اس کے استعمال کے معیار و اصول کی وضاحت کی ہے ہمیں ان اصولوں کا خیال رکھتے ہوئے تدریس میں حرکی فلموں کا استعمال کرنا چاہیے۔ حرکی فلم کے استعمال کے بہتر اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فلم سبق سے مربوط ہو اور تعلیمی ہو۔ غیر تعلیمی فلموں کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اسکول کی چار دیواری میں دکھائی جائے۔

(۲) فلم دکھانے سے پہلے اس کی افادیت اور نفسِ مضمون کی وضاحت کر دی جائے تاکہ فلم کے دوران طلبہ کسی دشواری کا سامنا نہ کریں اور وہ سبق سے وابستہ رہیں۔

(۳) وہ سبق کے خصوصی مقاصد کی حامل ہو۔ بعض تعلیمی فلمیں تو ہوتی ہیں لیکن سبق کے مقاصد خصوصی سے عاری ہوتی ہیں۔ معلم و طلبہ زبردستی اس کو اپنے سبق سے مربوط کرتے ہیں ایسا عمل مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ فلم اگر سبق کے مقاصد کی حامل ہوگی تو طلبہ اس کو سبق کا اہم جزو سمجھیں گے۔

(۴) وہ طلبہ کی عمر، ذہنی صلاحیت اور معیار کے مطابق ہو۔

(۵) وہ زیادہ طویل نہ ہو کہ طلبہ پر ناگوار اثر پڑے اور وہ سبق میں عدم دلچسپی کا اظہار کریں، فلم مخصوص کمرے میں دکھائی جائے۔

(۶) فلم کے دوران میں معلم حسب ضرورت نفسِ مضمون کی وضاحت کرے۔

(۷) وہ فلم طلبہ کی زندگی یا ماحول سے وابستہ ہو تاکہ طلبہ کو اپنے ماحول کے مسائل اور چیزوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس میں طلبہ کے ماحول اور معاشرتی اقدار کے مثبت پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

(۸) وہ رنگین اور بچوں کی دلچسپی کی حامل ہو۔

(۹) حرکی فلم کے ساتھ خاموش فلم بھی استعمال کی جائے تاکہ حرکی فلم روک کر خاموش فلم کی تصویروں پر سوالات کیے جائیں اور متعلقہ نفسِ مضمون کے اہم نکات اخذ کیے جائیں۔ دونوں فلموں کے استعمال سے بڑی شاندار کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حرکی فلم آواز کے ساتھ جاری رہتی ہے اور اس کی کمنٹری ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس وجہ سے معلم اس کے دوران میں کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تصویریں بڑی تیزی کے ساتھ پردے پر گذرتی ہیں۔ اس وجہ سے ایک شئے

کی جھلک دکھا کر اس کی تفہیم دینا مشکل مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو خاموش فلموں کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) حرکی فلم کے خاتمے پر سبق سے متعلقہ باتوں کو تختۂ سیاہ پر تحریر کیا جائے اور یہ عمل طلبہ کے تعاون سے اور سوالوں کے ذریعے ہونا چاہیے۔

ب۔ **ٹیلیویژن:** ٹیلی ویژن ایک ایسی امدادی شے ہے۔ جو طلبہ کی قوت سماعت اور بصارت دونوں سے تعلق رکھتی ہے اور دونوں قوتوں کو فروغ دیتی ہے۔ تعلیم میں ٹیلی ویژن کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ طلبہ اس کے ذریعے تعلیم و تدریس دی جا سکتی ہے۔

(۲) اس کے لیے ایک تجربہ کار اور تربیت یافتہ معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے طلبہ اس کے ذریعے تربیت یافتہ اور لائق و فائق معلم سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

(۳) اس سے طلبہ کی زندگی اور ماحول سے سبق کو مطابقت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے سبق زیادہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

(۴) اس سے طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں کو آسودگی ملتی ہے اور وہ تدریس میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

(۵) اس سے طلبہ کی قوت سماعت اور بصارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ان کے ذریعے سبق زیادہ پائیدار اثرات کا حامل ہوتا ہے۔

(۶) اس کے ذریعہ طلبہ کو غیر ملکی حالات، واقعات اور لوگوں سے چلتے پھرتے اور بولتے ہوئے متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اپنے ملکی واقعات اور مشہور لوگوں کے بارے میں مؤثر معلومات حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۷) اس کے ذریعے غیر واضح خیالات اور موضوعات کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور طلبہ کے تجربات و مشاہدات میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

(۸) اس کے ذریعے طلبہ کی تخلیقی صلاحیتیں اور استحسانی ذوق کی تربیت ہوتی ہے۔

۹۔ کمپیوٹر

کمپیوٹر کی مدد سے تدریس کی تکنیک کا بنیادی مقصد ہر طالب علم کو انفرادی تدریسی ماحول مہیا کرنا ہوتا ہے۔ طالب علم مختلف الیکٹرانی کل پرزوں کے استعمال سے کمپیوٹر کے

تدریسی پروگراموں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ تدریس کے دوران میں طالب علم جس ڈیسک پر بیٹھتا ہے وہ بجلی سے چلنے والی ٹائپ مشین کے مشابہ ہوتا ہے۔ جس میں مختلف امور کی انجام دہی کے لیے چھوٹے چھوٹے کل پرزے لگے ہوتے ہیں۔ تدریسی پروگرام کو استعمال کرنے کے لیے ان ہی کل پرزوں کو حرکت دینا پڑتی ہے۔ یہ کل پرزے حروف یا اعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ فاضل معلومات کے حصول کے لیے فاضل کل پرزے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ بعض انتظامات کے ماتحت سمعی فون بھی مہیا کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے کمپیوٹر کنٹرول کے ماتحت طلبہ کو سمعی پیغامات بھی دیے جاتے ہیں۔

اس تدریسی تکنیک کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بیک وقت بہت سے طلبہ کی کی آموزش ممکن ہوتی ہے۔ خواہ وہ نصابی سرگرمیوں کی تکمیل کے سوا کسی مرحلے ہی میں کیوں نہ ہوں۔ کمپیوٹر کی معاونت سے تدریس مندرجہ ذیل خوبیوں کی حامل ہوتی ہے۔

۱۔ طلبہ عام طور پر وہ سب کچھ سیکھ جاتے ہیں جن کو سیکھنے کے لیے روایتی طریقے درکار ہوتے ہیں۔

۲۔ کمپیوٹر پروگرام کورسز کے وسیع سلسلے کے لیے تیار کیے جا سکتے ہیں۔

۳۔ طلبہ عام طور پر اس طریق کار میں دلچسپی لیتے ہیں۔

اس طریق کار میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل خامیاں بھی ہیں۔

۱۔ ایسا طریقہ کار کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے خاصا مہنگا ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ اس کے لیے اچھے تدریسی پروگرام کی تیاری خاصا مشکل کام ہے۔

مذکو بالا خامیوں کے باوجود کمپیوٹر کی معاونت سے تدریس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے[1]

۱۰۔ ہوم ورک

لکھنے پڑھنے یا عملی واخلاقی تربیت سے متعلق وہ کام جو طلبہ کو گھر پر کرنے کے لیے دیا جاتا ہے، ہوم ورک کہلاتا ہے۔

بچوں میں اپنے قد کے لحاظ سے کافی توانائی ہوتی ہے وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی مصروفیت چاہتے ہیں، چونکہ مدرسے میں وہ صرف چند گھنٹے گزارتے ہیں۔ گھریلو ذمہ داریاں بھی ان پر برائے نام ہی ڈالی جاتی ہیں۔ اس لیے ان کے پاس فاضل توانائی بھی ہوتی ہے اور فرصت کے

[1] ایضاً

لمحات بھی لیکن مناسب رہنمائی اور مفید مصروفیات نہ ہونے کی صورت میں اکثر ان کی قوتیں غلط رُخ پر پڑ جاتی ہیں اور بیش قیمت لمحات فضول اور مضر کاموں میں ضائع ہونے لگتے ہیں بچوں کی فاضل توانائی اور فرصت کے اوقات کو کار آمد بنانے اور مفید کاموں میں لگانے کے لیے ہوم ورک نہایت ضروری ہے۔

ہوم ورک دینے کا عام طور پہ جو رواج چلا آرہا ہے وہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے، الفاظ معنی یاد کرنے، انشاء و ترجمہ اور قواعد کی مشقیں جو خشک کام دن بھر مدرسے میں ہوتا ہے اس کا باقی ماندہ حصہ گھر سے پورا کر کے لانے کے لیے دے دیا جاتا ہے۔ اسے مکمل کرنے کی ذمہ داری سرپرست کی سمجھی جاتی ہے چنانچہ وہ طلبہ بڑے سعادت مند کہلاتے ہیں جو بر وقت کام کر لاتے ہیں اور وہ سرپرست بڑے اچھے سمجھے جاتے ہیں جو اس ضمن میں پورا تعاون کرتے ہیں خواہ اس کے لیے انہیں ٹیوٹر ہی کیوں نہ رکھنا پڑے۔ اس کے برعکس اِن طلبہ کو سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے جو ہوم ورک پورا نہیں کرتے اور اِن سرپرستوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے جو کام پورا کرنے کا معقول بندوبست نہیں کرتے ہوم ورک کے اس روایتی انداز میں متعدد خرابیاں ہیں اس لیے اس پر سخت تنقید کی جاتی ہے مثلاً،

(۱) بچوں پر کام کا بہت زیادہ بار پڑ جاتا ہے جس سے اِن کی صحت متاثر ہوتی ہے۔

(۲) جو کام بچے دن بھر سکولوں میں کرتے ہیں اور جن سے وہ اکتا ہو چکے ہوتے ہیں وہی کام جب اِن پر لاد دیا جاتا ہے تو وہ اُسے بیگار سمجھتے ہیں اور اُسے خوشی سے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے چنانچہ ہوم ورک پورا کرنے کے لیے انہیں اکثر سزا دینی پڑتی ہے جس کے نتیجے میں بچے تعلیم ہی سے بھاگنے لگتے ہیں۔

(۳) آزادی کے ساتھ اپنی دلچسپی کے مشاغل و مصروفیات میں حصہ لینے کا بچوں کو وقت ہی نہیں ملتا۔

(۴) بچوں کی گھریلو زندگی تباہ ہو جاتی ہے وہ بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلنے کودنے اور پیار محبت سے رہنے سہنے، گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے، والدین کی خدمت کرنے اور معاشرتی روابط قائم کرنے کے لیے وقت ہی نہیں پاتے حالانکہ یہ تمام چیزیں بھی اِن کی تعلیم و تربیت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

(۵) کتنے بچے ایسے ہوتے ہیں جن کے گھریلو حالات اس طرح کے کاموں کی اجازت نہیں دیتے یا وہ اپنے طور پر کر ہی نہیں سکتے۔ وہ سزا کے ڈر سے دوسروں کی نقل کرنے اور معلم کو دھوکا دینے کی عادت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۶) معلم اپنی ذمہ داری سے بچتے، کتراتے اور اُسے زبردستی سرپرستوں پر ڈالتے ہیں اور

اس ضمن میں طلبہ کو پریشان کرتے ہیں ۔

لیکن مذکورہ اعتراضات دراصل ہوم ورک کی نوعیت ، مقدار اور

اہمیت و افادیت: اس ضمن میں معلّم کے رویے پر ہیں۔ اگر اِن کا ازالہ ہو جائے تو ہوم ورک کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ ہوم ورک اگر سلیقے سے دیا جائے اور سہولت سے جانچا جائے تو یہ تعلیم کا بہت ہی مؤثر ذریعہ ہے اور اس سے مندرجہ ذیل فوائد متوقع ہیں۔

(۱) بچے فرصت کے اوقات کو آوارہ گردی یا شرارت میں ضائع کرنے کی بجائے گھر ہی پر مفید کاموں میں صرف کرتے ہیں ۔

(۲) کسی کی مدد یا مداخلت کے بغیر خود خاکہ بنا کر کام سرانجام دینے کا انہیں سلیقہ آتا ہے اور آزاد مطالعے کی عادت پڑتی ہے ۔

(۳) درجے میں کیے ہوئے کاموں میں مشق و مہارت حاصل کرنے اور پڑھے ہوئے مواد کو برتنے یا اس کا اعادہ کرنے کا موقع ملتا ہے ۔

(۴) غیر نصابی مصروفیات و مشاغل جو نصاب ہی کا اہم جز شمار ہوتے ہیں اِن کی تکمیل میں مدد ملتی ہے ۔ نیز جس مضمون یا مشغلے سے انہیں زیادہ لگاؤ ہوتا ہے اِس پر مزید توجہ صرف کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے ۔

(۵) بعض ایسے کام جو بچے عام طور پر کر سکتے ہیں اِن میں معلم کا وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے چنانچہ وہ اس بچے ہوئے وقت کو تدریس کے دوسرے کاموں پر صرف کر سکتا ہے ۔

(۶) نصابِ تعلیم جو معاشرے کی پیچیدگی اور وسعت میں اضافے کے ساتھ دِن بدن پھیلتا جا رہا ہے اِس کی تکمیل ہوم ورک کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۷) سرپرستوں کو اپنے بچوں کی رفتارِ ترقی کا اندازہ ہو سکے گا اور وہ معلم کے تعاون اور مشورے سے مناسب اقدام کر سکیں گے ۔ اس طرح ہوم ورک سرپرستوں سے روابط کے قیام اور گھر اور مدرسے میں تعاون کا ذریعہ بن سکتا ہے ۔

(۸) بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور وہ اپنی معلومات نیز مشق و مہارت میں اضافے کے لیے پابندی سے محنت و مشقت کرنے کے عادی بنیں گے ۔

(۹) ہوم ورک کے ذریعے سے طلبہ میں بعض ایسے مستقل ذوق پروان چڑھائے جا سکتے ہیں جن سے اِن کے لمحاتِ فرصت زندگی بھر مفید کاموں میں صرف ہو سکیں ۔

(۱) ہوم ورک دینے میں بچوں کی عمر، اِن کی ذہنی و جسمانی حالت،

قابلِ لحاظ امور: اِن کے گھریلو حالات ، اِن کی صلاحیت و استعداد اور اِن کی

دلچسپیاں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ بچوں کے کھانے کھیلنے کے دن ہوتے ہیں۔ انھیں اس کے پورے مواقع ملنے چاہئیں۔ چھ سات کی عمر تک تو انھیں کوئی ہوم ورک نہ دینا چاہیے۔ دس سال کی عمر تک بھی جو کچھ درجے میں ہو جائے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ البتہ مدرسے کے عجائب گھر کے لیے پھول پتیاں، چڑیوں کے پر، پھلوں کے بیج، گھونگھے، شیشے اور چینی کے خوبصورت ٹکڑے، ٹکٹ، تصویریں وغیرہ جمع کرنے، مشاہدات و معلومات میں اضافے کے لیے منظم پروگرام کے ماتحت سیر پر جانے، پھول بوٹے لگانے، کبوتر، بکری، خرگوش وغیرہ پالنے، کوئی ماڈل یا کسی چیز کی ڈرائنگ بنانے، گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے، والدین کی خدمت غریبوں معذوروں کی امداد، چھوٹے بہن بھائیوں کو بہلانے، مسجد کی صفائی وغیرہ کے کام دیے جا سکتے ہیں یا پڑھنے کے لیے آسان زبان میں لکھی ہوئی دلچسپ مصور کہانیاں، مشاہیر کے کارنامے، مہمات و سفر نامے اور آسان نظموں کے مجموعے وغیرہ دیے جائیں بعد کے درجات میں بھی طلبہ کی انفرادی دلچسپی، استعداد، گھریلو حالات اور گھر میں بچے کی ذمہ داریوں والدین کی مصروفیات، علالت معاشی حالت وغیرہ کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے اور اتنا ہی کام دینا چاہیے جتنا دوسروں کی مدد کے بغیر محدود وقت میں خود بآسانی سرانجام دے سکتے ہیں۔

(۲) مختلف مضامین کے اساتذہ کو مل کر ہوم ورک کا ایسا نظام مرتب کرنا چاہیے جس سے ان کے دیے ہوئے کاموں میں ہم آہنگی رہے، بچوں پر کام کا بار بھی نہ ہونے پائے اور ہر معلم اپنی باری پر ضروری ہوم ورک دے سکے۔ صدر مدرس کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے ورنہ ہر معلم اپنے ہی مضمون کا زیادہ سے زیادہ کام لینا چاہتا ہے اور بچے بلاوجہ پستے ہیں۔ نظام الاوقات کے ذریعے سے پابند کر دیا جائے کہ کوئی معلم محدود اور متعین وقت سے زیادہ کام نہ لے۔

(۳) تعطیلات اس لیے ملتی ہیں کہ بچے مدرسے کے فکروں سے آزاد کچھ دوسری نوعیت کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں لیکن اساتذہ عموماً تعطیلات میں بھی علمی انداز ہی کا بہت سا ہوم ورک دے دیتے ہیں جو بچوں کی طبیعت پر بار بھی ہوتا ہے اور دیگر دلچسپ اور ضروری مصروفیات کے باعث وہ کر بھی نہیں پاتے اور بلاوجہ سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ تعطیلات بچوں کی صحت و صفائی، جسمانی، اخلاقی، مذہبی و معاشرتی تربیت کے لیے بہت مناسب مواقع فراہم کرتی ہیں۔ اس لیے ہوم ورک ان سرگرمیوں سے مناسبت رکھنے والا ایسا ہونا چاہیے جس میں گھر کے دوسرے افراد بھی دلچسپی لے سکیں۔

(۴) خفگی کے موڈ میں یا سزا کے طور پر ہوم ورک ہرگز نہ دیا جائے اور نہ اس انداز سے کہ

سے وہ اُسے حل کر یں گے اور

کام ہونا بھی اس معیار کا چاہیے کہ بچے کوشش کر کے خود پورا کر سکیں۔ اس طرح مزید کام کے لیے ہمت بندھتی ہے۔ اگر کام اتنا مشکل ہو کہ باوجود کوشش وہ حل ہی نہ کر سکیں تو مایوسی طاری ہوگی اور مزید کام کے لیے ان کی طبیعت آمادہ نہ ہوگی

(۵) جو کام بھی دیا جائے اُس کے بارے میں یہ یقین کر لیا جائے کہ اس سے بچوں کے فرصت کے اوقات کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے کارآمد بنانے میں مدد ملے گی اور اپنے طور پر مطالعے یا کسی اور مفید مشغلے میں لمحاتِ فرصت صرف کرنے کے عادی بنیں گے۔

(۶) اصول سمجھانے اور اس کا استعمال بتانے نیز ابتدائی مشق کرانے کا کام درجے میں کرا لیا جائے پھر مزید مشق و مہارت کے لیے ایسا کام دیا جا سکتا ہے جس کو بچے اپنے طور پر محنت کر کے حل کر سکتے ہوں۔

(۷) ہوم ورک کی بروقت جانچ اور اصلاح ہونی چاہیے ورنہ بچوں کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا اور ان میں ڈھیل پیدا ہوگی۔

تحریری کام کی جانچ اور اصلاح: بچوں سے درجے میں یا گھر پر جو تحریری کام لیا جائے اس کل کی اصلاح اگرچہ مشکل کام ہے لیکن ہے نہایت ضروری کیونکہ اس طرح بچے اپنی غلطیوں سے واقف ہو کر اپنی اصلاح کر سکیں گے۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور پیش نظر رہیں۔

(i) کام کی تکمیل کے بعد جلد از جلد اصلاح کر دی جائے۔ اصلاح اگر رہنمائی کر کے خود بچے کے ذریعے سے کرائی جا سکے تو بہت اچھا ہو ورنہ حتی الامکان اس کے سامنے ہونی چاہیے۔ اس طرح بچے کی سمجھ میں اپنی غلطی بخوبی آجائے گی اور اس سے بآسانی چھٹکارا پا سکے گا۔

(ii) تحریری کام سے قبل زبانی مشق کرا لی جائے تو غلطیاں کم ہوں گی اور اصلاح میں زیادہ دشواری نہ ہوگی۔

(iii) تصحیح کے لیے علامات مقرر کر کے طلبہ کو ان سے مطلع کر دینا چاہیے۔ اس طرح وقت کم صرف ہوگا۔

(iv) مشترک غلطیوں کی اصلاح اجتماعی طور پر ہونی چاہیے تاکہ وہی بات ہر ایک کو علیحدہ نہ سمجھانی پڑے۔

(۱۷) اچھے کام پر موزوں ریمارک اور ناقص پر ضروری ہدایات دی جائیں اس سے آگے کے کام میں مدد ملے گی۔

۱۱ درسی کتب

تدریس کے کام میں موزوں درسی کتب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کی وجہ سے معلم کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اسباق کے لیے بہت زیادہ نوٹ لینے اور مشقیں تیار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کم صلاحیت کے اساتذہ بھی ان کی مدد سے کام چلا لیتے ہیں۔ مشق و اعادے کے لیے طلبہ کے پاس درسی کتب کی شکل میں پورا مواد ہر وقت موجود رہتا ہے۔

موزوں کتب کا انتخاب: بازار میں درسی کتب تو طرح طرح کی ملتی ہیں لیکن مختلف حیثیتوں سے موزوں ان میں بہت کم ہی ہوتی ہیں۔ بچوں کے لیے وہی کتب منتخب کی جائیں۔

(۱) جو تعصب و تنگ نظری اور کفر و شرک سے پاک ہوں۔

(۲) جن سے اعلیٰ نصب العین اور پاکیزہ نظریہ حیات بنانے، سیرت کو سنوارنے اور خیالات کو بلند کرنے میں مدد ملے۔

(۳) جن کی زبان سلیس و بامحاورہ، طرز بیان شگفتہ اور بچوں کے لیے دلچسپ اور قابل فہم ہو۔

(۴) جو بچوں کی عمر، نفسی کیفیات، میلانات و رجحانات اور فطری دلچسپیوں کو ملحوظ رکھ کر لکھی گئی ہوں۔

(۵) جن کا کاغذ مضبوط، ٹائیٹل جاذب نظر، طباعت صاف اور صحیح، حروف واضح اور جلی، کم قیمت اور سائز و حجم اتنا ہو کہ بچوں کو مدرسہ لانے لے جانے میں زحمت نہ ہو اور جو آسانی سے دستیاب ہو سکیں۔

(۶) جو نصاب میں منظور شدہ عنوانات پر حتیٰ الامکان حاوی ہوں تاکہ باہر سے مدد لینے کی کم ہی ضرورت پڑے۔

(۷) جو خوش رنگ مناظر اور ضروری اشکال اور خاکوں وغیرہ سے مزین ہوں۔

(۸) جو موزوں مشقوں اور طریق تعلیم وغیرہ سے متعلق ضروری ہدایات سے بھرپور ہوں۔

(۹) جن کی تیاری میں حالات و ضروریات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہو اور جن کا مواد بچوں کے تجربات و مشاہدات اور روزمرہ زندگی سے متعلق اور مربوط کر کے پیش کیا گیا ہو۔

(۱۰) جن کے اسباق بچوں کا تجسس ابھارنے انہیں پڑھنے پر آمادہ کرنے، ان کی توجہ کو کھینچنے اور

ان کی دلچسپی کو برقرار رکھنے میں معاون ہوں ۔

درسی کتب کا استعمال:- (۱) صرف درسی کتب پڑھا دینے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ضروری معلومات اپنی طرف سے بھی فراہم کی جائیں ۔

(۲) ہر کتاب کے تمام اسباق یکساں ضروری اور مفید نہیں ہوتے اس لیے پوری کتاب سبقاً سبقاً پڑھانے اور رٹوانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ بعض خود سمجھ میں آنے والے، غیر ضروری یا کم مفید اسباق حذف کرکے اِن کی جگہ علیحدہ سے ضروری مواد فراہم کیا جائے اور بعض آسان اسباق کا کچھ جز پڑھا کر باقی طلبہ پر چھوڑ دیا جائے ۔

(۳) مشقیں اور طریق تعلیم سے متعلق ہدایات عموماً درسی کتب کی جان ہوتی ہیں لیکن بہت کم اساتذہ اِن سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض تو انہیں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اِن سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور انہیں زبانی یا تحریری طور پر حل کرانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے ۔

(۴) پڑھاتے وقت اپنی طرف سے بھی سوالات اور مشقیں دے کر بچوں کو طبع آزمائی کا موقع دینا چاہیے ۔

(۵) کوشش کی جائے کہ کم سے کم درسی کتب سے کام چل جائے ۔

(۶) جغرافیہ، عام سائنس اور دیگر معلوماتی مضامین کی تدریس میں درسی کتب کے ساتھ مشاہدہ اور تجربے پر پوری توجہ دی جائے[1] ۔

۱۲- لائبریری اور دار المطالعہ

درسی کتب خواہ کتنی ہی معیاری اور مفید نہ ہوں ۔ بچوں کی معلومات میں وسعت، ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ، مطالعے کی سکت، کتب بینی کا ذوق، خیالات کی بلندی، آدرش کی لگن، اظہار خیال پر قدرت، دوسروں کے خیالات و نظریات سمجھنے کی صلاحیت اور فرصت کے اوقات کے مناسب استعمال کے لیے مزید موزوں کتب اخبارات و رسائل وغیرہ کا مطالعہ ضروری ہے ۔

خود اساتذہ کو بھی اپنی تدریسی صلاحیت بڑھانے، اپنی معلومات کو اپ ٹو ڈیٹ رکھنے، توضیح و تشریح میں مدد لینے نیز حوالہ جات کے لیے کتب و رسائل کی ضرورت پڑتی ہے ۔ ظاہر ہے طلبہ اور اساتذہ کی اِن ضروریات کی تکمیل کے لیے ہر مدرسے کی اپنی لائبریری ہونی چاہیے ۔ لائبریری میں اساتذہ اور ہر عمر، ذوق اور صلاحیت کے بچوں کے لیے مفید اور ضروری کتب کا

[1] ایضاً

ذخیرہ ہو جس میں سال بسال اپنی بساط کے مطابق نئی کتب کا اضافہ ہوتا رہے۔ لائبریری کے ساتھ ایک دارالمطالعہ بھی ضروری ہے جس میں بچوں اور بڑوں کی دلچسپی کے اچھے اخبارات و رسائل رکھے جائیں۔ اگر وسائل محدود ہوں تو کتب اور رسائل کی فراہمی میں پبلک سے تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جو صاحب ذوق اخبارات و رسائل منگاتے یا کتابیں خریدتے ہیں ان سے یہ چیزیں مدرسے کے لیے عاریتہً لی جا سکتی ہیں یا ان میں سے جو چیزیں پڑھنے کے بعد عموماً بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ ادھر اُدھر ڈال دیتے ہیں، انہیں مدرسہ مستقلاً حاصل کر سکتا ہے۔ بعض گھروں میں پرانی معیاری کتب کا ذخیرہ پڑا پڑا دیمکوں کی نظر ہو جاتا ہے یا بچوں کی پڑھی ہوئی کتابیں ماری ماری پھرتی ہیں، اگر فکر کی جائے تو مفت یا کم داموں پر مدرسے کے لیے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اخبارات و رسائل اور کتابوں کے ناشرین یوں بھی سکولوں اور لائبریریوں کے لیے خصوصی رعایت کرتے ہیں اس سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بحالت مجبوری اگر فیس یا فنڈ کا انتظام کرنا پڑے تو بھی لائبریری کی ضرورت و افادیت کے پیش نظر اس سے گریز نہ کرنا چاہیے۔

انتخاب ـــ طباعت کی سہولتوں اور تعلیم کی توسیع کے باعث بُری بھلی ہر طرح کی کتابیں چھپتی اور مفید مضر ہر طرح کے اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں اس لیے ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مدرسے میں وہی چیزیں آنی چاہئیں جو پاکیزہ معیاری اور مفید ہوں۔ ان کا انتخاب کسی ایک فرد پر نہیں ڈالنا چاہیے بلکہ مطالعے کا ذوق اور انتخاب کی صلاحیت رکھنے والے مختلف اساتذہ کے مشورے سے ہونا چاہیے۔

انتخاب میں مختلف عمر، ذوق اور صلاحیت کے طلبہ کی دلچسپیاں اور ضروریات نیز مختلف مضامین پیش نظر رہنے چاہئیں۔ بڑے بڑے مکتبوں یا پبلشروں کی طرف سے سال بہ سال کتابوں کی مفصل فہرست شائع ہوتی ہے۔ انتخاب میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

لائبریری میں سبق آموز قصے کہانیوں اور پاکیزہ افسانوں اور نظموں کے مجموعے، تاریخی و اصلاحی ناول و ڈرامے، انبیائے و صلحائے اُمت کی سیرتیں، مشاہیر کے کارنامے، ایجادات و اکتشافات کی داستانیں، سیاحوں کے سفرنامے، اسلامیات، ادب، جغرافیہ، تاریخ، سائنس معلومات عامہ، صنعت و حرفت وغیرہ پر چھوٹی بڑی مختلف معیار کی کتابیں ہونی چاہیں۔ اساتذہ کے لیے مختلف زبانوں کی لغات، حوالہ جاتی کتب، بچوں کی نفسیات اور تعلیم پر کتابیں، انسائیکلوپیڈیا وغیرہ فراہم کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

سات آٹھ سال تک کی عمر کے بچے چونکہ روانی کے ساتھ پڑھ اور سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے ان کے واسطے تصویروں کی کتابیں یا آسان زبان اور موٹے خط میں چھپی ہوئی دلچسپ مختصر

کہانیوں اور چھوٹی بحر میں بیانیہ نظموں کی ایسی کتابیں موزوں رہتی ہیں جن میں کافی تصویریں ہوں۔ تصویریں حتی الامکان بڑی اور خوش رنگ ہونی چاہئیں۔

آٹھ نو سال سے گیارہ بارہ سال تک کے بچوں کے لیے قصے کہانیوں، ایجادات و اختراعات، سیر و شکار وغیرہ سے متعلق واقعات پر مشتمل آسان، دلچسپ اور مصور کتابیں اور سفر نامے وغیرہ مناسب ہوتے ہیں۔

بارہ تیرہ سال سے سترہ اٹھارہ سال کی عمر تک کے طلبہ مہماتی داستانوں، مشاہیر کے کارناموں بلند کرداری شخصیتوں کے سوانح، پاکیزہ افسانوں، تاریخی و اصلاحی ناولوں، جوشیلی نظموں اور جذبات لطیف کی نشو و نما کے لیے ادب کے پاکیزہ شہ پاروں سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کتب کے انتخاب میں ان سب کے ذوق کی رعایت رکھنی چاہیے

قابلِ لحاظ امور: (۱) لائبریری اور دارالمطالعے کے لیے ایک کمرہ مخصوص ہونا چاہیے جس میں کتابوں کو حفاظت، ترتیب اور سلیقے سے رکھنے کے لیے الماریاں ہونی چاہئیں اور جس کی دیواریں مقولوں اور خوش رنگ پوسٹروں سے آراستہ کی جانی چاہئیں۔

(۲) کتابوں کے شوقین کسی ایسے استاد کو لائبریرین بنانا چاہیے جو اس ضمن میں کافی وقت دے سکے اور کتابوں کو حفاظت ترتیب اور سلیقے سے رکھنا جانتا ہو۔

(۳) لائبریرین کو چاہیے کہ وہ ہر کتاب کے بارے میں علم رکھے کہ وہ کہاں ہے؟ کس مضمون سے متعلق ہے اور کن کے لیے مفید ہے۔ کتب کے اجرا کے لیے ہر درجے کا دن اور وقت مقرر کر دے۔ بچے جب کتاب لینے آئیں تو خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ان کی عمر، لیاقت، پسند اور ضرورت کے مطابق موزوں کتب کی نشاندہی کرے۔

(۴) بچوں کو تربیت دی جائے کہ وہ لائبریری کی کتابوں کو امانت سمجھیں، حفاظت سے رکھیں، گندہ ہونے، مڑنے اور پھٹنے سے بچائیں اور مقررہ وقت کے اندر واپس کریں۔

(۵) بچوں میں کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا کلاس ٹیچر کی ذمہ داری ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہر درجے کے معیار کی کچھ کتابیں منتخب کر کے درجوں میں بھی رکھوائی جائیں تاکہ ان کی مدد سے کلاس ٹیچر حضرات طلبہ میں خارجی مطالعے کا ذوق بھی پیدا کر سکیں اور حسب ضرورت و خواہش طلبہ کو ہر وقت کتابیں بھی مل سکیں۔ کلاس ٹیچر حضرات کو چاہیے کہ وہ درجے میں کبھی کبھی اچھی کتابوں کا تذکرہ کیا کریں، ان کے اقتباسات پڑھ کر سنائیں۔ ان کے مطالعے کی ضرورت و اہمیت واضح کریں اور طلبہ کو اپنے ساتھ لائبریری لے جا کر

کتابیں دیکھنے اور پسندیدہ کتابیں حاصل کرنے میں مدد اور رہنمائی کریں جو کتابیں طلبہ کو زیادہ پسند ہوں ان کے کئی نسخے ہونے چاہئیں تاکہ بیک وقت کئی بچے فائدہ اٹھاسکیں۔ ہر بچے نے تعلیمی سال کے دوران میں کتنی کتابیں پڑھیں اس کا ریکارڈ رکھنا اور مسابقت و مقابلے کی اسپرٹ پیدا کرنا بھی مطالعے کا اچھا محرک ہے۔

(۵) لائبریری سے کتابیں حاصل کرنے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانی چاہیے۔ البتہ حوالہ جاتی کتب، لغات یا نایاب اور قیمتی کتابیں کسی کو گھر لے جانے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔

(۶) رسالوں کی فائل رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ جب ضرورت ہو ان کے مفید مضامین سے استفادہ کیا جا سکے۔[1]

۱۳۔ لغت

لغت میں لفظوں کے معانی کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق دیگر بہت سی معلومات بھی درج ہوتی ہیں مثلاً الفاظ کا تلفظ کیا ہے اور یہ کہ مختلف حروف پر زیر یا زبر، پیش، مد، تشدید، جزم وغیرہ کہاں کہاں آتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی درج ہوتا ہے کہ متعلقہ لفظ کس زبان کا ہے، مونث ہے یا مذکر، جمع ہے یا واحد۔ اس کے علاوہ لغت میں ایک لفظ کے کئی اور معنی بھی دیے ہوتے ہیں جو اپنے موقع محل کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ بعض لغات میں ان کو مختلف جملوں یا شعروں میں استعمال کر کے دکھایا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والا ایک ہی لفظ کو مختلف مواقع پر صحیح استعمال کر سکے۔

اس لیے تدریسِ اردو کے معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ لغت کے استعمال کے تمام طریقے طلبہ کو سکھائے نیز مقررونی طریقہ استعمال میں لاتے ہوئے نہ صرف مختلف قسم کے لغات جماعت میں دکھائے بلکہ ان کی مدد سے لغت کے استعمال کے طریقے ذہن نشین کرائے۔ اس کے بعد اس کی مشق کرائی جائے۔ علاوہ ازیں گاہے بگاہے طلبہ سے لغت بینی پر سوالات بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ طلبہ اس بنیادی اہمیت کے کام کو فراموش نہ کر سکیں۔

---

[1] ایضاً

باب ۷

سبق کی تنظیم

مضامین اور موضوعات کی نوعیت کے لحاظ سے اسباق مختلف قسموں پر محیط ہے۔ ہر مخصوص سبق مخصوص نوعیت اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے تدریسی اصول وتدابیر بھی مختلف ہوتے ہیں بعض مضمون ایسے ہوتے ہیں جن میں اسباق کئی شکلوں میں نظر آتے ہیں لیکن عام طور پر سبق کی تین قسمیں واضح کی جاتی ہیں۔

(۱) معلوماتی سبق (۲) مہارتی سبق

(۳) استحسانی سبق

معلوماتی سبق : جن کا مقصود بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔

مہارتی سبق : جن کا مقصود کسی فن میں مہارت پیدا کرنا ہوتا ہے۔

استحسانی سبق : جن کا مقصود حسن و قبح اور بھلائی کی پرکھ پیدا کرنا یا ذوق سلیم اور جذبات لطیف کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔

سبق کی تنظیم یا لیسن پلاننگ سبق کی تنظیم موثر تدریس کے لیے نہایت ضروری ہے کوئی تدریسی عمل اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ پہلے سے اس کی تنظیم نہ کرلی جائے کہ آیا معلم کو کیا پڑھانا ہے اور کس طرح پڑھانا ہے کن ذرائع سے تدریس کو دلچسپ اور خوشگوار بنانا ہے ان تمام باتوں کے لیے پہلے سے کوئی جامع منصوبہ تحریری طور پر بنانے کا نام سبق کی تنظیم یعنی لیسن پلاننگ ہے۔

سبق کی تنظیم بالفاظ دیگر تدریس کے بارے میں ہماری ذہنی تیاری کی تحریری یادداشت ہے جس کی مدد سے ہمیں جماعت میں تدریسی عمل کو سرانجام دینا ہے اس کی تعریف مائیکل نے اس طرح کی ہے کہ :-

"یہ آموزش کے تجربات کا ایک سلسلہ ہے جو کسی مخصوص دن ایک وقت مقررہ پر واقع ہوتا ہے۔"

سبق کی تیاری

تعلیم کی غرض و غایت۔ اصولوں اور طریقوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد استاد کے لیے سبق کی تیاری اہم درجہ رکھتی ہے اُستاد خواہ مبتدی ہو یا تجربہ کار اوسط قابلیت کا مالک ہو یا عالم فاضل اس کے لیے سبق کی تیاری فرض کا حکم رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تیاری محض مضمون پر حاوی ہونے کا نام نہیں اور نہ ہی سبق اس کے زور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں طلبہ کی شخصی قابلیت اور ان کی سلسلے وار ترقی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، یکسانیت کو دور کرنے کے لیے مصروفیتیں بدلی جاتی ہیں نئی نئی امدادیں استعمال کی جاتی ہیں۔ نئی دریافتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے پچھلی خامیاں دُور کی جاتی ہیں اور یہ سب کچھ تب ہی ہو سکتا ہے جب استاد ادنٰی سے ادنی سبق کے لیے بھی مکمل تیاری کرے۔

تیاری کی اہمیت: تیاری کے بغیر کبھی سبق کامیاب اور موثر ہو ہی نہیں سکتا۔ سبق خواہ آسان ہو یا مشکل اور درجہ خواہ اونچا ہو یا نیچا تیاری بہر حال ضروری ہے کیونکہ۔

(۱) سبق تیار کر لینے سے استاد کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔
(۲) وہ طلبہ کے سامنے اپنی بات پورے وثوق اور اعتماد و سلیقے سے رکھتا ہے۔
(۳) تدریس کا موزوں ترین طریقہ اختیار کرتا ہے چنانچہ طلبہ کو کماحقہ فائدہ پہنچتا ہے۔
(۴) طلبہ کو بخوبی مطمئن کر سکتا ہے۔

بعض پرانے اور تجربہ کار اساتذہ اس زعم میں بغیر تیاری کے سبق پڑھانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ سبق تو ہمارا پہلے کا پڑھایا ہوا ہے۔ اس کی تیاری کی اب کیا ضرورت ہے لیکن یہ اُن کی زبردست بھول ہے۔ تجربہ بلاشبہ کامیاب تدریس میں بڑا معاون ہوتا ہے لیکن تیاری سے بالکلیہ بے نیاز نہیں کر سکتا کیونکہ ہر سال درجے میں جو نئے طلبہ آتے ہیں، ان کی لیاقت سابقہ پچھلے برسوں کے طلبہ سے مختلف ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات سبق کا پورا ڈھانچہ بدل دینا پڑتا ہے۔ سابقہ طریقہ تعلیم بھی کام نہیں دیتا۔ تمہید اور موزوں سوالات بالکل نئے سوچنے پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی بھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ معلم کو ہر وقت ضروری مواد ازبر رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سبق کا کچھ جز و ذہن سے محو ہو گیا ہو پھر تو درجے کے سامنے بڑی بکی ہو گی۔ اس لیے تیاری بہر حال استاد کے لیے ناگزیر ہے۔

تیاری کے اصول: سبق کی تیاری میں ہر بار اُستاد کو اصول تعلیم پر نظر دوڑانی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناسب تیاری اُستاد کی کامیابی کی ضمانت

سمجھی جاتی ہے جوں جوں استاد کا تجربہ بڑھتا جاتا ہے۔ تیاری میں اُس کی مہارت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر استاد کی تیاری فقط یہ ہو کہ اُسے کل کون سا سبق پڑھانا ہے۔ اس میں کیا کیا امدادیں درکار ہیں اور کیا کیا سوالات کیے جائیں گے تو حقیقت میں یہ تیاری نہیں بلکہ کل کے کام کی یادداشت ہے۔ حقیقی تیاری تو وہ ہے جس میں پچھلے سبقوں کی سی یک رنگی نہ ہو بلکہ ایسی ترقی نظر آئے جسے استاد کی تخلیق اور جدت کا نتیجہ سمجھا جائے۔

سبق کی تیاری میں مندرجہ ذیل اصول سامنے رکھنے چاہییں۔

۱. **مقصد:** استاد کو سبق پڑھانے سے پہلے یہ طے کرنا چاہیے کہ اُسے کون سا موضوع پڑھانا ہے اس موضوع سے کیا کیا نتائج برآمد کرنے ہیں اور وہ نتائج طلبہ کی مجموعی تعلیم میں کیا اضافہ کریں گے۔ مقصد مقرر کرنے سے سبقوں کے کئی الجھاؤ دور ہو جاتے ہیں۔

۲. **ترتیب:** حقیقی نتائج حاصل کرنے کے لیے بامعنی تعلیم کی ترتیب بھی بامعنی ہونی چاہیے۔ یعنی اُستاد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ سبق اصول تعلیم کے لحاظ سے ترتیب وار ہیں یا نہیں۔ موضوع کا کس قدر حصہ کلاس کے مطابق ہے۔ تجویز کردہ ترتیب سے مضمون اور تعلیم دونوں میں کیا ترقی ہوگی۔

۳. **انتخاب:** سبق کے لیے مناسب مواد کا انتخاب ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔ استاد کو چاہیے کہ اپنے سبق کے لیے ایسا مواد چنے جو مفید ہو، طلبہ کے فطری مشغلوں اور ذہنی سطح کے مطابق ہو۔ اساتذہ کو علم فروشی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ موضوع کے انتخاب کے ساتھ موزوں زبان، الفاظ اور تشریحات کا بھی انتخاب کرنا چاہیے۔ انتخاب میں ہمیشہ "آسان زبان" کا سنہری اصول مدنظر رکھنا چاہیے۔

۴. **تقسیم:** یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ جب بھی کسی شخص کو کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ اُسے قبول تو سالم مسئلے کی طرح کرتا ہے لیکن حل کرنے میں اس کے حصے اور طریق کار کی منزلیں مقرر کر دیتا ہے سبق کی تیاری بھی اسی اصول پر ہونی چاہیے البتہ اس بات کا خیال ضروری ہے کہ جس موضوع کے جو حصے مقرر کیے جائیں وہ منطقی طور پر سالم وحدتیں ہوں۔ یعنی اُن کا آپس میں بامعنی تعلق قائم ہو تاکہ موضوع غلط ملط نہ ہو جائے۔

۵. **مصروفیت:** تعلیم کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ سبق کے دوران میں استاد کی پڑھائی کے نتیجے میں طالب علم ذہنی یا جسمانی طور پر مصروف رہیں، اگر کسی موضوع پر فقط استاد ہی بولتا رہے اور طالب علم چپ چاپ سنتے رہیں تو ایسی صورت اصولِ تعلیم کے خلاف ہے۔

استاد اپنی تیاری میں پہلے اس بات کا اندازہ کرے کہ اس کی پڑھائی کے جواب میں کس کس موقع پر طلبہ کس طرح مصروف رہیں گے۔ ایسی مصروفیت تعلیمی ترقی کا باعث ہے یا نہیں۔

۶۔ **دلچسپی:** تعلیم کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ طلبہ پڑھنے پر آمادہ ہوں۔ اگر طلبہ بددل ہوں یا اکتاہٹ محسوس کرتے ہوں تو ان کے سامنے علم کے کتنے ہی خزانوں کے ڈھیر کیوں نہ لگا دیئے جائیں۔ انہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ گھوڑے کو کھینچ کر تالاب کے کنارے پر تو لے جا سکتے ہیں لیکن اُسے پانی پینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ طالب علموں کو پڑھنے کے لیے آمادہ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے سے یہ سوچ لیا جائے کہ طلبہ میں پہلی بار پڑھنے کی تحریک اور خواہش کس طرح پیدا کی جائے اور اس دلچسپی کو دیر تک کس طرح قائم رکھا جائے۔ دلچسپی قائم رکھنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریق امدادوں کا استعمال ہے جن کے انتخاب اور موزونیت کا فیصلہ تیاری میں کر لینا چاہیے۔

۷۔ **زندگی سے رابطہ:** طالب علموں کو طالب علمی کی وجہ سے دنیا سے الگ تھلگ نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ بچے ہوں یا بالغ، اپنی اپنی سطح پر تجربات کی بدولت زندگی سے رغبت رکھتے ہیں۔ زندگی کے ہر واقعے، ہر مسئلے اور ہر بات میں دلچسپی لیتے ہیں بلکہ وہ دل ہی دل میں ہر بات کا زندگی میں مصرف تلاش کرتے ہیں۔ معلم کو طلبہ کے اس فطری رجحان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور سبق کا زندگی سے زیادہ ربط قائم کرنا چاہیے۔

۸۔ **اجتماعیت:** آپس میں مل جل کر رہنا زندگی کا ایک فطری تقاضا ہے۔ ہمیں دنیاوی کاروبار اور ملازمتوں میں مل جل کر کام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی رجحان سکول کے طلبہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ چند تعلیمی مصروفیتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں طلبہ الگ الگ کام کرنے کی بجائے گروپوں کے رکنوں کی حیثیت میں بہتر کام کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو طالب علم طبعاً مجلس پسند واقع ہوئے ہیں۔ دوم، گروپ کے اندر اُن کے کام اور محنت کی قدر ہوتی ہے۔ قدردانی خود ایک بڑا محرک ہے۔ اس لیے خاص طور پر تعلیم بالغاں میں یہ ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو طلبہ کو مل جل کر کام کرنے کی مصروفیتوں کے مواقع دیئے جائیں۔ تقریریں۔ مباحثے ڈرامے، منصوبے، مسئلے اور تفویض یہ سب اجتماعی مصروفیتوں کی چند صورتیں ہیں۔

۹۔ **انفرادیت:** یہاں یہ بتانا نہایت ضروری ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد "فرد" کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو ابھارنا ہے۔ فرد کو اجتماعی مصروفیت کا موقع صرف اس لیے دیا جاتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اُسے جذبۂ گروہ بندی کے نکاس کا موقع ملتا رہے۔ فرد کی ترقی کا رب سے بڑا راز اس بات میں ہے کہ دنیا کا ہر فرد ذہانت۔ جذبات۔ احساسات اور قابلیت

کے لحاظ سے دوسرے افراد سے مختلف ہوتا ہے اور ہمیشہ مختلف رہتا ہے۔ اس لیے افراد میں مصنوعی یکسانیت پیدا کرنے کی بجائے ہر طالب کی شخصی خصوصیات اور صلاحیتوں کے مطابق ترقی کی راہ ہموار کی جائے۔

اس نکتہ کا منشا یہ ہے کہ استاد کلاس کو پڑھاتے وقت سبقوں کو کلاس کے اوسط طالب علموں کی قابلیت کے مطابق تیار کرے لیکن پڑھائی کے دوران میں وہ اُن طالب علموں پر ضرور نظر رکھے جو اوسط درجے سے کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔ انھیں اُنھی کی سطح پر سمجھائے اور اُنھی کی خصوصیات کے مطابق کام دے تاکہ اُن کی شخصی صلاحیتیں اور قابلیتیں اُبھر آئیں۔ اجتماعی کام دیتے وقت اس بات کا ضرور انتظام کرنا چاہیے کہ کسی طالب علم کی شخصی خصوصیتیں دب نہ جائیں۔

۱۰۔ **مضامین میں ربط:** استاد پڑھائی کے دوران میں اوّل تو مختلف مضامین کے درمیان ربط قائم کرے۔ دوم، پڑھے ہوئے سبق کا زندگی سے تعلق قائم کرے تاکہ طالب علموں کے ذہن میں تمام مضامین مل کر ایک چیز یعنی علم کی صورت اختیار کر لیں جو استاد صرف ایک ہی مضمون پڑھاتے ہیں اُنہیں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

سبق کے اشارات

سبق کے اشارات کا مدّعا یہ ہے کہ سبق ایک خاص سلیقے، ترتیب اور قاعدے سے پڑھایا جائے اور اُسے یادداشت کے لیے لکھ لیا جائے تاکہ پڑھاتے وقت اہم نکات بھولنے نہ پائیں۔ اشارات کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اگر سبق کی موجودہ ترتیب اور قاعدہ کامیاب یا ناکام ثابت ہو تو استاد کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آئندہ اُسے کیونکر بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

سبق کے اشارات کی مدد سے استاد پڑھائی کی یک رنگی کو دُور کر سکتا ہے اور اپنے فن میں درجہ بدرجہ ترقی کر سکتا ہے۔ سبق کے اشارات کی دو قسمیں ہیں

۱۔ **تفصیلی اشارات:** تفصیلی اشارات عام طور پر مبتدی استاد ٹریننگ میں تیار کرتے ہیں۔ تفصیل کا مقصد یہ نہیں کہ ہر لفظ مبتدی استاد بولے گا اُسے ضرور لکھ لیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اہم اور غیر اہم باتوں میں تمیز کرنا سیکھ جائے نیز ضروریات تعلیم کو نظر انداز نہ کرے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ اشارات استاد کی امداد اور رہنمائی کے لیے ہوتے ہیں۔ استاد کو ہمیشہ لکیر کا فقیر نہیں بننا چاہیے۔ اگر کلاس میں ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے استاد اپنے طریقے یا ترتیب میں تبدیلی کرنا چاہتا ہے تو اُسے یہ حق حاصل ہے۔

۲۔ **مختصر اشارات :** مختصر اشارات تربیت یافتہ استاد اپنے روزمرہ کام کے لیے تیار کرتے ہیں یہ اشارات تفصیلی اشارات کی نسبت کسی قدر مختصر ہونے چاہئیں لیکن اتنے مختصر بھی نہیں کہ اہم باتیں چھوٹ جائیں۔

سبق کی تیاری میں سہولت کے لیے اشارات کی ایک خاص ترتیب مقرر کر دی گئی ہے۔ اشارات خواہ تفصیلی ہوں یا مختصر دیے ہوئے خاکے کے مطابق مرتب کرنے چاہئیں۔

اشارات کا خاکہ

کلاس ۔۔۔۔۔۔۔۔ تاریخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مضمون ۔۔۔۔۔ سبق ۔۔۔۔۔۔ وقت ۔۔۔۔۔۔

سامان (طلبہ کے لیے) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

امدادیں (استاد کے لیے) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حوالہ جات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مُدعا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سابقہ واقفیت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مختصر خاکہ ــــ پہلی منزل

دوسری منزل ــــــــ

تیسری منزل ــــــــ

مشق یا تفویض ــــ

اعادہ

خلاصہ

رابطہ

اشارات کی وضاحت :

۱۔ **کلاس :** کلاس لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ استاد طالب علموں کی ذہنی سطح اور تعلیمی معیار کے مطابق تیاری کرے۔

ہونا۔ مرزا غالب کے خاص انداز کا دوسرے نامور ادیبوں سے مقابلہ کرنا۔

اگرچہ مندرجہ بالا مقاصد سبق کے اشارات میں اختصار کی وجہ سے نہیں لکھے جاتے تاہم اُستاد کے لیے ان کا جاننا اور انہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ مقاصد کسی ایک سبق سے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ آہستہ آہستہ سالہا سال کی پڑھائی کے بعد شاگردوں کی صلاحیتیں اور قابلیتیں نکھرتی ہیں۔ سبق کا مدعا مقرر کرتے وقت استاد کو سبق کی صحیح حدیں مقرر کرتے وقت استاد کو سبق کی صحیح حدیں مقرر کر لینی چاہئیں۔

۶۔ **سابقہ واقفیت**: تعلیم کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ استاد ہر نئے سبق کی بنیاد طلبہ کی سابقہ واقفیت پر رکھے اس سے اول تو تعلیم میں ربط قائم ہوتا ہے دوم طلبہ کو اس امر کا احساس کا ہوتا ہے کہ وہ مفید معلومات کے مالک ہیں اور یہ کہ ان کی معلومات کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان نکات کے علاوہ استاد کو معیار اور ترتیب کا خیال رہتا ہے۔

۷۔ **تمہید**: تمہید کے مقاصد یہ ہیں۔

(ا) سابقہ واقفیت کا نئے سبق سے تعلق قائم کرنا۔

(ب) نئے سبق کی ضرورت اور اہمیت کا احساس دلانا۔

(ج) طلبہ کو ذہنی طور پر آمادہ کرنا۔

(د) دلچسپی پیدا کر کے متوجہ کرنا۔

مندرجہ بالا مقاصد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تمہید سبق کا اہم حصہ ہے اور اس کی تیاری میں محنت کی ضرورت ہے۔ تمہید چونکہ استاد کی قابلیت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ اس لیے اس کا کوئی ایک ہی قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا البتہ بالکل سادہ تمہید عموماً پچھلے سبق کی دہرائی سے شروع ہوتی ہے۔ پھر اُستاد نئے سبق کی ضرورت کا احساس دلانے کے لیے ایک دقت پیش کر کے نئے سبق کا اعلان کرتا ہے۔

۸۔ **سبق کا مختصر خاکہ یا اجمالی خاکہ**: یہ حصہ اصل سبق پر مشتمل ہوتا ہے۔ سبق کو چونکہ ایک دو یا تین حصوں میں بانٹ کر پڑھایا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں اُن حصوں کو الگ الگ بیان کرنا چاہیے مثلاً

پہلی۔ دوسری اور تیسری منزل۔

سبق کی حصہ وار ترتیب کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو سوچ لینا چاہیے۔

۲۔ **سامان:** سامان، کے سامنے سبق سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کے استعمال کی چیزیں لکھی جائیں۔

۳۔ **تعلیمی امدادیں:** یہاں اُن امدادوں کا ذکر ضروری ہے جن کا استعمال تجویز کیا گیا ہے مثلاً تصویریں۔ فلم چارٹ۔ گراف۔ مباحثہ (بطور امدادیں) اصل اشیاء ماڈل وغیرہ۔

۴۔ **حوالہ جات:** حوالہ جات صرف اُسی صورت میں لکھنے ضروری ہیں جب استاد نصابی کتابوں کے علاوہ دوسری امدادی کتابوں، رسالوں اور اخباروں سے استفادہ کرتا ہے۔ حوالہ جات کا فائدہ یہ ہے کہ استاد کو آگے چل کر اگر یہی سبق پڑھانا پڑے تو آسانی سے مواد تلاش کر سکتا ہے۔ تربیتی درسگاہوں میں ممتحن اس سے ایک تو مبتدی استادوں کی تیاری میں محنت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ دوم، وہ سبق کے مواد کی درستی اور افادیت کی جانچ بھی کر سکتے ہیں۔

۵۔ **مدعا:** اس عنوان کے نیچے سبق کا مدعا مختصر لکھا جائے گا۔ مثلاً سبق نمبر ۳ غالب کے خطوط مدعا لکھنے کا مندرجہ بالا طریقہ اختصار اور سہولت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ استاد کو ہر سبق کی تیاری میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ مقصد طالب علموں کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو ابھارنا اور نکھارنا ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے سکول میں ایک مقررہ نظم و ضبط سے مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر مضمون اور ہر سبق تعلیم کے اعلیٰ مقصد کو پورا کرنے میں اپنا مخصوص حصہ ادا کرتا ہے۔ مثلاً اوپر لکھے ہوئے سبق میں غالب کے خطوط کو لیجیے۔ اس سبق کے پڑھانے کے تفصیلی مقاصد یہ ہیں:-

عمومی مقاصد: (ا) زبان کی ترتیب جس سے طلبہ تحریر و تقریر سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

(ب) الفاظ و تراکیب کی خوبی کا اندازہ جس سے بہ حیثیت مجموعی زبان کی خوب صورتی سمجھنے کا مذاق پیدا ہو۔

(ج) درست تلفظ، موزوں الفاظ اور آواز کا مناسب زیر و بم۔

(د) لکھنے پڑھنے اور بولنے کی درست عادت پیدا کرنا۔

(ر) زبان کو زندگی میں مؤثر طریقے سے استعمال کرنا۔

خصوصی مقاصد: (ا) مرزا غالب کے خطوط میں اس کے مکالموں کے فطری انداز کو سمجھنا اور نقل کرنا۔ (ب) روزمرہ کی فصیح زبان سیکھنا اور اس سے لطف اندوز ہونا

سے ربط قائم کرنا چاہیے۔ یہ مقصد زبانی بیان سے بھی پورا ہو سکتا ہے اور سوالات یا تفویض کی مدد سے بھی۔[1]

اشارات سبق کے بنیادی تقاضے

اشارات سبق کے بنیادی تقاضے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **معلم مضمون پر عبور رکھتا ہو:** اشاراتِ سبق کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ معلم اپنے مضمون میں وسیع معلومات رکھتا ہو تاکہ وہ کسی قسم کی سطحی یا غلط معلومات اشارات سبق میں نہ شامل کرے۔ بعض اشارات سبق معلم کی لیاقت اور صلاحیتوں کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اگر معلم نے غلط قسم کی معلومات اشارات سبق میں تحریر کی تو یہ بات اس کے پیشہ درانہ وقار کے منافی ہوگی اور جماعت میں اس کی شخصیت مجروح ہوگی۔

(۲) **بچے کو مرکز مانا جائے:** اشارات سبق کا دوسرا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ جدید تعلیمی نظریے کے تحت بچے کو مرکزی حیثیت دی جائے یعنی اشارات سبق میں بچوں کی خواہشات، میلانات اور رجحانات کو مقدم سمجھا جائے جو بھی علم دیا جائے یا علم دینے کا لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ پہلے بچے کے ذہن اور اس کی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے۔ سبق کی تیاری میں بچے کی خواہشات اور تقاضے پیشِ نظر رکھے جائیں تاکہ تدریس مؤثر ثابت ہو۔

(۳) **وقت کا لحاظ رکھا جائے:** اشاراتِ سبق کی تنظیم میں اس بات کا خیال رہے کہ تیار کردہ سبق مقررہ وقت میں ختم ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ معلم ابھی آمادگی اور اعلان سبق پر ہی ہے اور پریڈ ختم ہو گیا۔ ہم کو وقت کی مناسبت سے آمادگی کے سوالات تحریر کرنے چاہئیں اور تدریس کی دوسری باتوں کی وضاحت میں بھی وقت کا خیال رکھا جائے۔ سبق اتنا طولانی نہ بنایا جائے کہ ایک پیریڈ میں ختم نہ ہو سکے۔

(۴) **طلبہ کی فعالیت کا خیال رکھا جائے:** اشارات سبق میں طلبہ کو زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کیا جائے کہ اِن کی پوشیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں ان کو عمل و تجربات کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ ان میں ذمہ داری کا احساس پروان پائے اور انکی انفرادیت کی نشوونما ہو۔ لہذا اشاراتِ سبق طلبہ کی فعالیت اور سرگرمیوں کا بھی حامل ہو۔

(۵) **معلم طریقہ ہائے تدریس سے واقف ہو:** اشارات سبق اسی وقت بہتر اور مفید ثابت ہو سکتے ہیں جب معلم مختلف طریقہ ہائے تدریس

[1] سلیم فارانی، اردو زبان اور اس کی تدریس

(ا) سبق کس طرح پڑھایا جائے گا ۔

(ب) استاد اس میں کیا رول ادا کرے گا اور شاگرد کتنا حصہ لیں گے ۔ یاد رہے کہ بہترین پڑھائی وہ ہے جس میں شاگردوں کو زیادہ سے زیادہ ذہنی یا جسمانی مصروفیت کا موقع ملے ۔ اس لیے سبق کے خاکے میں طلبہ کے لیے جو مصروفیات تجویز کی جائیں اُن کا مختصر اور واضح ذکر کرنا چاہیے ۔ مصروفیت ایک وسیع لفظ ہے ۔ اس میں گفتگو ۔ سوال و جواب ۔ تفویض ۔ مباحثہ ۔ مشق ۔ تحریری کام وغیرہ سب باتیں شامل ہیں ۔

(ج) سبق کے کس مقام پر کون سی امداد استعمال کی جائے گی ۔

(د) طلبہ کے شخصی اوصاف کے فرق کا لحاظ رکھنے کا کیا انتظام کیا گیا ہے ۔ یعنی کمزور اور فطین طالب علموں کی ترقی کو جاری رکھنے کے لیے استاد کیا قدم اٹھائے گا ۔

(ہ) کیا کیا کام بطور تفویض کرائے جا سکتے ہیں ۔

(س) سبق کی ہر منزل کے خاتمے پر کیا کیا سوالات کیے جائیں گے ۔ یاد رہے کہ سبق کی آخری منزل کے خاتمے پر منزل کی دُہرائی کی ضرورت نہیں بلکہ اُسے پورے سبق کے اعادے میں شامل کر لینا چاہیے ۔

۹. **مشق یا تفویض** موجودہ نظام تعلیم میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ استاد ہر وقت طالب علموں کی انگلی پکڑ کر انہیں آگے چلانے کی کوشش نہ کرے بلکہ ہر سبق میں کام کا کچھ حصہ اُن کے سپرد کر کے انہیں آزادی سے پورا کرنے کا موقع دے اور خود پس منظر میں رہے ، تاوقتیکہ طالب علموں کو ایسی مشکل پیش آئے جسے وہ بغیر رہنمائی کے حل نہیں کر سکتے ۔

سبق کے اس حصے میں پڑھے ہوئے سبق کی ضرورت کے مطابق مشق بھی کرائی جاتی ہے یا معلومات کو استعمال میں لایا جاتا ہے ۔

۱۰. **اعادہ :** اس منزل میں پورے سبق کی دہرائی کے لیے جو سوالات زبانی یا تحریری کیے جاتے ہیں وہ پہلے سے سوچ کر لکھ لیے جاتے ہیں ۔

۱۱. **خلاصہ :** خلاصہ سبق کا اختتام ہے ۔ اس میں سبق کے نتائج یا فوائد کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ خلاصہ طلبہ سے نکلوایا جائے ۔

۱۲. **رابطہ :** آج کے سبق کو کل کے سبق سے مربوط کرنے کے لیے استاد کو مختصراً اگلے سبق

سے واقف ہو۔ آموزش کے مختلف محرکات اور اصولوں سے آگاہ ہو۔

(۶) **امدادی اشیا کے استعمال سے واقفیت ہو:** اشارات سبق کی تنظیم کی یہ بھی ایک شرط اور ضرورت ہے کہ معلم امدادی اشیا کے استعمال سے واقف ہو تاکہ وہ تدریس کے دوران میں اس کو استعمال کر کے تدریس کو مؤثر بنا سکے۔ جب تک اس کے بارے میں اچھی صلاحیت نہ ہوگی معلم اشارات سبق میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا اور نہ جماعت میں تدریس کے دوران میں سے پیش کر سکتا ہے۔

(۷) **سوالات کے فن سے آگاہ ہو:** اشارات سبق کی تنظیم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ معلم سوال کرنے کے فن سے آگاہ ہو۔ اگر اس کو سوال کرنے کے فن سے آگاہی نہیں ہے تو وہ نہ اشارات سبق میں بہتر سوالات مرتب کر سکتا ہے اور نہ جماعت میں تدریس کے دوران کر سکتا ہے۔ سوالات تدریس میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں اور معلم کے مؤثر سوالات پر ہی اس کی کامیابی کا انحصار ہے کیونکہ طلبہ کے بہتر جوابات معلم کی تدریسی کامیابی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

سبق کے تدریسی اقدامات

تدریس خواہ کسی مضمون کی ہو اگر اس کی پیش کش کا طریقہ مؤثر اور دلچسپ ہوگا تو وہ تدریس کامیاب ہے۔ معلم جس قدر سبق کو پیش کرنے کا طریقہ بہتر اور مؤثر بنائے گا سبق اسی قدر کامیاب ہوگا۔ اگر سبق کی پیش کش میں طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں، ان کی دلچسپیوں اور تدریس کی مؤثر تکنیکس بالفاظ دیگر فنی اصولوں کا خیال رکھا جائے تو تدریس نہ صرف کامیاب رہتی ہے بلکہ اس کے اثرات پائیدار ہوتے ہیں۔ یوں تو سبق کی پیشکش کے اقدامات ہر مضمون کے مطابق متعین کیے جاتے ہیں لیکن ہر مضمون کے سبق کے تدریسی اقدامات کو سمجھنے کے لیے خصوصاً اُردو زبان کے تدریسی اقدامات پر روشنی ڈالنے سے قبل بہتر ہے کہ یہاں سبق کی پیش کش کے اقدامات کا ذکر اسباق کی اقسام کے لحاظ سے اور ہربرٹ کے اقدام کا ذکر دیا جائے۔

معلوماتی سبق کے اقدام

معلوماتی سبق کے چار اقدام یہ ہیں۔

(۱) تیاری (۲) استحضار

(۳) تعمیم (۴) اطلاق یا اعادہ

(۱) **تیاری :** استاد کو چاہیے کہ وہ کوئی ایسا دلچسپ طریقہ اختیار کرے کہ طلبہ نئے سبق کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ سبق کسی ماڈل، تصویر یا فلم دکھا کر بھی شروع کیا جا سکتا ہے اور پچھلے سبقوں کے بارے میں سوال کر کے بھی۔ اگر سابقہ واقفیت کے جائزے کے سوالات موزوں ہوں تو نئے سبق کے اعلان اور آغاز میں سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اگر استاد سبق کی تمہید کو دلچسپ اور جاندار بنا دے تو بچے نئے سبق کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاتے ہیں اور آمادگی کی وجہ سے ان کی معلومات میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) **استحضار** استحضار کا مطلب پیش کرنا ہے۔ استاد اس مرحلے میں سبق کے مواد کو رفتہ رفتہ طلبہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ گفتگو کے دوران میں طلبہ پر نظر رکھے۔ اُسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ طلبہ دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے ہیں یا بد دلی سے بیٹھے اونگھ رہے ہیں۔ جہاں ضروری سمجھے استاد سبقی خاکے میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ جماعت کا ماحول جاندار بنانے اور طلبہ کو ذہنی طور پر اپنے ساتھ رکھنے کے لیے استاد سمعی بصری مواد کا استعمال کرتا رہے۔ بہتر ہو گا اگر اُستاد مناسب وقفوں کے بعد سوالات کی مدد سے یہ جائزہ لیتا رہے کہ طلبہ معلومات کس حد تک ذہن نشین کر رہے ہیں۔

(۳) **تعمیم :** تعمیم کے معنی کوئی عام نتیجہ یا اصول اخذ کرنا ہے۔ گرامر کے سبقوں میں تعمیم سے کام لیا جاتا ہے۔ تعمیم کا مقصد یہ ہے کہ تفصیلی معلومات کو ایک مختصر اور جامع شکل میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ یہ مختصر نتیجہ طلبہ کے ذہن میں آسانی سے محفوظ رہ سکے۔ روزمرہ زندگی سے مثالیں لے کر بار بار اسی ایک نتیجے یا اصول کو ذہن میں پختہ کیا جاتا ہے۔

(۴) **اعادہ :** جب ہم طلبہ کو معلومات دے دیتے ہیں تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سبقی مواد ان کے ذہن میں ہے یا نہیں، اس کے لیے عام طور پر اعادی سوالات سے مدد لی جاتی ہے۔ سارے پڑھائے ہوئے مواد کے بارے میں چند موزوں سوال کیے جاتے ہیں۔ اس طرح استاد کو اپنی تدریس کی تاثیر اور بچوں کو تعلیم کی نوعیت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔

مہارتی سبق کے اقدام

مہارت کے ہر سبق کے چار اقدام ہوتے ہیں۔

(۱) تیاری (۲) استحضار

(۳) مشق (۴) اطلاق

(۱) **تیاری :** تیاری کا مقصد سیکھنے کے لیے مناسب فضا پیدا کرنا ہے۔ کوئی مہارت سکھانے سے پہلے طلبہ کو اسکی ضرورت اور اہمیت کا احساس دلایا جائے۔ طلبہ پر یہ بات واضح کردی کہ جو مہارت وہ سیکھنے والے ہیں وہ ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) **استحضار :** تیاری کے بعد استحضار کا مرحلہ آتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ جو عمل سیکھا جانے والا ہے۔ پہلے اس کی زبانی تشریح کرے پھر خود عملی نمونہ پیش کرے اور طلبہ صرف مشاہدہ کریں۔

(۳) **مشق :** مشق مہارتی سبق کا اہم ترین قدم ہے۔ اس میں طلبہ دیکھی ہوئی مہارت کو خود بار بار دہراتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو مشق کے لیے ضروری سامان اور پرسکون ماحول دے۔ جماعت میں نظم و ضبط قائم رکھے۔ جب طلبہ مشق کر رہے ہوں تو ان کی انفرادی رہنمائی بھی کرے تاکہ وہ درست عادتیں سیکھیں۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ مہارت کی مشق سمجھ کر دلچسپی سے کریں۔ مشق پہلے آسان ہو اور پھر رفتہ رفتہ مشکل ہوتی جائے۔ مشق طویل نہ ہو تاکہ طلبہ کی دلچسپی قائم رہے۔

(۴) **اطلاق :** ہر مہارت کسی مقصد کے لیے سیکھی جاتی ہے۔ ایک مہارت سیکھنے کے بعد اس کی مدد سے بلند مہارت سیکھنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اسی عمل کو اطلاق کہتے ہیں۔

استحسانی سبق کے اقدام

استحسانی سبق کے چار اقدام ہیں۔

(۱) تیاری (۲) استحضار

(۳) اظہارِ خیال (۴) تخلیقی مشق

(۱) **تیاری :** استحسانی سبق میں طلبہ کو سبق کے لیے تیار کرنے سے پہلے استاد کو خود ہر طرح سے تیار ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر استاد نے ایک خوبصورت فن پارہ پیش کرنے کے لیے سارے وسائل کا اہتمام کرلیا ہے اور تصاویر، ترنم، تمثیل کاری ایسی چیزیں نظم یا نثر کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں تو طلبہ کا اس سبق سے مسرت حاصل کرنا یقینی ہوجائے گا۔ کچھ ماہرین تعلیم کہتے ہیں کہ تیاری ہی کے مرحلے میں نظم یا نثر پارے میں مشکل الفاظ و محاورات کی تشریح کردی جائے تاکہ جب خوبصورت فن پارے کو پیش

کیا جائے تو اس سے محظوظ ہونے کے راستے میں مشکل الفاظ کی دیوار حائل نہ ہو۔ اس طرح نظم کو سراہنا آسان ہو جائے گا۔

(۲) **استحضار** ـ استاد کو نظم بڑے ہی پُر تاثیر انداز میں پیش کرنی چاہیے۔ استاد ساری نظم کو بہترین تلفظ اور لب و لہجہ میں پڑھے۔ اگر نظم بہت طویل ہو تو اسے چند قدرتی حصوں میں بانٹ کر ہر حصے کو باری باری پڑھے۔ ممکن ہو تو استاد نظم کو ترنم سے پڑھے خود پڑھنے کے بعد بچوں سے اسی فن پارے کو بار بار پڑھوائے۔ انفرادی طور پر پڑھنے کے بعد جماعت کے دو تین بچوں سے بھی نظم ترنم سے سنی جائے۔ اسی طرح جماعت کی فضا اشعار کے آہنگ اور موسیقیت سے بھر جائے گی۔ سننے والے طلبہ کو لذت اور مسرت کا احساس ہو گا۔

(۳) **اظہارِ خیال** ـ جب نظم کئی بار پڑھوائی جا چکے تو استاد بچوں کو موقع دے کہ وہ اس نظم کے مختلف اشعار کے بارے میں یا مجموعی تاثر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کھل کر کریں۔ بحث و مباحثے کی اس فضا میں نظم یا فن پارے کے جوہر اور بھی کھل کر بچوں کے سامنے آئیں گے اور اس طرح ان کے ذوق کا بھی پتا چلے گا جس کی روشنی میں ان کی تربیت اور رہنمائی کی جا سکے گی۔

(۴) **تخلیقی مشق** ـ یہ دیکھنے کے لیے کہ نظم نے کس حد تک تاثیر پیدا کی، بچوں سے نظم کے اشعار زبانی سنے جا سکتے ہیں۔ اگر نظم کے بیشتر اشعار بچوں نے سنا دیے تو نظم کے پر اثر ہونے میں شک باقی نہ رہے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پڑھی جانے والی نظم کا کسی ایسی ہی دوسری نظم سے موازنہ کیا جائے یا ایک نثر نگار کے اندازِ تحریر کا کسی دوسرے کے لکھنے کے انداز سے مقابلہ کیا جائے۔ اس طرح بچوں کو کسی فن پر تنقید کرنے کی تربیت دی جا سکتی ہے اور ان کے تنقیدی شعور کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

ہربارٹ کے رسمی اقدامات

ہربارٹ پہلا ماہرِ تعلیم تھا جس نے تدریس کو باقاعدہ نفسیاتی رنگ دیا۔ اُس نے پڑھانے کا نفسیاتی طریقہ بتایا۔ اس کا خیال تھا کہ ہر سبق پانچ حصوں میں تقسیم کر کے پڑھایا جا سکتا ہے اور یہی حصے ہربارٹ کے پانچ رسمی اقدامات کہلاتے ہیں۔ تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ تعلیمی دنیا میں انہی رسمی اقدامات سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ اقدامات درج ذیل ہیں۔

(۱) تیاری (۲) استحضار

۳۔ تشریح

۴۔ تعمیم

۵۔ اطلاق اور اعادہ

استاد کو چاہیے کہ اپنے سبق کا تحریری خاکہ ان اقدامات کے ماتحت بنائے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر سبق کے لیے یہ پانچوں اقدامات لازمی طور پر کام میں لائے جائیں۔ بہرحال موقع اور ضرورت کے ماتحت تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ سبق کوئی بھی ہو، اس بنیادی ڈھانچے میں کوئی فرق نہیں آتا اور ان اقدامات کی اہمیت کو آج کے ترقی یافتہ معاشرے کے ہر استاد نے بھی تسلیم کیا ہے۔

کسی سبق کو ان اقدامات کے ماتحت ترتیب دینے سے پہلے استاد کو چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ دیکھے کہ سبق کو کامیابی سے آگے بڑھانے کے لیے کس قسم کے سمعی بصری مواد سے مدد لینا پڑے گی۔ سمعی بصری مواد کا استعمال مشکل اور پیچیدہ معلومات کو آسان بنا دیتا ہے۔ بچوں میں سبق کے لیے آمادگی پیدا کر دیتا ہے۔ سبق میں زندگی اور دلچسپی کا سبب بنتا ہے۔ استاد اس مواد کے استعمال میں جتنا محتاط ہو گا سبق میں اتنی ہی زیادہ تاثیر پیدا ہو گی۔ خواہ مخواہ سبق کو بہت سی سمعی بصری اشیاء سے بوجھل بنا دینا وقت، محنت اور پیسے کو ضائع کرنا ہے۔ سبق کی نوعیت اور اپنے وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے استاد مناسب ترین اشیاء سے کام لے اور جو مواد اسے استعمال کرنا ہے، لکھ لے اور پھر اشارات سبق میں مناسب جگہوں پر ان کے استعمال کی باقاعدہ نشاندہی کرے۔

دوسری اہم چیز مقاصد کا تعین ہے۔ ہر مضمون پڑھانے کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں۔ سائنس، ریاضی، زبان، جغرافیہ وغیرہ نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی تدریس کے مقاصد بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں اس طرح زبان دانی کے مختلف حصوں نثر، نظم، قواعد، انشاء وغیرہ پڑھانے کے مقاصد جدا جدا ہیں۔ استاد سبق پڑھانے سے پہلے ہی مضمون اور عنوان کے پیش نظر چند مقاصد لکھ لیتا ہے اور پھر اپنے سبق کو اس مرکز سے علیحدہ نہیں ہونے دیتا۔ اس طرح استاد کے لیے ایک خاص منزل کا تعین ہو جاتا ہے اور وہ ادھر اُدھر نہیں بھٹکتا اور بچے بھی غیر متعلق اور بے ترتیب مواد سے محفوظ رہتے ہیں۔

اب ہم ایک ایک کر کے ہر بارٹ کے رسمی اقدامات کا ذکر مختصر طور پر کرتے ہیں۔

۱۔ **تمہید یا تیاری:** سبق کی نوعیت کے اعتبار سے ہم سبق کا آغاز کہانی، دلچسپ واقعے، فلم، شعر یا نظم، سوالات غرض کسی بھی طریقے سے کر سکتے ہیں مقصد بچوں کو سبق کے لیے تیار کرنا ہے۔ تمہید بہت دلچسپ ہونی چاہیے اور یہ دلچسپی وسائل اور موقع کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقے سے جا سکتی ہے لیکن عام طور پر یہ کام سوالات سے لیا

جاتا ہے ۔ یہ تمہیدی سوالات کہلاتے ہیں ۔ ان کا مقصد بچوں کی سابقہ واقفیت کا جائزہ لینا ہوتا ہے اور پھر سبق کا اعلان کیا جاتا ہے ۔ اس طرح استاد کو بچوں کی سابقہ معلومات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور بچے نئے سبق کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ یہ سوالات پچھلے اسباق سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں اور بچے کی روزمرہ زندگی سے بھی ۔ سوالات اور ان کے متوقع جوابات لکھ لیے جاتے ہیں ۔

۲۔ **استحضار:** عنوان کے اعلان کے بعد استاد سبقی مواد کو تین یا چار اکائیوں میں تقسیم کرتا ہے اور شروع میں سارے سبق کو سرسری طور پر جماعت کے سامنے پیش کرتا ہے اور یوں بچوں کے ذہنوں میں نئے سبق کا دھندلا سا خاکہ بن جاتا ہے ۔ اس مرحلے میں اُستاد لمبی تشریح اور وضاحت میں نہیں الجھتا ۔ اس کا مقصد بچوں کو سبق کا سرسری تعارف کرانا ہوتا ہے مثلاً زبان کے سبق میں نثر کے دو یا تین پیراگراف استاد اور شاگرد صرف بآواز پڑھتے ہیں ۔ ہر مضمون میں سبق کی پیشکش مختلف طریقے سے کی جاتی ہے ۔

۳۔ **تشریح:** اس قدم میں استاد سبقی مواد کو کھول کر بیان کرتا ہے ۔ مختلف اکائیوں کو ایک ایک کر کے سوال وجواب، سمعی بصری مواد اور دوسرے ذرائع سے واضح کرتا ہے اور ہر اکائی کے خاتمے پر چند سوالات سے جزوی اعادہ کرتا ہے تاکہ سبقی مواد کا ہر جزو ساتھ ساتھ ذہن نشین ہوتا رہے ۔ تشریح کے سلسلے میں ایک بات اہم ہے کہ نہ تو تشریح کا سارا کام استاد اپنے ذمے لے اور نہ ہی اسے کلی طور پر طلبہ پر چھوڑ دے ۔ یعنی استاد پوری کوشش کرے کہ اکثر معلومات بچوں ہی سے اخذ کروائے ۔ اس کے لیے وہ سوالات سے مدد لے سکتا ہے ۔ انہیں ارتقائی سوالات کہتے ہیں ۔ جہاں استاد یہ دیکھے کہ بچے سوال وجواب کا سلسلہ جاری رکھنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں تو وہاں خود تشریح کرے ۔ اس سلسلے میں استاد صرف زبانی تشریح پر بھروسہ نہ کرے ۔ بلکہ چارٹ، تصاویر، تختۂ سیاہ، ماڈل وغیرہ سے مدد لے ۔ بچوں کو جوابات دینے پر اکساتا رہے تاکہ جماعت میں بامقصد سرگرمی نظر آئے، سبق میں بچہ خود کو شریک سمجھے اور مواد اس پر پوری طرح واضح ہو جائے ۔

۴۔ **تعمیم** روزمرہ زندگی کی خاص مثالوں کی مدد سے عام نتیجہ، اصول یا کلیہ اخذ کرنا تعمیم کہلاتا ہے ۔ یہ ان مضامین میں کیا جاتا ہے جن میں کسی تفصیلی مواد کو مختصر نتیجے کی صورت میں پیش کرنا ہو ۔ سائنس، ریاضی، جغرافیہ، قواعد زبان وغیرہ کی تدریس میں مختلف مثالوں سے اُستاد کوئی اصول، کلیہ، گردان، تعریف، بچوں سے اخذ کرواتا ہے تاکہ وہ مختصر بات بچوں کے ذہن نشین ہو جائے ۔

اطلاق اور کلی اعادہ: جب استاد سبق پڑھا چکے تو تدریس کی تاثیر کا اندازہ لگانے کے لیے چند سوالات سے پورے سبق کا اعادہ کرے۔ اِن اعادی سوالات کے علاوہ استاد بچوں سے خلاصہ لکھوا کر یا زبانی سن کر، جماعت میں بحث کروا کر یا کسی بھی اور مناسب طریقے سے اعادہ کر سکتا ہے[1]

تدریس اُردو کے اقدامات

نظم و نثر اور انشاء پردازی کے ہر سبق میں مندرجہ ذیل اقدامات تقریباً مشترک ہوتے ہیں۔

(۱) تمہید	(۲) اعلان سبق
(۳) قرأت معلّم	(۴) قرأت متعلّم
(۵) صحت تلفظ	(۶) اخذ معانی
(۷) تفہیم واستحسان	(۸) اعادہ
(۹) گھر کا کام	

تمہید: تمہید کے عمل سے مراد یہ ہے کہ طلبہ کو سبق کے لیے تیار کیا جائے یعنی ان کی سابقہ واقفیت کو موجودہ و مطلوبہ سبق کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ نئے سبق کی طرف ترغیب دے کر موضوع سبق کا اعلان کیا جائے۔ اس کے لیے کوئی خاص اصول تو متعین نہیں ہو سکتے۔ یہ زیادہ تر معلم کی اپنی ذہانت پر منحصر ہے کہ کن حالات میں کیا مخصوص طریقہ اختیار کرتا ہے۔

نثر کے اسباق میں زیادہ زور تفہیم عبارت پر دیا جاتا ہے جب کہ نظم کے اسباق میں "استحسان" پر۔ اس لیے دونوں اسباق کے مراحل بھی اِن اسباق کی ضروریات کے مطابق ہوں گے۔ لہذا تمہید میں بھی استاد اپنے مقاصدِ سبق کو سامنے رکھے گا اور طلبہ کو ذہنی طور پر اِن کے لیے آمادہ کرے گا۔

اعلان سبق: تمہید کے بعد دوسری منزل اعلان سبق کی ہے۔ سبق کے پس منظر کی روشنی میں، نیز نفس مضمون کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے اُستاد سبق کا آغاز کر دے گا۔ اگر "مصنف" کے حالات زندگی اور خاص انداز فکر اور تحریر پر تمہید میں روشنی نہیں ڈالی تو اس مرحلے پر اس کی تکمیل کر لی جائے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ جماعت کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو گا اور طلبہ کو سبق میں دلچسپی

---

[1] ڈاکٹر اصغر علی و دیگر، علم التعلیم ص ۱۱۳ تا ۱۲۰

پیدا ہوگی۔

سبق کے قابلِ غور نکات کا بیان بھی اس مرحلے پر ہوگا غرضیکہ جملہ ابتدائی مراحل جو تمہید میں رہ گئے تھے ان کی یہاں تکمیل ہو گی۔ جب معلم کو اچھی طرح سے تسلی ہو جائے کہ طلبہ ذہنی طور پر نئے سبق کی تحصیل کے لیے کلی طور پر آمادہ ہیں تو وہ اگلے مرحلے میں داخل ہو جائے گا۔

استحضار: اس مرحلے میں استاد کی اپنی مثالی خواندگی، طلبہ کی خواندگی، اصلاح تلفظ اور خواندگی کا اعادہ شامل ہیں معلم کی قرأت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ "تلفظ درست، لب ولہجہ مؤثر، رفتار موزوں اور آواز خوش گوار ہو جو کانوں میں رس گھولے اس کے لیے مناسب تیاری کی ضرورت ہے۔ اگر معلم آواز کے زیر و بم اور لہجہ تلفظ کی باریکیوں سے ناآشنا ہے تو اس کی "مثالی قرأت" کار لاحاصل ہو کر رہ جائے گی اگر قرأت درست ہو تو عبارت قریباً قریباً ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

اگر منزل طلبہ کی قرات ہے تو سب سے پہلے جماعت کے ذہین ترین طالب علم سے کہا جائے کہ وہ سبق کی عبارت کو آواز بلند پڑھ کر سنائے تاکہ کمزور طالب علم دوبارہ خواندگی سے مستفید ہو سکیں اس کے بعد سب کو موقع ملنا چاہیے تاکہ جھجک دور ہو اگر وقت کی کمی کے پیش نظر کچھ طلبہ کو ایک سبق میں خواندگی کا موقعہ نہ ملے تو انہیں دوسرے سبق میں اس کا موقع ضرور مہیا کرنا چاہیے دوران خواندگی طلبہ کو بار بار ٹوکنا مناسب نہیں اگر کسی سے کچھ غلطی ہو گئی ہے تو استاد کو وہ حصہ دوبارہ پڑھ دینا چاہیے۔

طلبہ کی خواندگی کے دوران میں استاد کو بڑے انہماک سے تلفظ کی طرف نظر رکھنی چاہیے۔ طلبہ جن الفاظ کا تلفظ صحیح ادا نہ کر سکیں، استاد وہ الفاظ بورڈ پر لکھتا جائے۔ اگر سبقی اشارات میں ان کا ذکر پہلے سے موجود ہے یا پہلے ہی بورڈ پر لکھے جا چکے ہوں تو ان کے نیچے لکیر کھینچ دے یہ درست تلفظ کی تکرار صحت کے لیے بیحد مفید ہے۔

اخذ معانی: زبان اظہار اور ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ الفاظ خیالات کی صوتی تصاویر ہیں۔ انسان فقرات اور جملوں میں سوچتا ہے، جو الفاظ کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ہر خیال کی تصویر کسی لفظ سے بنتی ہے۔ کسی کا ذخیرہ الفاظ جتنا زیادہ ہوگا اتنے ہی اس کے خیالات وسیع ہوں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طلبہ کو لغت یا فرہنگ یاد کروا دینے سے ان میں منطقی استدلال کی قوت بڑھ جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا ذخیرہ الفاظ زیر عمل اور زیر دسترس ہوگا۔ یعنی الفاظ کے استعمال پر جتنی قدرت اور گرفت ہو گی اتنا ہی استدلال بڑھے گا اور ان مضامین و خیالات پر جن کا تعلق ان الفاظ و اصطلاحات سے ہے، قدرت زیادہ

ہوگی۔ بعض لوگوں کے پاس ذخیرہ الفاظ کی فراوانی ہوتی ہے۔ مگر ان کی ترتیب اور مناسب استعمال پر دسترس نہیں ہوتی، جسے عام زبان میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے علم کو حسب ضرورت استعمال نہیں کر سکتے یہ کمزوری زبان کے مزاج اور الفاظ کے درست استعمال سے عدم واقفیت پر مبنی ہوتی ہے۔ بیشتر اوقات اس کا باعث ابتدائی ترتیب کا نقص ہوتا ہے۔ اساتذہ نے مناسب وقت پر مناسب توجہ نہیں دی۔ معانی کی راہ میں حائل مشکلات بالعموم مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ہوتی ہیں۔

(۱) خیال کی پیچیدگی، فکر کی گہرائی اور طریق استدلال کی قدرت،
(۲) الفاظ کی ثقالت غربت اور گنجلک۔
(۳) اسلوب بیان کی پیچیدگی۔
(۴) تلمیحات کے پس منظر سے عدم واقفیت
(۵) محاورات سے ناآشنائی۔
(۶) ایسے طلبہ جن کی مادری زبان علاقائی زبانوں میں سے ایک ہو انہیں بعض اوقات "روزمرّہ" کے سمجھنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔

معلم ان دقتوں کا حل طلبہ کی مدد سے کرے گا۔ معلم کا زیادہ سے زیادہ پس منظر میں رہنا ضروری ہے تاکہ طلبہ میں تجسس اور تحقیق کا مادہ پیدا ہو بعض اوقات طلبہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو استاد کا بتا دینا مناسب ہے۔ معانی کو بتا دینے کے کئی طریق ہیں مترادف الفاظ کا بتانا، مفہوم بیان کرنا، وضاحت اور تشریح کرنا۔ مثال سے واضح کرنا۔ استاد چاہے کوئی بھی صورت اختیار کرے لیکن جب تک طلبہ کسی مشکل اور نئے لفظ کو اپنے فقرات میں استعمال نہ کریں گے۔ ان کی اس لفظ یا محاورے پر گرفت مضبوط نہ ہوگی اور نہ وہ ان کے زیر کار ذخیرۂ الفاظ میں شامل ہوگا۔

محاورات اور تلمیحات کا مسئلہ مفرد الفاظ سے جدا ہے۔ ان میں استاد کی رہنمائی بعض اوقات دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔ تلمیحات کے پس منظر میں واقعات و حکایات اسباق کو زندگی سے ہم آہنگ یا قریب تر کرنے میں ممد ہوتے ہیں۔ بعض مفرد الفاظ جو مجرد حقائق کو عیاں کرتے ہیں نہ تو مترادفات کی مدد سے اور نہ تصویروں یا چارٹوں کی مدد سے سمجھائے جا سکتے ہیں۔ ان کے لیے استاد کی زبانی وضاحت اور بعد ازاں ان کا فقرات میں استعمال ہی موزوں رہتا ہے۔ بعض انسانی حرکات مثلاً کھانا، ہٹنا وغیرہ بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔ بعض جملے ایسے ہوتے ہیں جو قواعد کے لحاظ سے تو وہ بالکل درست ہوتے ہیں مگر ان سے دیے گئے الفاظ کی وضاحت

نہیں ہوتی مثلاً اسمائے نکرہ، اسمائے معرفہ مثلاً لاہور بڑا شہر ہے یا شیر ایک جانور ہے۔ سیب کھانے کی چیز ہے۔ اِن فقرات سے کچھ بھی واضح نہیں ہوتا۔ اگر اِن فقرات کو اس طرح بدل دیا جائے کہ لاہور پنجاب کا دارالحکومت اور بڑا شہر ہے، شیر ایک طاقتور درندہ ہے اور سیب ایک لذیذ اور شیریں پھل ہے، تو یہ فقرات معانی کے تصور کو اجاگر کرتے ہیں اِن صورتوں میں تصاویر اور ماڈل بہت کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ ورنہ شیر کو جانور اور سیب کو پھل کہہ دینے سے معانی کا شعور پیدا نہیں ہوتا۔

اس طرح اخذ معانی کے ساتھ تحلیل صرفی اور ترکیب نحوی جس حد تک ممکن ہو ساتھ ساتھ چلنی چاہیے۔ نکات کی تشریح میں عملی زندگی سے مثالیں، مناظر کی وضاحت میں تصاویر اور چارٹ، مشاہیر کی آراء اور خوبصورت اشعار جڑنے سے سبق میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

جزوی اعادہ: اخذ معانی تشریح و توضیح کے مراحل کے بعد استاد سبق کے اہم پہلوؤں پر سوالات کرے گا جس کے جوابات سے یہ واضح ہو جائے گا کہ سبق کس حد تک کامیاب رہا ہے اس طرح ایک پیرا کے بعد دوسرا پیرا پڑھا جاسکتا ہے اور نظم کے ایک بند کے بعد دوسرا بند۔

جائزہ سبق کا اختتام: اِس مرحلے پر مندرجہ اقدام کیے جائیں گے۔

قرأت ثانیہ، سبق کے مفہوم کا خلاصہ، خیالات کی تفہیم کا جائزہ، الفاظ اور محاورات کی مشق اور تفویض وغیرہ۔

قرأت ثانیہ سے یہ مقصود ہے کہ طلبہ کو سبق کی قرأت، تلفظ اور لب و لہجے کی جملہ مشکلات پر عبور حاصل ہو چکا ہے۔ اب انہیں کوئی دقت باقی نہیں۔ مفہوم کا خلاصہ سننے سے مراد یہ ہے کہ سبق کا مرکزی خیال طلبہ کے ذہن نشین ہو چکا ہے، نئے محاورات و تراکیب کے معانی ذہن نشین ہو چکے ہیں، سبق کی ابتدا میں جو بنیادیں استوار کی گئی تھیں اِن کے مطابق آخری منازل طے ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد سبق کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا اس میں طلبہ کو سبق کی روح سے آشنا کرایا جائے گا یعنی وہ مرکزی خیال جو سبق کا مقصود ہے یعنی مصنف جو پیغام دینا چاہتا ہے اِس پر زور دیا جائے گا تاکہ طلبہ نے جو کچھ دوران سبق حاصل کیا ہے اسے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنالیں۔ آخری مرحلہ تفویض کار کا ہے یعنی گھر کا کام اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مشکل الفاظ و محاورات کے معانی اور اِن پر مبنی فقرات کا لکھ کر لانا، آموختہ کو سلیس اردو میں لکھنا، خلاصہ لکھنا، کہانی کے کرداروں پر بحث کرنا اور مشکل پیراگراف کی تشریح کرنا وغیرہ۔[1]

---

[1] ڈاکٹر مظہر محسن ملک، اردو زبان اور اس کی تدریس، ص ۱۵۵ تا ۱۶۱

اسباق کا جائزہ و تنقید

مدرس کے تدریسی سبق کا جائزہ علمِ تدریس کا ایک اہم پہلو ہے اس سے ایک طرف مدرس کے تدریسی عمل کا حُسن و قبح معلوم ہوتا ہے، تو دوسری طرف تدریسی عمل کے سلسلے میں بہت سے اچھے اور مفید نکات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ہر مدرس کے لیے اور خاص طور پر زیرِ تربیت مدرس کے لیے دوسرے مدرس یا زیرِ تربیت مدرس کے اسباق کا مشاہدہ ضروری ہوتا ہے۔ اس قسم کا مشاہدہ و تبصرہ فنِ تدریس میں مہارت حاصل کرنے میں اعانت کرتا ہے۔

اسباق کے جائزے و تبصرے میں جن امور کی طرف توجہ دینی چاہیے، وہ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ مدرس کے اشاراتِ سبق: ان سے مدرس کی تیاری کا علم ہوتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں دیکھنی چاہئیں۔

(۱) اشارات کی ترتیب، زبان اور خط درست ہے یا نہیں؟

(۲) سابقہ معلومات کا جائزہ مناسب سوالات سے لیا گیا ہے یا نہیں؟

(۳) مقصد درست انداز میں پیش کیا گیا ہے یا نہیں؟

(۴) تمہید سے نئے سبق کی طرف گریز اور اعلان سبق مناسب طریق و الفاظ میں ہوا ہے یا نہیں؟

(۵) استحضار و اقدام کے تمام مدارج صحیح اور منطقی ربط رکھتے ہیں یا نہیں؟

(۶) سبق کی تقسیم مناسب طور پر کی گئی ہے یا نہیں؟

(۷) اعادے اور انطباق کی صورت درست ہے یا نہیں۔

۲۔ مدرس کا موقف: اسباق کے جائزہ و تنقید میں مدرس کی مندرجہ ذیل چیزیں بھی خاص طور سے دیکھنی چاہییں۔ لباس، قیام، آواز، لہجہ، تلفظ زبان، حرکات، انداز بیان، طرز سوالات، موضوع پر قابو، تحریر تختہ سیاہ (خوشخطی وضاحت اور ترتیب) خود اعتمادی، ضبط جماعت، سلوک (مشفقانہ)، بشاشت، سنجیدگی وغیرہ۔

۳۔ تدابیرِ توضیح: اسباق کے جائزے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مدرس نے سبق کو دلچسپ موثر، واضح اور ذہن نشین کرنے کے لیے کیا کچھ تدابیر اختیار کی ہیں اور ان میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزیں خاص طور پر دیکھنی چاہئیں۔

سمعی و بصری تدابیر یعنی چارٹ، تصاویر، ماڈل، اشیاء، خاکے، نقشے، سوالات، مثالیں

تشریحیں، مقولے وغیرہ۔

۴۔ **عمل تدریس :** اس میں مندرجہ ذیل کیفیت دیکھنی چاہیے ۔

جائزہ سابقہ معلومات، گریز، اعلان کیفیت، استحضار بصورت مطالعہ (نمونہ قرأت، اصلاح تلفظ کا طریق، اخذ معانی کا طریق، تشریح و توضیح کا انداز، اخذِ مفہوم، نوعیتِ سوالات، تلخیص و تفصیل، استعمالِ الفاظ، صرفی و نحوی نکات کی بحث، وغیرہ) ۔

بصورتِ انشاء (نمونہ انشاء کی تقدیم، اُس سے اخذ نکات کی صورت، موضوعِ انشاء کے مواد کے متعلق اخذ نکات، طلبہ کے انشائی عمل کی نگرانی، انفرادی اصلاح، اجتماعی اصلاح، انشاء پر تبصرہ وغیرہ۔) اور بصورت قواعد (مثالوں کی نوعیت، اخذِ اصول کا اقدام، اصول کا عمل، مشق کی تدابیر وغیرہ) اور انطباق و اعادے کی کیفیت۔

۵۔ **سبق کا بحیثیت مجموعی نتیجہ** اس میں طلبہ کے جوابات، اُن کی دلچسپی اور توجہ، اُن کی سمجھ اور یادداشت، اُن کی ذہنی چستی اور ہوشیاری کا جائزہ لیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے سبق کا اثر بحیثیت مجموعی کیسا رہا۔[1]

---

[1] سلیم فارانی، اُردو زبان اور اس کی تدریس، ص ۵۰۷ تا ۵۱۱

باب ۸

تدریسِ نظم

شاعری کیا ہے ؟ نظم اور نثر میں کیا فرق ہے ؟ زندگی اور شاعری کا کیا تعلق ہے ؟ ہم نظم کیوں پڑھاتے ہیں ؟ اس کا طلبہ کی زندگی سے کیا تعلق ہے ؟ متعلمین کی تربیت میں اس کا کیا ہاتھ ہے ؟ ایسے بے شمار سوالات ہیں جو تدریس نظم، کے ساتھ ساتھ ہمارے ذہن میں آتے ہیں اور اِن سوالات کے بے شمار اور گوناگوں جوابات خود مجسم سوال بن کر سامنے آتے ہیں اور سوال در سوال کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے۔ ارسطو نے کہا کہ "شاعری زندگی کا عکس ہے" خوب کہا مگر ولیم بلیک نے یہ کہہ کر کہ ہمیں یونانی یا رومن مثالوں کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو محض اپنی قوت تخیل پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے"، یعنی اُس نے اُسے زندگی کے عکس سے ہٹا کر روح کے عکس کے ساتھ جوڑ دیا۔

بعض ماہرین نے شعر کو حسن ادا کا نام دیا کہ "بہترین الفاظ کا استعمال نثر ہے، جب کہ بہترین الفاظ کا بہترین استعمال شاعری ہے" بعض ماہرین نے اسے جذبات کی ترجمانی کہا، اور مزید اضافہ یہ کیا کہ نہ صرف یہ کہ جذبات، حصول علم کا ذریعہ ہیں، بلکہ ہمارے لیے احساسات، مسرت، اطمینان اور بہبود، خیر و برکت کا باعث بنے ہیں۔ اِن سے ہم علم کے حصول میں ہر ممکن امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ تو شعر کو الہام اور شاعر کو پیغمبر کہنے لگے اِن کی دلیل یہ ہے کہ عمل تخلیق انسان کی مجموعی شخصیت کا وجدانی اظہار ہے"۔

اچھے شعر کی خوبی کیا ہے ؟ اس کا جواب اِس سوال میں پوشیدہ ہے کہ شاعر شعر کیوں کہتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے جذبات کی ترجمانی اور ابلاغ کرتا ہے اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہے تو شعر خوب ہے ورنہ ناخوب۔

سب سے پہلا شعر غالباً گنگنایا گیا ہو گا اور پھر گایا بھی گیا ہو گا۔ ممکن ہے کہ شعر کو موسیقی پر تقدم حاصل ہو، پھر شعر نے خوشی کی ترنگ پیدا کی ہو اور شعر کا یہ تاثر کہ اس سے مسرت پیدا ہوتی ہے۔ خوش ہو کر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے جو فوری، وجدانی، اضطراری، اور جبلی اثرات کا اظہار ہے۔ فارسی کا قدیم ترین معلوم شاعر رودکی اپنا کلام ساز کے ساتھ گا کر سنایا کرتا تھا۔ ارسطو کا مندرجہ بالا قول کہ "شعر زندگی کا عکس ہے آج بھی درست ہے اور ہمیشہ درست رہے

گا، شعر احساسات کی ترجمانی کا نام ہے اور ایک جمالیاتی عمل ہے جس کا نتیجہ انسانی تجربات کی ترجمانی اور خوب صورت اظہار، ابلاغ ہے۔ یہ حسن لطیف کی پرورش کرتا ہے۔ جذبات کی تقعید و اصلاح کرکے انسان کو مہذب بنا دیتا ہے اور یہی تدریس شعر کی غرض و غایت ہے۔

جب ہم نے یہ کہا کہ شاعر کی شعر کہنے سے غرض 'جذبات کا ابلاغ' ہے تو ہم نے بطور معلم یہ فرض اپنے اوپر خود عائد کر لیا کہ معلم کا فرض یہ ہے کہ اِن جذبات کو بہتر سے بہتر طور پر اپنے شاگردوں تک منتقل کردے ہم ایک دفعہ وہ مقولہ پھر دہراتے ہیں کہ "تعلیم انتقال تربیت ہے"۔ تو شعر کا استاد خود شعر کو کس قدر سمجھتا ہے؟ اور اِس میں اس "فن لطیف" کو سمجھنے کی کس قدر اہلیت ہے؟ یہ سوالات اپنی جگہ پر بیحد اہم ہیں۔ جن کے جوابات ذیل کے مطالعے سے حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

نظموں کی اقسام بلحاظ موضوع

جس طرح انسانی زندگی متنوع ہے اور اِس کے بے شمار پہلو ہیں اسی طرح "نظم" جو فی نفسہ انسانی جذبات کی عکاسی ہے، بے شمار پہلو رکھتی ہے انسان کی ہر ادا کو منظوم کیا گیا ہے اور بعض اوقات ایک ہی نظم میں ایک سے زیادہ موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے نظموں کو مختلف چوکھٹوں میں بآسانی منقسم نہیں کیا جا سکتا، ارباب فہم و دانش نے نظم کی بہر حال موضوع کے اعتبار سے مختلف قسمیں بیان کی ہیں اور اِن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

پہلی تقسیم میں نظم کو رزمیہ اور بزمیہ، کی دو کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا ہے۔ رزمیہ کا تعلق اِن قدیم اور طویل نظموں سے ہے جو مختلف ادوار عالم کی جنگوں کا حال بیان کرتی ہے۔ جیسا کہ شاہنامہ فردوسی، مہا بھارت، واقعاتِ کربلا۔ جنگ نامے وغیرہ اِن میں حقیقی تاریخی واقعات بھی منظوم کیے گئے ہیں اور فرضی بھی جیسے داستان امیر حمزہ، جنگ نامہ زیتون وغیرہ۔

اِس کے علاوہ باقی تمام شاعری کو جو فی الحقیقت بیانیہ ہے، بزمیہ کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق میدانِ جنگ سے باہر والی دُنیا سے ہے۔ اس کے مزید حصے بخرے کیے گیے ہیں کیونکہ یہ بذاتہ وسیع اور ہمہ گیر دنیا ہے انسانی جذبات و کیفیات کی عکاسی کو 'جذباتی' شاعری کا نام دیا گیا ہے، اِس میں حسن و عشق کی داستانیں ہجر و وصال کی کہانیاں، موت اور جدائی کا افسوس اور قومی اور ملی ادبار کی وجوہ اور اِن پر تاسف شامل ہیں۔ اِس کے برعکس انسان کی نشاط انگیز اور مسرت آمیز زندگی کی عکاسی کو بہاریہ کا نام دیا گیا ہے، جس میں گل و بلبل، موسم بہار کی دلکشی، اشجار و کہسار کا حُسن، برسات کی بہار اور میلوں ٹھیلوں کا شور و غوغا اور ایسی قبیل کی دوسری نظمیں شامل ہیں۔ حقیقتاً رزم اور بزم دونوں 'بیانیہ' کے ہی دو حصے ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تقسیم مکمل نہیں ہوئی اور صرف ایک ہی صنف کا بیان

کیا گیا ہے۔ چنانچہ پھر ایک اور تقسیم کی جاتی ہے، جو ہمارے لیے بطور معلمین زیادہ جاذب اور دلکش ہے۔

وہ نظمیں جو تخیل کے زور پر تخلیق کی گئی ہیں اور حقیقی زندگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں یا کھینچ تان کر فرضی واقعات سے مربوط کر کے حقیقی زندگی سے انہیں جوڑ لیا گیا ہے جیسے بعض جانوروں کے مکالمات مثلاً مکڑے اور مکھی کا مکالمہ، یا بکری اور پہاڑ کی گفتگو، کلیلہ دمنہ کی داستان، انہیں تخیلی نظمیں کہا گیا۔ ان میں تخیل کے زور سے واقعات کے پہاڑ تراش کر استادہ کر دیے گئے۔ غزل کی شاعری بھی 'تخیلی شاعری' ہے کہ تمام مکالمات اور محبوب کے شکوے، شراب و شاہد کی گفتگو محض شاعر کے تخیل کی پیداوار ہیں مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ جذباتی بیان جو حقیقت میں شاعر کے تخیل کی کارستانی ہے انسانی زندگی کے بعض پہلوؤں سے اس قدر قریب ہے اور بعض اوقات ممکن الوقوع، کہ آپ تخیلی شاعری کو فرضی شاعری نہیں کہہ سکتے۔ تخیلی شاعری بھی اس لحاظ سے اتنی ہی حقیقی ہے جیسے تاریخی واقعات کیونکہ تاریخ میں نام و مقام اصلی ہوتے ہیں اور واقعات اصلی بھی اور تحقیق طلب بھی۔ یہاں سب کچھ تخیل کی کرشمہ سازی مگر جذبات اصلی اور حقیقی۔

بعض نظموں میں حقیقی واقعات کو منظوم کیا جاتا ہے، جیسا کہ عدل فاروقی، ابراہیم بن ادہم کی داستان بعض دفعہ بعض حکایتیں جو فرضی ہونے کے باوجود اصل معلوم ہوتی ہیں، مولانا حالی کی نظم، جوانمردی، ایسی نظموں کو 'حکایتی' نظمیں کہہ کر ان کی صف الگ کر لی جاتی ہے۔

'میرے سر بکف مجاہد' 'پاکستان ہمارا ہے' اللہ پاکستان رہے۔ 'اے قائداعظم' 'یہ نشان یہ ہمارے وطن کا نشان' 'جگ مگ جگمگ چاند ستارہ' یہ سب ملی نظمیں ہیں۔ انہیں قومی بھی کہا جاتا ہے۔ ایسی نظمیں ہر قوم کا سرمایۂ افتخار ہوتی ہیں اور متاع عزیز بھی۔

'محنت کی عظمت' 'ایک آواز' 'جب میں بڑا ہوں گا' 'علم کی فضیلت' 'کوشش کیے جاؤ' اخلاقی سبق سکھاتی ہیں اور اسی 'مقصدیت' کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔ ایسی شاعری 'اخلاقی شاعری' کہلاتی ہے۔

یہ تقسیم بلحاظ موضوع کی گئی ہے۔ ان کی تدریس کے ڈھنگ ان کے موضوع کے مطابق ہوں گے۔

نظم کی اقسام بلحاظ صنف اصناف سخن میں، غزل، قصیدہ، مرثیہ اور ہیئت کے لحاظ سے مثنوی، رباعی، مسدس، مثلث، مخمس اور مسدس وغیرہ ہیں۔

مبادیات نظم نظم خوانی کے لیے نظم کے مبادیات کا جاننا بے حد اہم ہے مثلاً استاد کو یہ ذوق فراواں ہو کہ جہاں شعر ٹوٹتا ہے اور خارج الوزن ہوتا ہے، تو استاد کھٹکے، قافیے اور ردیف سے آشنا ہو، نظم کی روانی یعنی 'ترنم' سے آگاہ ہو۔ اس سے مراد گا کر پڑھنے

سے نہیں بلکہ الفاظ کے زیر و بم، سے ہے، شعر میں تلفظ کی غلطی شعر کو ساقط الوزن کر دیتی ہے۔ اسی آواز ربط، اور حرکات و سکون کا خیال خاص طور پر رکھنا ضروری ہے۔

تدریس نظم کے مختلف اقدام _ تدریس، تعلیم، یا انتقال تربیت، کے لیے چار بنیادی ضروریات یعنی ارتکاز توجہ، ارادہ، لطف اندوزی اور تکرار کا پایا جانا ضروری ہے اس میں نظم یا نثر یا کسی اور مضمون کی تخصیص نہیں۔ البتہ ہر سبق کی مخصوص ضروریات ہوتی ہیں اور نظم، چونکہ ادبِ لطیف کی سب سے زیادہ لطیف سخن ہے اور اس کا براہ راست تخاطب حسِ لطیف سے ہوتا ہے، اس لیے اسے پڑھانے کے لیے جذبات کی نازک دنیا کی صحت مند انگیخت کے ساتھ ساتھ شاعر کے احساسات کا مکمل ابلاغ مقصود ہونا چاہیے تاکہ ذوق ادب اور لذت سخن کی آبیاری ہو۔ تدریس نظم کے اقدامات مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔[2]

۱۔ **تمہید:** نظم کی تدریس میں سب سے پہلی منزل تمہید کی ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ نظم کو طلبہ کے سامنے اس طرح پیش کرے کہ وہ ان کے لیے موجب دلچسپی اور باعثِ مسرت ہو اس لیے لازم ہے کہ نظم خوانی سے قبل شعر پڑھنے، شعر سمجھنے اور شعر سے متاثر ہونے کے لیے ایک سازگار فضا مہیا کرے۔ اگر نظم میں کوئی کہانی یا واقعہ بیان کیا گیا ہے تو تمہید میں نظم کا خاکہ مختصر طور پر پیش کرنے سے طلبہ نظم خوانی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اگر نظم قومی جذبات و احساسات پر مشتمل ہے تو کسی ایسے قومی واقعے یا جذبے کا پس منظر دکھانا چاہیے جس سے متاثر ہو کر شاعر نے وہ نظم کہی ہے۔ اخلاقی نظم کی تمہید میں اس شعبۂ اخلاق کے متعلق مختصر سی بحث ہونی چاہیے جس کے متعلق شاعر نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ غزل کی تدریس مقصود ہو تو تمہید میں شاعر کی سوانح اور اس کے ادبی مقام کا ذکر ہو سکتا ہے۔ مثنوی کا کوئی ٹکڑا پڑھانا ہو تو تمہید کے طور پر سیاق و سباق کا بیان موزوں ہو گا، قصیدے اور مرثیے کی تمہید میں شاعر کی رفعت اور اس کے ممدوح کا تعارف اور قصیدے یا مرثیے کا مافیہ بیان کرنا چاہیے۔ رباعیات کی تمہید میں رباعی کے مرکزی نقطۂ خیال یا رباعی کی ہیئت اور شاعر کی زندگی پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ نظم کی تمہید میں نظم کی خوبیوں کا ذکر ہونا ضروری ہے کیونکہ اس سے طلبہ میں نظم خوانی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ تمہیدی گفتگو کو دل آویز اور تدریس کو دلچسپ بنانے کے لیے موزوں تصاویر اور توضیحات سے مدد لینا بھی نہایت ضروری ہے۔ ایسی نظموں کی تدریس میں توضیحات کا استعمال تو اور بھی ضروری ہے جن میں منظر کشی کی بہتات ہو اور جن میں قدرتی نظاروں کی تصویر خوبصورت الفاظ میں کھینچی گئی ہو۔

تمہید کے لیے ضروری ہے کہ نہ تو وہ بہت طویل ہو اور نہ ہی بے ربط۔ اگر نظم میں کوئی تاریخی واقعہ بیان ہوا ہے تو استاد کو بنیادی طور پر اسے نظم ہی کی حیثیت سے پڑھانا چاہیے اور اسے تاریخ کا سبق نہیں

---

[2] ڈاکٹر مظفر حسن ملک، اردو زبان اور اس کی تدریس، ص ۲۳۶ تا ۲۴۰

بنا دینا چاہیے۔ تمہیدی سوال بہت سوچ سمجھ کر تیار کرنے چاہئیں تاکہ تمہیدی گفتگو غیر متعلق نہ ہونے پائے۔ سوالات فکر انگیز ہونے چاہئیں تاکہ ان کی مدد سے بچوں کی جبلت استعجاب چمکے اور ان کا ذوق نکھرے۔

۲۔ موضوع سے تعارف: تمہیدی گفتگو کے بعد معلم کو چاہیے کہ بچوں کو نظم کے عنوان سے متعارف کرائے اور اگر نظم زیر مطالعہ کے متعلق تمہید میں کوئی بات نہیں ہوئی تو یہاں اس نظم کی اہمیت اور اُردو ادب میں اس کے مقام پر روشنی ڈالے۔

موضوع کے اعلان اور اس سے تعارف کے بعد نظم خوانی کا مرحلہ آتا ہے۔

۳۔ نظم خوانی: معلم کو چاہیے کہ سب سے پہلے وہ خود نظم پڑھ کر سنائے اور ایسے انداز میں پڑھے کہ لطف آجائے۔ استاد کا اندازِ نظم خوانی درست، مؤثر اور دلکش ہونا چاہیے۔ اس کی آواز نظم کے مفہوم کی ترجمانی کرتی ہو اور وہ اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے اِن کیفیات کا اظہار کرے جن کی وہ نظم حامل ہو۔ استاد کے لب و لہجے اور آواز سے مترشح ہونا چاہیے کہ وہ نظم میں بیان کردہ جن جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے، وہ کیف و مستی کے علمبردار ہیں یا غم و اندوہ کے عکاس۔ شجاعت اور دلیری کے بیان میں آواز میں جوش اور ولولہ ہونا چاہیے اور دکھ اور افسوس کے اظہار میں آواز میں درد اور دھیما پن کا ہونا لازم ہے۔ اشعار کو پڑھتے وقت تلفظ اور لب و لہجے کا خیال رکھنا ازبس ضروری ہے۔ اس لیے کہ تلفظ کے غلط ہونے سے شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اور نظم کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ معلم کو یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ شعر کے کس حصے میں اور کس لفظ پر زور دینا چاہیے اور کس پر نہیں جو معلم نظم خوانی میں تاکید، تلفظ اور وزن کا خیال نہیں رکھتا اُس کی قرأت بے کیف اور بے اثر ہوتی ہے۔ مؤثر قرأت کے لیے جملہ اوصاف خوش خوانی کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔

وحدت تاثر کو قائم رکھنے کے لیے چھوٹی نظمیں عام طور پر پوری کی پوری پڑھی جاتی ہیں۔ البتہ لمبی نظموں کو مربوط ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔ اگر نظم بندوں پر مشتمل ہو تو ایک وقت میں ایک بند پڑھنا چاہیے پوری نظم کا پڑھنا ضروری نہیں۔ نظم یوں پڑھنی چاہیے کہ طلبہ کو نظم سنتے ہوئے اُسے سمجھنے میں دقت نہ ہو اور استاد کی قرأت کے بعد وہ خود اسی انداز میں نظم پڑھ سکیں۔ بعض اوقات نظم کی ایک قرأت کافی نہیں ہوتی۔ نظم کا تاثر بڑھانے اور اس کی تفہیم کو سہل بنانے کے لیے معلم کو دو مرتبہ قرأت کرنا پڑتی ہے۔ معلم کو ایسی صورتوں میں شروع ہی میں نظم کو دو مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ پڑھتے وقت معلم کو نظم کی بحر کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ لمبی بحریں بالعموم مترنم ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے کا انداز چھوٹی بحر کی نظموں سے مختلف ہوگا۔

استاد کے نمونہ قرأت کے بعد طلبہ کی نظم خوانی کی باری آتی ہے۔ بچے عام طور پر استاد کے ہی انداز میں نظم پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ

اِن کی حوصلہ افزائی کرے۔ نظم خوانی کے دوران میں بچوں کو ٹوکنا نہیں چاہیے۔ شعر کا وزن ٹوٹے گا تو بچے خود اس کو صحیح کر لیں گے اور اگر بچے خود اپنی اصلاح نہ کر سکیں تو معلم دوسرے بچوں کی مدد سے اِن کی اغلاط کی تصحیح کر دے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اصلاح کے وقت معلم کا رویہ مشفقانہ ہو۔ وہ غلطی کا ارتکاب کرنے والے بچے کا مذاق اور تمسخر نہ اُڑائے۔

۴۔ تفہیم نظم :- نظم کی قرأت کے بعد اِس کی تفہیم کا نمبر ہے۔ بعض اساتذہ تو یہ غلطی کرتے ہیں کہ خود پڑھتے چلے جاتے ہیں مشکل الفاظ کے معانی خود ہی بتاتے جاتے ہیں۔ شعر کی تشریح بھی خود ہی کر دیتے ہیں اور یوں پوری نظم پڑھا دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ تدریس کالج کی جماعتوں کے لیے تو شائد درست ہو لیکن ثانوی جماعتوں کے طلبہ قطعاً اس طریقے سے مستفید نہیں ہوتے۔ دوسرا طریقہ جو اکثر دیکھنے میں آتا ہے وہ یہ کہ طالب علم سے شعر پڑھوا لیا او مطلب خود بیان کر دیا۔ یہ طریقہ بھی اتنا ہی ناقص ہے کیونکہ اس میں بھی طالب علم کی حیثیت تقریباً خاموش سامع کی سی ہوتی ہے۔ سبق کی کامیابی اور طلبہ کا فائدہ اِن کے عملی اشتراک اور ذاتی تعاون پر موقوف ہے۔ استاد کی حیثیت بازاری خلاصے اور شرح کی نہیں ہے کہ ہر لفظ کے معنی اور شعر کی تشریح اس کی کی طرف سے ہو۔ معلم کی حیثیت ایک راہبر اور راہنما کی ہے۔ اس کا کام معانی بتانا نہیں بلکہ معانی اخذ کرانا ہے، شعر کی تشریح کرنا نہیں کرانا ہے۔ استاد کا فرض ہے کہ وہ موزوں سوالات کے ذریعے طلبہ سے شعر کا مفہوم اخذ کرائے، مرکبات کا تجزیہ کرا کے اِن کا مطلب سمجھائے۔ مثلاً نسیم سحر، تبسم گل، ویرانی دشت، فلک نیلگوں، شادابی چمن ایسے مرکبات کا تجزیہ بچے اپنی کوشش سے کریں۔ بچہ جو معنی اپنی ذاتی کاوش سے دریافت کرتا ہے اس میں وہ دوگونہ مسرت محسوس کرتا ہے۔ اور یہ معانی اُسے دیر تک یاد رہتے ہیں۔

۵۔ تشبیہات و استعارات : اشعار میں تشبیہ و استعارے کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اِن کے استعمال سے کلام کی تاثیر بڑھتی ہے۔ اس کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ شعر کو سمجھنے اور اس کے استحسان کے لیے ضروری ہے کہ بچے تشبیہ کے مفہوم، اس کی موزونیت اور نزاکت سے واقف ہو جائیں۔ اچھی اور موزوں تشبیہ کلام کا زیور ہے اور بھونڈی اور نامناسب تشبیہ شعر کا عیب ہے۔ تشبیہات کی طرح اشعار میں تلمیحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔ معلم کو تلمیحات کا پس منظر اور مفہوم طلبہ کو سمجھانا چاہیے۔

۶۔ اشعار کی تشریح : جب نظم کے مشکل الفاظ، تشبیہات و استعارات، مرکبات اور تلمیحات وغیرہ کا مطلب واضح ہو جائے تو اشعار کی تشریح میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آتی۔ استاد کی ذرا سی راہنمائی میں طلبہ شعر کی تشریح کرنے میں کامیاب ہو جاتے

ہیں۔ تشریح کے ذریعے سے بچوں پر شاعر کی بلندیٔ فکر اور رفعتِ تخیل کا بھید کھل جاتا ہے اور شعر کی معنوی خوبیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ معلم کو تمام اشعار کی ایک ایک کر کے تشریح کرانی چاہیے۔ اس کے بعد پورے بند یا پوری نظم کا مجموعی مفہوم اخذ کرانا چاہیے۔ آخر میں بچوں پر یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ نظم زیرِ مطالعہ کا مرکزی نقطۂ خیال کیا ہے اور اگر ہم پوری نظم کا خلاصہ نثر میں بیان کرنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی۔

۷۔ **استحسان:۔** جیسا کہ اوپر ذکر ہوا نظم کا سبق خالص استحسانی سبق ہے اور اس کی تدریس کا بنیادی مقصد بچوں کے ذوقِ استحسان کو نکھارنا اور ان کی ادبی اور تنقیدی صلاحیتوں کو جلا دینا ہے۔ استحسان کا آغاز یوں تو نظم خوانی کے ساتھ ساتھ ہو جاتا ہے۔ جوں جوں استاد اور طلبہ شعر پڑھتے جاتے ہیں وہ اس کی غنائیت، اس کے ترنم اور اس کی لے اور بندش سے لطف اندوز ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن یہ استحسان نظم کی ظاہری خوبیوں کی حد تک ہوتا ہے۔ نظم کی معنوی خوبیوں کا استحسان اس وقت شروع ہوتا ہے جب طلبہ اشعار کے مفہوم و مطالب سے پوری طرح آگاہ ہو جاتے ہیں۔

استحسان سے مراد بچوں کے ذوقِ شعر کو نکھارنا اور ان کی تنقیدی قوتوں کو بروئے کار لانا ہے۔ استحسان صرف بڑے درجے کے طلبہ تک محدود نہیں بلکہ استحسان کا جذبہ اور شعور نچلی جماعتوں کے طلبہ میں بھی موجود ہوتا ہے اور اسے مزید جلا دی جا سکتی ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ استحسان کے پہلو کو ہر سبق میں نگاہ میں رکھے اور ہر جماعت کے طلبہ کے ذہنی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے رفتہ رفتہ ان کے ذوقِ تنقید اور استحسانی شعور کی تربیت کرتا چلا جائے۔

۸۔ **قرأتِ ثانی:** اشعار کی تفہیم و تشریح اور استحسانی سوالات کے بعد اگر پوری نظم کو دوبارہ پڑھ دیا جائے یا کسی اور طالب علم سے اُسے پڑھوا لیا جائے تو طلبہ اس نظم سے اور بھی متاثر ہوں گے اور اُن کا یہ تاثر زیادہ گہرا اور دیرپا ہوگا۔ ایسی نظم سننے سے جس کے ایک ایک شعر کا مفہوم واضح ہو، ایک خاص لطف آتا ہے اور یہی لطف استحسان کی روح ہے لہٰذا استحسانی نقطۂ نظر سے نظم کی قرأتِ ثانی نہایت ضروری ہے۔

۹۔ **اعادہ:** اگرچہ قرأتِ ثانی بھی نظم کے اعادے کی ایک صورت ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ معلم قرأتِ ثانی کے بعد نظم کے بارے میں مجموعی حیثیت سے سبق کا جائزہ لے لے تاکہ سبق میں پڑھی ہوئی باتیں دو چار منٹ میں دہرا لی جائیں جو مطالب ابھی پوری طرح ذہن نشین نہیں ہوئے وہ اعادے کے ذریعے سے ذہن میں بیٹھ جائیں۔ اعادے میں کسی خاص شعر کی تشریح، پوری نظم کا خلاصہ، کسی تلمیح کا پس منظر، کسی تشبیہ کی وضاحت، کسی واقعے یا منظر کا بیان

پوچھا جا سکتا ہے۔

سب سے آخر میں معلم کو چاہیے کہ وہ بچوں کے شعری ذوق کی تربیت کے لیے انہیں چند اچھے شعر یاد کرنے کی ترغیب دے۔ انہیں بتائے کہ شعر سے تحریر اور گفتگو میں رنگینی اور ذوق پیدا ہوتا ہے، بات کی تاثیر بڑھتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ شعر یاد کرانے میں جبر یا سختی ہرگز نہ ہو ایک شفیق اور صاحبِ ذوق استاد یہ مقصد محض ترغیب سے حاصل کر لیتا ہے۔ [۳]

---

[۳] ڈاکٹر اصغر علی شیخ، تدریس اردو ص ۱۲۹ تا ۱۳۴

باب ۹

تدریسِ نثر

تدریسِ نثر کا مقصد یہ ہے کہ بچوں میں صحیح اُردو بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ اِن کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کر کے انہیں تحریری و تقریری اظہار کرنے کے اہل بنایا جائے، اِن کی ذہنی نشو و نما کی جائے اور زیر تدریس سبق کو اِن کے ذہن نشین کرایا جائے۔ اِس کے علاوہ تدریسِ نثر کا ایک افادی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں خیال اور اظہار کی تربیت کے ساتھ ذہنی ارتقار کی بھی نشو و نما جاری رہتی ہے۔ ذہنی ارتقار، خیالات کی فراوانی اور خیالات کا وجود الفاظ کا سہارا چاہتا ہے اور الفاظ کا سہارا مطالعے ہی سے ممکن ہے۔ اس لیے لازمی ہے کہ ہم نئی نسل کے ذوقِ مطالعے کی تربیت کریں۔

مطالعے کی دو صورتیں ہیں۔ گہرا مطالعہ اور سرسری مطالعہ۔ یہ دونوں قسمیں کیفیت کے لحاظ سے ہیں صوت کے لحاظ سے اس کی دو نوع ہیں۔

(۱) مطالعہ بالجہر (۲) مطالعہ خاموش

مواد کی نوعیت کی رو سے اس کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) مطالعہ نثر (۲) مطالعہ نظم
(۳) مطالعہ افسانہ (۴) مطالعہ تمثیل
(۵) مطالعہ تاریخ ادب اُردو (۶) مطالعہ لغت

اس کے علاوہ اس کی چند اور قسمیں بھی بتائی جاتی ہیں یعنی:-

(۱) مطالعہ بغرض تفریح (۲) مطالعہ علمی
(۳) مطالعہ زیر نگرانی اور مطالعہ آزاد

ذیل میں مطالعے کی اقسام کا مختصر سا تعارف درج ہے۔

گہرا مطالعہ اس قسم کا مطالعہ ابتدائی اور ثانوی درجے کی جماعتوں میں اکثر و بیشتر جاری رہتا ہے۔ اِس میں عبارت زیر مطالعے کی ہر لحاظ سے پوری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں عبارت کی قرأت، الفاظ کا تلفظ، الفاظ کے معانی، مرکبات کی تشریح و توضیح، صرفی و نحوی نکات، محاورات کا استعمال، مفہوم کی تصریح و تلخیص، اسلوب بیان کی خصوصیات

اقدار اور خیالات کی نوعیت وغیرہ کے سلسلے میں اقدام کیا جاتا ہے۔

سرسری مطالعہ: یہ ایسا مطالعہ ہوتا ہے کہ جس میں وقت کم سے کم خرچ ہوتا ہے اور عبارت سے مفہوم بغیر آواز کے جلد از جلد اخذ کیا جاتا ہے۔ یہ تمام منزلوں میں حسب ضرورت جاری رہتا ہے۔

مطالعہ بالجہر: اس سے مراد ایسی قسم کا مطالعہ ہے جس میں عبارت کو باآواز بلند پڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مطالعہ عموماً ابتدائی جماعتوں میں ہوتا ہے اور قدرے ثانوی منزل کی ابتدا میں جاری رہتا ہے۔

مطالعۂ خاموش: اس سے ایسا مطالعہ مراد ہے۔ جس میں کسی قسم کی آواز نہیں کی جاتی بلکہ خاموشی سے عبارت پڑھ کر مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کا مطالعہ عموماً ابتدائی منزل کی آخری جماعتوں سے شروع ہوتا ہے۔ اور ثانوی جماعتوں میں مقصدِ تدریس بن جاتا ہے۔ سرسری مطالعہ اسی کی ایک نوع ہے۔

مطالعۂ نثر: اس میں نثر کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس کا مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

مطالعۂ نظم: اس میں نظم زیر مطالعہ آتی ہے اور اس کا مفہوم و مطلب سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مطالعۂ افسانہ: اس میں موادِ مطالعہ افسانہ یا ناول ہوتا ہے۔

مطالعۂ تمثیل: اس میں تمثیل (ڈرامہ) موادِ مطالعہ ہوتی ہے۔

مطالعۂ تاریخ ادب اُردو: اس میں ادب اُردو کے تاریخی ادوار کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

مطالعۂ لُغت: اس سے الفاظ کے تلفظ اور معنی کی تحقیق کی جاتی ہے۔

مطالعۂ بغرض تفریح: وقت صرف کرنے کے لیے یا ذہنی تکان اور کوفت دور کرنے کے لیے یا فقط دلچسپی کے لیے جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ اسے مطالعہ بغرض تفریح کہتے ہیں۔

مطالعۂ علمی: وہ مطالعہ جو معلومات اور واقفیت بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے اور جس میں کتب خانوں کی کتابیں زیر مطالعہ آتی ہیں۔

مطالعۂ زیرِ نگرانی: وہ خاموش مطالعہ جو مدرس یا مہتمم کی زیرِ نگرانی کیا جاتا ہے

مطالعہ آزاد: وہ مطالعہ جو کسی کی نگرانی یا قید و بند کے بغیر اپنی مرضی سے کیا جائے۔

اِن تمام قسموں پر نظرِ غائر ڈالی جائے تو ان سب میں سے اہم نوعیتِ مواد کی رُو سے مطالعہ نثر و مطالعہ نظم اور کیفیت و صوت کے لحاظ سے گہرا مطالعہ اور خاموش مطالعہ نظر آتے ہیں۔ باقی سب انہی کی تحتی اور ذیلی قسمیں ہیں۔ مواد مطالعہ کی خواہ کوئی قسم ہو۔ وہ یا تو نثر ہوگی یا نظم یا مخلوط۔ اس طرح افسانہ، تمثیل، تاریخ ادبِ اُردو، تفریحی مطالعہ، مطالعہ زیرِ نگرانی اور مطالعہ آزاد۔ سب مطالعہ نثر و نظم میں آجاتے ہیں۔ گہرا اور سرسری مطالعہ بھی نظم و نثر کا ہی ہوتا ہے۔ مطالعہ بالجبر گہرے مطالعے کے ضمن میں اور سرسری مطالعہ، مطالعہ خاموش کے ضمن میں آتا ہے اور یہ بھی نثر و نظم سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لیے اِن کی بحث بھی مطالعہ نثر و نظم کے ضمن میں ہی ہونی چاہیے۔ لیکن افسانہ، تمثیل اور تاریخ ادب اپنی نوعیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ اس لیے اِن کی بحث نظم و نثر سے علیحدہ ہوتی ہے۔[1]

تدریسِ نثر کا مطالعہ

تدریس نثر کے عمل کو ہم مندرجہ ذیل اجزاء میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) قرأت عبارت (۲) تفہیم عبارت

(۳) نئی لسانی عادات (۴) ذخیرہ الفاظ

قرأت عبارت: درست قرأت کا مطلب " درست لسانی عادات کی نشوونما ہے۔ اس لیے اس اجزا میں تفہیم عبارت اور نئی لسانی عادات دونوں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرأت عبارت کی بنیاد ہمیشہ "تقریری عمل" پر رکھنی چاہیے کیونکہ تقریر کی حوصلہ افزائی بچے کو کھل کر بات کرنے کا موقع مہیا کرتی ہے اور بچہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار اپنے ذخیرہ الفاظ اور معلومات کے مطابق کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ عمل ہے جہاں سے اصلاح شروع ہوتی ہے۔ بچے نے اپنے فقرے میں تلفظ کی غلطی کی۔ استاد نے بغیر نشاندہی کے وہی فقرہ درست تلفظ کے ساتھ دہرا دیا یا اس لفظ کو تفہیم عبارت کے ساتھ درست تلفظ کے ساتھ کہا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ خود استاد کا اپنا شین قاف درست ہو۔

تفہیم عبارت اور لسانی عادات کی نشوونما: تفہیم کے معنی ہیں سمجھنا۔ یعنی کسی بات کو اس طرح ذہن نشین کرنا کہ اس کا مطلب واضح طور پر محفوظ ہو جائے۔ پڑھنے کے دوران میں کئی باتیں ایسی آتی ہیں جو بچے کے علم میں پہلے سے نہیں تھیں۔ اگر وہ ان باتوں کو سرسری طور پر پڑھ جائے گا تو ظاہر ہے کہ تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ بچے کے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اس لیے استاد کو چاہیے کہ وہ نئی نئی باتوں مثلاً "نئے" الفاظ،

[1] سلیم فارانی، اردو زبان اور اسکی تدریس، ۱۴۶ تا ۱۵۴

نئے محاورے، نئی ترکیبیں، وغیرہ بچوں کو اس پیرائے میں سمجھائے کہ اس کی سمجھ میں آجائیں۔ اور بچہ حقیقی معنی میں علم حاصل کرے۔

تفہیم کی مناسب تعلیم کے لیے استاد مندرجہ ذیل اقدامات کرسکتا ہے۔

(۱) کوئی بات جو بچوں کی ذہنی سطح سے اونچی ہو یا جسے بچے اپنے گردو پیش دیکھتے تو ہیں مگر اس کا کوئی اثر لازمی طور پر نہیں لیتے ۔یوں ہی گذرنے نہ دی جائے۔ بلکہ استاد سوالوں کے ذریعے معلوم کرے کہ وہ بات بچوں کے علم میں ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو آسان جملے کرے نیز سمجھ میں آنے والی باتیں اور متعلقہ بچوں کے ذخیرہ الفاظ کو مدنظر رکھے۔

(۲) مختلف سوالات کے ذریعے بچوں کی تفہیم کا جائزہ لیا جائے۔

(۳) اگلے روز بھی اعادے کے دوران میں معلوم کیا جائے کہ جو نئی باتیں بچوں نے پچھلے سبق میں پڑھی ہیں وہ انھیں یاد ہیں یا نہیں۔

ذخیرۂ الفاظ

ہر بچے کے ذہن میں کچھ الفاظ محفوظ ہوتے ہیں جو اُس نے اپنے ماحول سے یا اپنے گھر کے افراد سے سیکھے ہوتے ہیں جو بچے مدرسے میں پڑھتے ہیں وہ وہاں سے نئے نئے الفاظ سیکھتے اور انہیں حافظے کی مدد سے ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ بچے کو جتنے الفاظ معلوم ہوتے ہیں یا جن کا مفہوم وہ سمجھتا ہے ان کی تعداد بچے کا ذخیرہ الفاظ کہلاتا ہے یہ ذخیرہ الفاظ علم حاصل کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ اس کی مدد سے خیالات کا اظہار تحریری یا تقریری طور پر آسانی اور کامیابی سے ممکن ہوتا ہے جس بچے کا ذخیرۂ الفاظ کم ہوتا ہے وہ اتنا ذہین نہیں ہوتا جتنا وہ بچہ ہوتا ہے جس کا ذخیرۂ الفاظ نسبتاً زیادہ وسیع ہوتا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ کی اہمیت

انسان کے ذہن میں جس قدر خیالات اُٹھتے ہیں اور وہ اُن کا اظہار و ابلاغ چاہتا ہے، اِن کی مرئی صورت الفاظ ہی ہیں۔ گویا الفاظ خیالات کی تصویر ہیں۔ اس لیے زبان کی تدریس میں سب سے اہم 'الفاظ' کی تدریس ہے۔ فرد اپنے خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ وہ دوسروں کے خیالات سمجھنے اور اور قبول کرنے کے لیے بھی الفاظ اور ان کے معانی ہی کو کارگر سمجھتا ہے جتنا ذخیرہ الفاظ زیادہ ہوگا، اتنا ہی اظہار پر قدرت بڑھے گی، نیز کتب کا مطالعہ، اشعار کی تفہیم اور خیالات کی ترتیب پر گرفت مضبوط ہوگی۔ گویا تدریس زبان میں ذخیرہ الفاظ کی اہمیت دیگر امور کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

ذخیرہ الفاظ کی اقسام

ماہرین ذخیرہ الفاظ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ نظری اور عملی۔ صورت اس کی یہ ہے کہ متعلم کے احاطۂ اختیار میں

کچھ ذخیرۂ الفاظ ایسا ہوتا ہے جسے وہ دورانِ مطالعہ، سیاق و سباق اور دیگر امور کے حوالے سے بخوبی سمجھ لیتا ہے لیکن خود اِن کا استعمال کبھی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ بے دھڑک اپنی گفتگو اور تحریر میں اکثر استعمال کرتا رہتا ہے، وہ اس کی زبان یا قلم پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے ذخیرۂ الفاظ کو عملی ذخیرہ الفاظ کہا جاتا ہے۔

نظری یا کتابی ذخیرۂ الفاظ، عملی ذخیرۂ الفاظ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ تدریس زبان میں دونوں قسم کے ذخیرۂ الفاظ میں وسعت مطلوب ہوتی ہے۔ نظری ذخیرۂ الفاظ، وسعت مطالعہ اور سماعت سے بڑھتا رہتا ہے۔ مگر استاد کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ الفاظ نظری دائرے سے نکل کر عملی حدود میں شامل ہوتے رہیں۔

پس ذخیرۂ الفاظ میں وسعت کا عمل نظری یا کتابی ذخیرے ہی سے شروع ہوگا۔ مطالعے اور سماعت سے نظری ذخیرہ الفاظ میں اضافہ بدستور ہوتا رہے گا اور معلم، اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرے گا لیکن اِس ذخیرے کو عملی ذخیرے میں منتقل کرنے کے لیے معلم، جدوجہد جاری رکھے گا۔ اس کے لیے تحریر و تقریر میں نئے الفاظ کی مشقیں، لغت اور فرہنگ کا استعمال، بیت بازی، الفاظ کا فقرات میں استعمال، خوبصورت عبارتوں اور اشعار کا حفظ کرنا۔ نئے الفاظ کو خوشخط لکھ کر استاد کو دکھانا، ریڈیو، ٹیلیویژن اور دیگر ذرائع سے نئے الفاظ سن کر اِن کے معانی لغت میں استعمال کرنا چند مفید ذرائع ہیں۔

الفاظ کے انتخاب کے اصول

نسل انسانی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ الفاظ کا بھی ارتقا ہوتا ہے۔ وہ اقوام جو نت نئے نظریات چاہے وہ سائنس سے متعلقہ ہوں یا فلسفے سے، پیش کرتی رہتی ہیں اِن کے ذخیرۂ الفاظ میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اِس کے برعکس جو اقوام تنزل کی طرف رواں ہوں اِن کے ہاں ذخیرۂ الفاظ آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے یہ تو صرف ذخیرہ الفاظ کی اہمیت کے پیش نظر بیان کیا گیا۔ مقصود اِس سے یہ ہے کہ معلم، کوئی بھی ایسا موقع جو نئے الفاظ کی شناسائی کا ہاتھ آئے، ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اپنے متعلمین کی اس سلسلے میں ہر ممکن مدد اور رہنمائی کرتے رہنا چاہیے۔ الفاظ کے انتخاب میں مندرجہ ذیل اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے:۔

۱۔ الفاظ، متعلمین کی عمر، درجے، ذہانت اور استطاعت کے مطابق ہوں۔

۲۔ الفاظ متعلمین کے ماحول سے متعلق ہوں تاکہ وہ اِن سے عملی فوائد حاصل کر سکیں۔

۳۔ ابتدا مفرد الفاظ سے ہو اور آہستہ آہستہ مجرد الفاظ اور خیالات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔ الفاظ کی توسیع کے لیے مختلف اجزائے کلام کی تدریس بیک وقت کی جائے۔

۵۔ ہم معنی الفاظ کو یکجا کرنے کی مشق کرائی جائے۔ اس طرح الفاظ اپنے استعمال کے حوالے سے آسان معلوم ہوں گے۔

(۶) ایک ہی مادہ سے اشتقاق شدہ الفاظ یکجا کر کے طریق اشتقاق پر روشنی ڈالی جائے۔

(۷) پرندوں اور جانوروں سے متعلق الفاظ تصاویر کی مدد سے ذہن نشین کرائے جائیں۔

(۸) دوسرے مضامین سے متعلق الفاظ، مثلاً سائنس، جغرافیہ، تاریخ، شہریت و اسلامیات کی اصطلاحیں، ایسے اسباق سے مربوط کی جائیں، جو نصابی کتب میں شامل ہیں۔

(۹) مرکباتِ اضافی اور مرکبات توصیفی، قواعد کے اسباق میں، نصاب کی ذیلی مشقوں کے ساتھ ذہن نشین کرائے جائیں۔

(۱۰) مختلف رشتے، پیشے، پیشہ وروں کی اصطلاحات، آداب و سلام کے الفاظ بھی انشائے تحریری کی مشقوں میں روشناش کیے جائیں۔

ذخیرہ الفاظ کی وسعت کے لیے مندرجہ ذیل تین نکات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔

(ا) الفاظ ہمیشہ جملوں میں استعمال کرائے جائیں۔ تاکہ ان پر متعلمین کی گرفت مضبوط ہو جائے۔

(ب) استعمال بالکل درست اور بامحاورہ ہو۔ جس سے الفاظ کے بنیادی معانی آشکارا ہو سکیں۔ تشبیہات اور استعدات علیحدہ سمجھائے جائیں، تاکہ الفاظ کے بنیادی معانی کے متعلق طلبہ کا ذہن صاف رہے۔

(ج) استاد ہمیشہ پس منظر میں رہے اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ بولنے اور لکھنے کا موقع مہیا کرے۔[1]

ذخیرہ الفاظ بڑھانے کے طریقے: ذخیرہ الفاظ بڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ درسی کتابوں کے ذریعے: درسی کتاب کے ہر سبق میں نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ استاد ہر نئے لفظ کو اس طرح سمجھائے کہ بچے کا ذہن اُسے قبول کرے۔ بچہ شروع میں ان الفاظ کو سمجھتا ہے جو مقرون اشیا سے متعلق ہوں کیونکہ الفاظ کا ادراک مقرون اشیاء کو دیکھ کر فوراً ہو جاتا ہے۔ لیکن مجرد اشیا سے متعلقہ الفاظ کا ادراک آہستہ آہستہ ان کے استعمال کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لیے بچوں کے ذخیرہ الفاظ میں نئے الفاظ شامل کرنے کے لیے ہر نئے لفظ کا مفہوم مقرون اشیاء کی مدد سے سمجھایا جائے تو وہ لفظ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔

۲۔ تفریحی مطالعے کے ذریعے: استاد تفریحی مطالعہ کے ذریعے بچوں کے ذخیرہ الفاظ میں توسیع کرا سکتا ہے۔ بچہ جب کوئی کتاب تفریح کے لیے پڑھتا ہے تو اسے کئی نئے

۱؎ ڈاکٹر مظفر حسن ملک، اُردو زبان اور اس کی تدریس ص ۲۲۲ تا ۲۲۵

الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے ۔ استاد کو چاہیے کہ وہ بچوں کو اس امر کے لیے آمادہ کرے کہ وہ نئے الفاظ کو ایک نوٹ بک میں لکھتے رہیں اور اگر لغت کا استعمال جانتے ہوں تو لغت سے ان کے معانی دیکھ کر لکھ لیں ۔ ورنہ پھر وہ اپنے استاد سے اِن لفظوں کے بارے میں پوچھیں اور ہر ایک لفظ کے معنی یا مطلب لکھ لیں اس طرح نئے نئے الفاظ اُس کے ذہن نشین ہوتے رہیں گے اور اس کا ذخیرۂ معلومات وسیع ہوتا چلا جائے گا ۔

۳۔ **بچوں کے ریڈیو پروگرام:** بچوں کے ریڈیو پروگراموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں سے بھی ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہے بشرطیکہ یہ ہے کہ نئے الفاظ کا مفہوم بچوں کو بتا دیا جائے اگر سب نئے الفاظ سمجھانا ممکن ہو تو دو چار نئے الفاظ سے ذخیرہ الفاظ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا ۔

تدریس نثر کے طریقے

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ تدریسِ نثر کے تین بڑے مقاصد ہیں ۔

(۱) قرأتِ عبارت (۲) تفہیم عبارت

(۳) نئی لسانی عادات

اِن مقاصد کے حصول کے لیے معلم کو مخصوص طریقِ کار متعین کرنا اور اس پر عمل کرنا پڑتا ہے جس کا عملی نمونہ (عملی اسباق) کی منصوبہ بندی کے زیرِ عنوان گذشتہ باب میں دیا جا چکا ہے یہاں صرف نظری بحث ہوگی ۔

تدریس نثر کا منتہائے مقصود متعلمین میں نئی لسانی عادات کی نشوونما ہے تاکہ طالب علم ہر قسم کا مواد بلا تکلف پڑھ سکے اور سمجھ سکے ۔یعنی جس طرح ایک موٹر ڈرائیور یا ٹائپسٹ بلا جھجک ہر قسم کی کیفیت واحوال سے گذر جاتا ہے ۔ اسی طرح متعلم بھی اس قابل ہو جائے کہ قرأت و تفہیم عبارت اِس کی فطرت ثانی بن جائے اور اس کے لیے اسے بطور خاص تردد نہ کرنا پڑے اور مطالعہ اس کے لیے بارِ ثابت نہ ہو ۔

'عادت' کو فطرت ثانی کہا جاتا ہے ۔ معلّم کا مقصود متعلمین میں ایسی عادات کی تشکیل ہوتا ہے جو مطالعے اور تعلیم کے عمل کو سہل بنا دیں چونکہ تعلیم، فی نفسہ " انتقالِ تربیت ،، کا دوسرا نام ہے، اس لیے استاد کا اپنا شین قاف اور ذوقِ مطالعہ پختہ ہونا چاہیے ۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ نئی عادات، توجہ، ارادے اور مشق سے بنتی ہیں ۔ اگر سبق اتنا غیر دلچسپ ہے کہ متعلم کی طبیعت پر بار گراں گذرے تو وہ متوجہ نہیں ہوگا ۔ اِسی طرح اگر کسی شاگرد کا تحصیل علم کا ارادہ ہی نہیں تو آپ اُسے مشق کے

لیے مجبور نہیں کر سکتے اور اگر مشق نہ ہوگی تو عادات میں پختگی پیدا نہ ہوگی۔ اس لیے اسباق نثر کی منصوبہ بندی میں ان تینوں نفسیاتی پہلوؤں کا خیال رکھنا ہوگا تاکہ متعلمین کے ذوقِ مطالعہ کو جلا ملے اور ادب سے لطف اندوزی کی تربیت کی آبیاری ہو کر مطالعے کے لیے باعث فرحت و انبساط ہو۔

اطمینان، تخلیقی شاہکار کے وجود میں آجانے کے بعد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ایک صناع اپنے شاہکار کی خوبیوں پر مطمئن ہوتا ہے نیز وہ خریداروں اور صارفین کے لیے بھی باعثِ اطمینان ہوتی ہیں بعینہٖ استاد اور شاگرد دونوں ایک کامیاب سبق کے مطابق مطمئن نظر آنے چاہئیں۔ یہی تدریس کا مقصد اولیٰ ہے اور یہی اس کی انتہا ہے کیونکہ اطمینان ہی نئی لسانی عادات کی پختگی کا سبب ہوگا اور ذوقِ مطالعہ کو جلا دے گا۔ توجہ آمادگی اطمینان اور مشق کی چار منزلیں جب تدریس کی اصطلاحوں کے سانچے میں ڈھلتی ہیں تو تمہید اعلانِ سبق یعنی تعین، مدعا، استحسانِ عبارت اور اعادے کے نام پاتی ہیں۔ ذیل میں اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔

ارتکاز توجہ: تمہید کا حسن، دل آویز آغاز، مصنف کی زندگی کے حالات، سبق کا طلبہ کی زندگی اور سابقہ معلومات سے وابستہ ہونا یہ امور طلبہ کی توجہ سبق کی طرف مبذول کرنے کے لیے مفید ہتھیار ہیں، جنہیں معلم کے فن کی چابکدستی صیقل کر دیتی ہے۔

ارادہ یعنی آمادگی: طلبہ کی آمادگی انتقالِ تربیت، کے عمل کو سہل بناتی ہے۔ صرف سبق کا عنوان یا درسی کتاب کا صفحہ بتا دینا کافی نہیں۔ اصل چیز سبق کی اہمیت کا احساس ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی طرف خصوصی توجہ درکار ہے اور کیوں؟ طلبہ کی عملی زندگی میں ان کی تربیت اور علم میں کیا اضافہ ہوگا اور اس کے نتائج کیا نکلیں گے۔ لسانی اور ادبی کیف اور سرور کی زندگی میں کیا مقام ہے؟ اور متعلمین اس سے کس طرح لطف اندوز ہوں گے۔ سبق کو بوجھل بنائے بغیر اور تنقید اور فن کی اصطلاحات کے چکر میں الجھے بغیر ان امور کی نشاندہی طلبہ، استاد اور سبق سب کے لیے مفید ہے۔

استحسان: استحسانِ عبارت طلبہ میں ایک کیفیت اور تاثر پیدا کرنے کا نام ہے جس میں قرأت کے حسنِ معانی کا ابلاغ، تراکیب کا حسن اور اس کی تشریح، تمثیلات اور تلمیحات کی خوبیاں، محاورات اور روزمرّہ کی چاشنی سے متعلمین کو آگاہ کیا جائے۔ طلبہ کی ایسی قرأت اور عبارت کے حسن اور مطالب کی آگاہی ایک ایسے تاثر کی صورت میں جلوہ گر ہوگی کہ اُستاد اور طلبہ دونوں لذت اور اطمینان محسوس کریں گے۔

طلبہ کو خواندگی کے دوران میں ٹوکنا سارا مزہ کرکرا کر دیتا ہے اگر کوئی طالب علم قرأت عبارت کے دوران میں غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اُسے ٹوکنا مناسب نہیں، بلکہ استاد ان الفاظ کی یادداشت

کے لیے انہیں بورڈ پر لکھا جائے اور بعد میں ان کی اصلاح دوسرے طالبعلموں کی مدد سے کر دے۔

پورے اطمینان کے لیے عبارت خوانی، عبارت فہمی، اسلوب بیان کے حسن اور مجموعی تاثر پر طلبہ کی لیاقت کے مطابق سوالات کر کے جائزہ لینا مزید خوشی اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔

مشق:- عادات کی پختگی کے لیے تکرار ضروری ہے۔ طلبہ کا سبق کے تاثر کے متعلق اظہارِ خیال معانی و تشریح کی دوہرائی اور تفہیم کا جائزہ مناسب سوالات کے ذریعے کر کے گھر کا کام دے دینا چاہیے۔

گھر کا کام ایسا ہو کہ طلبہ خود کریں اور اتنا ہو کہ استاد کی کی اصلاح اور پڑتال کر سکے ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کاپیوں کی پڑتال کے علاوہ آموختے پر تنقیدی سوالات جن سے متعلمین کے معیار تحصیل کو پرکھا جا سکے بے حد ضروری ہے۔

تفویض کار میں سبق کا خلاصہ، مشکل الفاظ کے معانی اور ان کا جملوں میں استعمال مشکل عبارتوں کو سلیس زبان میں لکھنا اور تراکیب و تمثیلات کی توضیح شامل ہیں۔ طلبہ جس قدر تخلیقی کام کریں گے آموختے میں پختگی پیدا ہوگی اور علم ان کی زندگی کا حصہ بنے گا۔ اسی کو آپ نئی لسانی عادات کی پختگی کا نام دے سکتے ہیں جو آپ کا گوہر مقصود ہے [1]۔

تدریسِ نثر کے مطالعے کی صورتیں

اُردو عبارت کے پڑھنے اور سمجھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عبارت کو اچھی طرح لہجہ و تلفظ کے ساتھ پڑھ کر اُس کے الفاظ اور جملوں کے مطالب کو با وضاحت سمجھ کر مفہوم کی تفصیل اور اظہار کی خوبی سمجھی جائے۔ دوسری یہ کہ اُردو کی عبارت کو سرسری طور پر خاموشی سے پڑھ کر صحیح مفہوم جلدی سے اخذ کر لیا جائے۔

پہلی صورت میں نثر کا گہرا مطالعہ کہلاتا ہے اور دوسری صورت میں نثر کا خاموش یا سرسری مطالعہ کہلاتا ہے۔

لیکن ان دونوں صورتوں کے علاوہ معلم طلبہ کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ آزادانہ طور پہ زائد مطالعہ کریں۔

اِس لیے تدریسِ نثر کے مطالعے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) گہرا مطالعہ۔

(۲) خاموش مطالعہ۔

---

[1] ایضاً ص ۲۳۰ تا ۲۳۴

گہرا مطالعہ

اس میں مندرجہ ذیل اقدامات ہوتے ہیں۔

(۱) قرأت عبارت (۲) تفہیم عبارت

(۳) استحسانِ عبارت

ابتدائی جماعتوں میں قرأت عبارت پر اور کسی قدر تفہیم عبارت پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ وہاں قرأت عبارت ہی کو زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ ثانوی جماعتوں میں قرأت عبارت اور تفہیم عبارت دونوں پر زور دیا جاتا ہے اور اعلیٰ جماعتوں میں تینوں پر زور دیا جاتا ہے۔

گہرے مطالعے کے تدریسی عمل میں قرأت عبارت کی کامیابی کی خاطر مدرس کو خود نمونہ قرأت دینا پڑتا ہے اور پھر طلبہ سے پڑھوا کر اصلاح تلفظ یا دیگر نقائص عبارت خوانی کی درستی کرنی پڑتی ہے۔ تفہیم عبارت میں سوال و جواب سے کام لینا پڑتا ہے اور استحسانِ عبارت میں سوال و جواب کے علاوہ دوبارہ عبارت خوانی کرنی پڑتی ہے تاکہ افہام و تفہیم کے بعد عبارت خوانی کا صحیح ادبی اثر اور لسانی لطف ظاہر ہو اس لحاظ سے گہرے مطالعے کے مندرجہ ذیل اقدامات ہونے چاہئیں۔

۱۔ **تمہید :** تمہید کے لغوی معنی فرش بچھانے یا کسی کے استقبال کرنے کے ہیں۔ اس جگہ تمہید سے تقریر یا تحریر کا وہ عمل مراد ہے جو بچوں کی سابقہ معلومات اور زیرِ تدریس سبق میں رابطہ پیدا کرتا ہے۔ تمہید کے ذریعے بچوں کی معلومات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تدریسی اقدامات میں تمہید کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور کامیاب تمہید کو عموماً سبق کی کامیابی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے یہ جو کسی نے کہا ہے کہ جس کام کا آغاز اچھا ہوتا ہے بالعموم اُس کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے کچھ غلط نہیں ہے۔ اچھی تمہید فی الواقع سبق کو کامیاب بنانے میں بڑی مدد کرتی ہے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر بچے شروع میں سبق سے دلچسپی لیتے ہیں تو پھر ان کا انہماک ہر لمحہ بڑھتا جاتا ہے اور پورے سبق کو بڑے غور و خوض اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ اس کے برعکس بے ربط اور خشک بے کیف اور غیر دلچسپ تمہید بچوں کو سبق سے نفرت اور الجھن پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے ہر سبق کی تمہید کے لیے معلّم کو خاص محنت اور توجہ سے کام لینا چاہیے۔ تمہید کی ترتیب کے لیے کوئی خاص اصول متعین نہیں کیے جا سکتے۔ ذہین اور طباع معلم ہر سبق کے لیے دلچسپ تمہید تیار کر سکتا ہے۔ تصویر و ماڈل۔ چارٹ۔ خاکہ۔ نقشہ۔ کہانی۔ تصویری کہانی اور سوال و جواب غرض ہر چیز سے تمہید میں مدد لی جا سکتی ہے اور معلم ضرورت و خواہش کے مطابق اِن میں سے کسی بھی طریقہ کار یا مختلف اشیائے امدادی سے مدد لے سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ تمہید میں جو چیزیں پیش کی گئی ہوں یا جو چیزیں بطور سوال سامنے لائی گئی ہوں وہ بچوں کی دلچسپی

اِن کی معلومات اور زیر تدریس سبق کے نفسِ مضمون سے گہرا تعلق رکھتی ہوں۔ لیکن تمہید پر زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہیں ہے۔

تمہید سبق کی طرف رجوع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اسے سبق کا جز و خیال نہ کرنا چاہیے زیادہ سے زیادہ دو تین منٹ تمہید کے لیے دینا چاہیے اور اس کے بعد اصل سبق کا آغاز کر دینا چاہیے اس جگہ ایک اور بات کہنا ضروری ہے۔ بعض معلمین تمہید سے سبق کا عنوان اخذ کرنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے عنوان کو نہیں بلکہ نفسِ مضمون کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور عنوان اخذ کرانے کی کوشش میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔

تمہید کے بعد جب یہ اندازہ ہو جائے کہ طلبہٗ تدریس کے لیے ذہنی طور پر

۲۔ اعلانِ سبق: آمادہ ہو گئے ہیں تو سبق کا اعلان کر دینا چاہیے اور طلبہ سے کہنا چاہیے کہ وہ اپنی درسی کتاب کا فلاں سبق کھولیں۔ اس جگہ معلم کو سبق کے نفسِ مضمون کی اہمیت پر روشنی ڈالنا چاہیے۔ مثلاً اگر "اقبال" کے عنوان کا سبق پڑھانا ہے تو سبق کی قرأت سے پہلے اقبال کی شخصیت اور شاعری کا مختصر تعارف طلبہٗ سے کرایا جائے۔ اِن کی شاعرانہ عظمت کو چند لفظوں میں اجاگر کیا جائے اور اِن کی قومی اور ملی خدمات کی طرف توجہ دلائی جائے اُن کی زندگی اور سیرت کے بعض ایسے دلچسپ اور اہم پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو طلبہ کی دلچسپی کا سبب ہوں۔ اِس سے یہ فائدہ ہوگا کہ طلبہ کو سبق کی اہمیت کا احساس ہو جائے گا اور وہ سبق کو ذوق و شوق کے ساتھ پڑھنے کو تیار ہو جائیں گے۔

۳۔ استحضار:۔ تدریس کے اس مرحلے کے بہت سے مدارج ہیں۔

الف: قرأتِ عبارت پیشتر اس کے کہ طلبہٗ کو عبارت کی قرأت کی دعوت دی جائے مناسب یہ ہوگا کہ استاد خود نمونۂ قرأت پیش کرے اور اس میں خوش خوانی کے تمام اوصاف کو ملحوظ خاطر رکھے۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ اس دوران میں معلم کے نمونۂ قرأت کو توجہ سے سنیں تاکہ وہ بعد میں اسی نثر پارے کو اسی انداز اور لب ولہجے کے ساتھ پڑھ سکیں۔ نمونۂ قرأت کے بعد دو ہی نکڑا دو تین طلبہ سے باری باری پڑھوایا جائے۔ معلم کو چاہیے کہ تلفظ کی اغلاط کی صورت میں طلبہٗ کو ٹوکنے کی بجائے اغلاط کو تختۂ سیاہ پر نوٹ کرتا جائے اور قرأت ختم ہونے کے بعد طلبہ ہی کی مدد سے اِن کی تصحیح کرائے نیز اِس طالب علم سے جو غلطی کا مرتکب ہو، اس غلطی کی تصحیح اور مشق کرانا ضروری ہے۔ تلفظ کی تصحیح کی صورت میں الفاظ کے مختلف حروف پر اعراب لگانے چاہییں۔ وسطانی جماعتوں میں حسبِ ضرورت تلفظ کی اجتماعی مشق بھی کرائی جا سکتی ہے۔ انفرادی مشق بہر حال لازمی ہے۔ اصلاحِ تلفظ کے بعد یہ مناسب ہوگا کہ دو تین طلبہ سے اسی نثر پارے

ؒ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، تدریسِ اُردو ص ۲۴۰ تا ۲۴۲

کی دوبارہ قرأت کرادی جائے تاکہ اصلاح تلفظ کے ساتھ ساتھ باقی اوصاف خوش خوانی کا بھی جائزہ لیا جا سکے۔

ب: تفہیم عبارت قرأت کے بعد اگلا درجہ تفہیم کا ہے۔ تفہیم سبق کی روح ہے۔ اگر بچے بغیر مطلب سمجھے کوئی عبارت پڑھتے ہیں تو ان کی قرأت کتنی ہی معیاری کیوں نہ ہو وہ محض الفاظ کی ادائیگی کہلائے گی، قرأت نہیں! قرأت کا مطلب تو یہ ہے کہ بچے جو کچھ پڑھیں اور اپنی زبان سے ادا کریں وہ اُس کا مطلب بھی سمجھیں۔ تفہیم کا تقاضا یہ ہے کہ بچے نہ صرف تمام مشکل الفاظ کے، جو کسی نثر میں استعمال ہوتے ہیں معانی جانیں بلکہ اِن کے محل استعمال سے بھی آگاہ ہوں اور ان کے استعمال پر قادر ہو جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے معلم طالب علم کے نقطہ نظر سے سبق کے مشکل الفاظ کا انتخاب کرے۔ انہیں دورانِ سبق تختہ تحریر پر لکھتا چلا جائے اور پھر طلبہ ہی کے تعاون سے ان کے معانی اخذ کرائے۔ معانی اخذ کرانے کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً محسوس اشیاء کی طرف اشارہ کر کے، تصویریں، خاکے یا ماڈل دکھا کر، مناسب حرکات جسمانی کے ذریعے، مشکل الفاظ کے معانی بذریعہ مترادفات بھی بتائے جا سکتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مشکل الفاظ اور محاورات کو فقروں میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اِن لفظوں اور محاوروں کا مطلب خود بخود واضح ہو جائے۔ طلبہ میں یہ مہارت پیدا کی جائے کہ وہ عبارت زیرِ مطالعہ کے جملوں کو توجہ سے پڑھیں اور سیاق و سباق کی مدد سے مشکل الفاظ کے معانی سمجھیں۔

اخذ معانی کے بعد اگلا مرحلہ مرکبات کی تشریح کا ہے۔ اس ضمن میں معلم کو چاہیے کہ وہ بعض مشکل الفاظ اور محاورات کو جن کے استعمال پر قادر ہونا طلبہ کے لیے ضروری ہو۔ طلبہ سے جملوں میں استعمال کروائے۔ یہ سرگرمی جماعت میں استاد کی نگرانی میں بھی ہونی چاہیے اور اسے گھر کے کام کے طور پر بھی تفویض کیا جانا چاہیے۔ نثر پارے میں جن جن محاورات، تشبیہات و استعارات اور تلمیحات کا ذکر آیا ہے، اِن کی وضاحت اور ان کے استعمال سے واقفیت دلانا بھی نہایت ضروری ہے۔

عبارت کے مشکل مقامات کی تشریح و توضیح کے بعد معلم کو چاہیے کہ وہ عبارت کے مفہوم کے بارے میں بچوں سے سوالات کیے۔ ایسے سوالات جن کی مدد سے معلوم ہو سکے کہ آیا طلبہ عبارت کا مفہوم سمجھ گئے ہیں یا نہیں۔ اِن سوالات کے ذریعے سے پیرے میں بیان کردہ جزئیات کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے۔ بچوں کو پورے پیرے کا مفہوم یہ خلاصہ بیان کرنے کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ لازم ہے کہ یہ سوالات بڑی محنت سے تیار کیے جائے اور ہر سوال فکر انگیز اور معنی خیز ہو۔

ج: استحسان تفہیم عبارت کے بعد استحسان کا مرحلہ آتا ہے۔ استحسان کا مطلب یہ ہے کہ طلبہ عبارت زیرِ مطالعہ کی معنوی خوبیوں سے لطف اندوز ہوں اور انہیں بیان بھی کر سکیں۔ اس میں مصنف کے سٹائل کو سمجھنا، تشبیہات و استعارات کی موزونیت کی داد دینا، اور

موقع ومحل کے مطابق موزوں ترین الفاظ کے استعمال کی تعریف کرنا شامل ہے۔ کسی نثر پارے کا حقیقی استحسان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ طلبۂ زیر مطالعہ کی مشکلات پر قابو نہ پالیں۔ اسی لیے استحسان کی منزل تفہیم کے بعد آتی ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ طلبۂ میں استحسان کا شعور پیدا کرنے کے لیے نثر پارے میں زورِ کلام، مترادفات کے استعمال، ترتیب خیالات اور نادر تشبیہات واستعارات کے استعمال کی طرف توجہ دلائے۔ یہ کام موزوں سوالات کی مدد سے انجام دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اعادہ: سبق کی تدریس کا آخری اور اہم مرحلہ اعادے یا دہرائی کا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ معلم کو اعادے کے سوالات کے ذریعے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی تدریس کہاں تک کامیاب رہی ہے اور بچے اس کی تدریسی کوششوں سے کس حد تک مستفیض ہوئے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ معلم سبق کے بکھرے ہوئے حصوں کو یکجا کرکے انہیں ایک مربوط وحدت کی شکل دے سکتا ہے۔ اعادہ تنقیدی سوالات کے ذریعے سے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے عمومی سوالات کے ذریعے بھی جن کی مدد سے بچوں کی تفہیم کا جائزہ لیا جاسکے۔ الفاظ ومحاورات کے معانی، ان کی مزید مشق، پورے سبق کا خلاصہ، یہ سب چیزیں اعادے کے اجزا ہیں۔

۵۔ تفویضی کام: سبق کے خاتمے پر معلم کو چاہیے کہ وہ بچوں کو کوئی نہ کوئی مشق یا تخلیقی نوعیت کا کام ضرور تفویض کرے۔ اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور آزادانہ کام کرنے کی عادت پڑھتی ہے۔ پڑھے ہوئے نکات مشق سے مزید ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ طلبۂ کو غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ زبان کے عملی استعمال پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ گھر کا کام دینے کے بعد اس کا جائزہ نہ لینا تعلیمی نقطۂ نظر سے بہت معیوب اور نقصان دہ ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ بچوں کی تفویضات کو نہایت توجہ سے دیکھے، ان کی اصلاح کرے، اغلاط کی وضاحت کرے اور اچھی تخلیقات کی خوب حوصلہ افزائی کرے۔[1]

۲۔ خاموش مطالعہ

نثر خوانی میں خاموش مطالعہ بھی اس قدر ضروری ہے، جس قدر گہرا مطالعہ لیکن افسوس کہ ہمارے اساتذہ اس طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ خاموش مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم عبارت کو بغیر زبان یا ہونٹ ہلائے محض آنکھوں کی گردش سے عبارت زیرِ مطالعہ کو مناسب رفتار سے پڑھ کر اپنے آپ مفہوم سمجھتا جائے۔ خاموش مطالعے کا مقصد طلبہ میں زود خوانی اور مطلب فہمی کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اساتذہ درسی کتابوں کو بالعموم سبقاً سبقاً گہرے مطالعے کے انداز پر جماعت میں پڑھاتے ہیں اور بچوں کو مشکل الفاظ کے معانی بتاتے اور مفہوم سمجھاتے ہیں لیکن درسی کتابوں کے علاوہ باقی تمام

[1] ڈاکٹر اصغر علی شیخ، تدریس اردو ص ۱۱۸ تا ۱۲۲

موادِ مطالعے کی طرف جن میں لائبریری کی، حوالہ جات کی کتابیں، اضافی کتب، رسالے اور اخبارات وغیرہ شامل ہیں بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور ان کے پڑھنے کا طریقہ اور سلیقہ نہیں سکھایا جاتا۔

خاموش مطالعہ اور زائد مطالعہ تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ زائد مطالعہ خاموشی سے کیا جاتا ہے اور اس پر خاموش مطالعے کی تمام شرائط کا اطلاق ہوتا ہے۔ زائد مطالعے کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ کتاب زیرِ مطالعہ اتنی مشکل نہ ہو کہ طالب علم از خود اس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ مشکل کتاب بہر حال گہرے مطالعے کے انداز پر پڑھی جائے گی۔ ماہرینِ تعلیم کی رائے میں ایسی کتابیں جن میں مشکل الفاظ کا تناسب دو فیصد یا اس سے زائد ہو، زائد مطالعے کے لیے موزوں نہیں ہیں۔

بچوں کو خاموش مطالعے کا عادی بنانے اور انہیں اس کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شروع شروع میں خاموش مطالعہ استاد کی نگرانی میں ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ معلم خاموش مطالعے کے لیے کبھی خود موزوں مواد انتخاب کرے اور کبھی انتخاب کا حق طلبہ کو دے کہ وہ بہت سی کتابوں میں سے اپنی دلچسپی اور ذوق کے مطابق انتخاب کرے۔ یہ بھی مناسب ہوگا کہ طلبہ وقت کے لحاظ سے اپنے مطالعے کے لیے چند صفحات کا تعین کر لیں۔

خاموش مطالعے کے چند مراحل ہیں۔ طلبہ اگر ان مراحل کا خیال رکھیں تو ان کا مطالعہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے

۱۔ **سرسری جائزہ** پڑھنا شروع کرنے سے پہلے موادِ زیرِ مطالعہ کا سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ عبارت کی جلی اور ذیلی سرخیوں سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب کا موضوع کیا ہے اور مصنف نے اس عبارت میں کیا کچھ لکھا ہے، کن خیالات کا اظہار کیا ہے اور کن عنوانات پر بحث کی ہے۔

۲۔ **قرأت:** سرسری جائزے کے بعد اصل عبارت کی قرأت شروع کر دی جائے لیکن یہ قرأت خاموش ہوگی، اس میں نہ لب ہلیں گے، نہ زبان اور نہ جوف دہن اس میں لفظ ادا نہیں کیے جاتے بلکہ صرف آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ خاموش مطالعے میں ذہن اور آنکھیں دونوں اعضاء مصروفِ کار ہوتے ہیں۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، دماغ اُس کا مطلب سمجھ کر اُسے محفوظ کر لیتا ہے۔ خاموش مطالعے میں چونکہ ہونٹ اور زبان نہیں ہلانی پڑتی اس لیے بلند آواز پڑھنے کی نسبت قرأت کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ البتہ بہتر یہ ہوگا کہ پڑھتے وقت طالب علم شعوری طور پر تیز پڑھنے کی کوشش کرے اور نگاہوں کو کتاب کے اوراق پر تیزی سے گھمائے لیکن اتنی تیزی سے بھی نہیں کہ وہ لفظوں کے لفظ چھوڑتا جائے اور مفہوم اس کی سمجھ میں نہ آئے۔

۳۔ **جائزہ:** قرأت شروع کرنے سے پہلے متعلم کو چاہیے کہ وہ عبارت زیرِ مطالعہ کو چھوٹے

چھوٹے وحدتوں میں تقسیم کرے۔ ہر وحدت یا ٹکڑے کی لمبائی عام طور پر دو صفحات سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ کتاب کی ذیلی سرخیاں اور عنوانات اِن وحدتوں کے تعین میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ ہر وحدت کی قرأت کے بعد متعلم کو اپنی تفہیم کا جائزہ لینا چاہیے۔ یعنی دو صفحے پڑھنے کے بعد وہ ایک لمحے کے لیے رُکے اور یہ سوچے کہ جو کچھ اُس نے پڑھا ہے اُس کا مطلب سمجھ میں آگیا ہے یا کہ نہیں۔ بعض کتابوں میں ہر باب کے خاتمے پر کچھ سوالات دیے ہوتے ہیں۔ طالب علم اِن سوالات کی مدد سے اپنی تفہیم کا جائزہ لے سکتا ہے۔

جب خاموش مطالعہ استاد کی نگرانی میں ہوتا ہے تبھی طالب علم کی تفہیم کا جائزہ لینے میں مدد کرسکتا ہے اور ہر طالب علم سے الگ الگ سوالات کرکے یہ تاثر قائم کرسکتا ہے کہ طالب علم جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ اُسے کہاں تک سمجھ رہے ہیں۔ بعض اوقات معلّمین کلاس لائبریری سے ایک ہی کتاب کی بہت سی جلدیں حاصل کرکے سب طلبۂ کو وہی کتاب پڑھواتے ہیں۔ اس صورت میں کتاب کے خاموش مطالعے سے قبل معلم تمہیدی گفتگو کے ذریعے اِس کتاب کے مطالعے کے لیے طلبۂ کو تیار کرسکتا ہے اور مطالعے کے خاتمے پر اجتماعی سوالات کے ذریعے بچوں کی تفہیم کا جائزہ بھی لے سکتا ہے۔

۴۔ رفتارِ قرأت: زائد یا خاموش مطالعے میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ طالب علم اپنی رفتارِ قرأت کو تیز رکھے۔ یہ رفتار بآواز قرأت سے بہرحال تیز ہونی چاہیے کیونکہ انسان کے بولنے کی رفتار محض آنکھوں سے دیکھ کر پڑھنے کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ معلم کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ طلبہ میں رفتارِ قرأت کا احساس پیدا کردے اور اِن میں تیزی سے پڑھنے کا رجحان جنم لے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ تمام بچے ایک رفتار سے نہیں پڑھتے اور نہ ہی ہر طالب علم ہر قسم کی کتاب کو ایک رفتار سے پڑھ سکتا ہے۔ رفتار گھٹنے بڑھنے رہنے والی چیز ہے۔ کتاب مشکل ہوئی یا موضوع ثقیل اور غیر دلچسپ ہوا تو رفتار کم ہوگی لیکن اگر کتاب آسان اور مضمون دلچسپ ہوا تو رفتار تیز ہوگی اخبار، رسالہ، کہانی، افسانہ، اِن کے پڑھنے کی رفتار کسی سائنس کی کتاب پڑھنے کے مقابلے میں تیز ہوگی۔ رفتار کو کوشش سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ رفتار کسی جامد شے کا نام نہیں ہے۔ اگر ایک بچہ آج دو سو لفظ فی منٹ کی رفتار سے پڑھتا ہے تو وہی بچہ اس قسم کا مواد ایک ماہ کی مشق کے بعد تین - سو لفظ فی منٹ کی رفتار کے پڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے لہذا یہ بات معلم کے ذہن نشین ہوجانی چاہیے کہ مشق اور کوشش سے بچے اپنی خاموش قرأت کی رفتار بڑھا سکتے ہیں اور یہ مواد کی نوعیت سے گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے۔

۵۔ رفتار کا تعین پڑھنے کی رفتار کا تعین بہت آسان ہے۔ پڑھنے کے آغاز سے قبل یہ جائزہ لیں کہ کتاب کے ہر صفحے پر کتنی سطریں ہیں اور ہر سطر میں اوسطاً

کتنے لفظ۔ مثال کے طور پر ہر صفحے پر ۲۱ سطریں ہیں اور ہر سطر میں اوسطاً 12 تو ہر صفحے پر کل 21×12 = 252 یا 250 ہوں گے۔ اب ایک ایسی گھڑی لیں جس پر سیکنڈ والی سوئی ہو۔ گھڑی سے وقت نوٹ کر کے آپ پڑھنا شروع کر دیں۔ اگر آپ ٹھیک ایک منٹ میں وہ صفحہ ختم کریں تو آپ کی رفتار 250 لفظ فی منٹ ہوگی۔ پوری عبارت زیرِ مطالعہ کی قرأت کے بعد وقت نوٹ کر لیا جائے۔ آخر میں کل صفحات کے الفاظ کا اندازہ بھی لگا لیا جائے مثلاً اگر عبارت دس صفحات پر مشتمل ہے تو الفاظ کی مجموعی تعداد 25×10 = 2500 ہوگی۔ اور اگر اس عبارت کے پڑھنے میں 8 منٹ اور 30 سیکنڈ صرف ہوئے ہوں تو رفتار فی منٹ حسب ذیل قاعدے سے معلوم ہو جائے گی۔ کُل الفاظ ÷ وقت

$$2500 \div \frac{17}{2} = 2500 \times \frac{2}{17} = 294$$

۶۔ رفتار میں اضافہ

مسلسل پڑھتے رہنے اور تیز پڑھنے کی مشق سے رفتار میں اضافہ ممکن ہے۔ رفتار میں اضافے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ میں زود خوانی کا رجحان پیدا ہو جائے اور جس طرح دوڑوں میں حصہ لینے والے کھلاڑی ہر روز وقت کا حساب رکھ کر دوڑ لگاتے ہیں اور کوشش سے دوڑ کے وقت کو کم اور رفتار کو تیز کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اسی طرح پڑھنے میں بھی یہی گر مفید اور کارآمد ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ مطالعہ کرتے وقت گھڑی سامنے رکھیں اور یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ ان کا مقابلہ وقت سے ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد انہیں اپنی رفتار کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ بچوں کی رفتار قرأت بڑھ رہی ہے یا نہیں، رفتار کا چارٹ بنایا جا سکتا ہے جس میں طالبعلم کا نام، تاریخ اور رفتار قرأت فی منٹ درج ہو۔ معلم کو چاہیے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ بچوں کو کم از کم دو ہزار الفاظ پر مشتمل ایک کہانی یا مضمون پڑھنے کے لیے کہے۔ سب بچے ایک ساتھ پڑھنا شروع کر دیں۔ جونہی کوئی بچہ عبارت کی قرأت ختم کرے وہ ہاتھ کھڑا کر دے اور معلم اس بچے کا وقت نوٹ کرے یا اسی بچے کو نوٹ کروا دے۔ اس طرح ہر بچہ خود اپنی رفتار قرأت معلوم کر کے معلم کو چارٹ پر نوٹ کروا سکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں پڑھنے کی رفتار بڑھانے کے لیے بعض آلات اور مشینیں بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن ہمارے خیال میں ان مشینوں کے بغیر بھی محض احساس اور قوت ارادی کے بل بوتے پر رفتار کو بڑھایا جا سکتا ہے اور چند ماہ کی مسلسل مشق سے اس میں دوگنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ممکن ہے۔ رفتار میں اضافے سے طلبہ کی تعلیمی ترقی پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے اور وہ نسبتاً تھوڑے وقت میں پہلے سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔

۷۔ ذخیرہ الفاظ:

رفتار قرأت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری تفہیم کی رفتار میں بھی اضافہ ہو تاکہ ہم جو کچھ پڑھیں وہ سمجھتے بھی جائیں۔ تفہیم کی

کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ذخیرہ الفاظ کی کمی ہے۔ عبارت زیر مطالعہ میں مشکل اور نامانوس الفاظ جس قدر زیادہ ہوں گے رفتار اتنی ہی کم ہوگی اس لیے رفتار کو بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا ذخیرہ الفاظ بھی بڑھتا رہے تاکہ ہمیں عبارت کے مطالب سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے لغت کا استعمال نہایت مفید ہے۔ اکثر طلبہ لغت دیکھنے سے جی کتراتے ہیں۔ وہ نیا لفظ لغت میں دیکھنے کی بجائے اس کے معنی معلم یا کسی دوسرے طالبعلم سے پوچھ لیتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے۔ ہمیں بچوں میں لغت کے استعمال کی عادت راسخ کرنی چاہیے۔ لغت میں ایک لفظ دیکھنے بیٹھیں تو ہم اسی لفظ سے متعلق اور بہت سے لفظ بھی سیکھ جاتے ہیں۔ انہیں لغت سے ایک سے زیادہ معانی کا پتا چلتا ہے۔ مترادفات کا ذخیرہ بڑھ جاتا ہے۔

ذخیرہ الفاظ بڑھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مطالعہ کرتے وقت جب بھی کوئی نیا لفظ آئے اسے فوراً نوٹ کر لیا جائے بلکہ اس مقصد کے لیے 15 × 7 سم سائز کے کارڈ وافر تعداد میں کٹوا کر اپنے پاس جمع کریں۔ ہر کارڈ پر اس کے ایک طرف نیا لفظ لکھا جائے اور دوسری طرف ایک ایسا جملہ ہو جس میں وہ لفظ اس طرح استعمال ہوا ہو کہ اس سے اس کے معنی اور محل استعمال واضح ہو رہا ہو۔ ہر روز کم از کم ایسے دس کارڈ تیار کر لیے جائیں اور نئے اور پرانے کارڈ ہر روز اتنی مرتبہ نظر سے گذریں کہ وہ الفاظ ذہنوں میں جذب ہو جائیں اور طلبہ ان کے معانی اور محل استعمال پر قدرت حاصل کر لیں۔ ان کارڈوں کو سنبھالنے اور استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دے کر مناسب سائز کے گتے یا لکڑی کے ڈبوں میں حفاظت سے رکھا جائے اور ہر دوسرے تیسرے روز پرانے کارڈوں پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ کوئی سیکھا ہوا لفظ حافظے سے محو نہ ہو جائے۔[3]

---

[3] ایضاً ص ۱۲۲ تا ۱۲۸

باب ۱۱

تدریسِ قواعد

قواعد سے وہ اصول اور قوانین مراد ہیں جن کی مدد سے زبان صحیح بولتے اور لکھتے ہیں یعنی زبان دانی کے قانون اور قاعدے۔

اہمیت و ضرورت: (۱) قواعد سے زبان کی ساخت کا علم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے قواعد صحت زبان و بیان کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(۲) قواعد لسانی لغزشوں سے بچاتی اور روکتی ہے۔

(۳) لسانی طالب کے لیے اس کی اشد ضرورت ہے۔

تدریسِ قواعد کے مقاصد: قواعد کی تعلیم و تدریس کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم زبان کو صحتمندی کے ساتھ محاورے کے مطابق بول اور لکھ سکے۔ یعنی اس کی تقریر و تحریر زبان کی اغلاط سے پاک ہو۔

قواعد کی تعلیم کے فائدے: ہر ایک مضمون کے پڑھانے سے دو فوائد مقصود ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ طالب علم کی عملی زندگی میں اس مضمون کی واقفیت سے مفید نتائج ہوں۔

(۲) اس مضمون کی تعلیم سے بچے کا ذہن نشوونما پاتے۔ قواعد کی تعلیم سے بھی یہی فوائد حاصل ہوتے ہیں قواعد کے اصول بچے کو عملی طور پر بولنے اور لکھنے میں اغلاط سے بچاتے ہیں۔ اس کی تقریر و تحریر زبان کے اصولوں اور قواعد کے مطابق صحیح ہو جاتی ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ بچے کی ذہنی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ مثالوں سے قاعدے اخذ کرنا اور پھر قاعدوں کا استعمال کرنا ذہنی قوتوں کو توانائی بخشتا ہے۔ قوتِ امتیاز اور قوت فیصلے کی تربیت ہوتی ہے۔

قواعد کا نصاب: قواعد کے نصاب کے متعلق سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ ابتداء میں سطحی تعارف کے ساتھ مختصر اور ضروری امور سکھانے چاہئیں اور بعد میں تفصیلات کی بحث ہو۔ آخر میں مکمل عبور ہو۔ بلاغت اور عروض کے امور کی ابتدا فوقانی جماعتوں سے ہونی چاہیے اور اشتقاق آغاز اعلیٰ جماعتوں سے ہو۔

قواعد کے مواد کا انتخاب: گرائمر پڑھاتے وقت بعض استاد تقسیم در تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح شجرہ نسب پشت در پشت لکھا جاتا ہے۔ گرامر کے اسباق کی اسی انداز سے تقسیم در تقسیم کی جاتی ہے اور شجرے کی مانند ہی اسماء وافعال وغیرہ کی تقسیم در تقسیم کرتے چلے جاتے تھے۔ اس سے بچوں کے دماغ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور سبق بالکل خشک اور بے کیف ہو کر رہ جاتا ہے

قواعد کے اسباق میں مندرجہ ذیل ترتیب بہتر رہے گی:۔

(۱) جملے کے معنے اور اس کے دو ضروری اجزا۔ مسندالیہ۔ مسند

(۲) کلمے کی قسمیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اسم کی قسمیں۔ فعل کی قسمیں۔ حروف۔

(۳) واحد۔ جمع۔ تذکیر و تانیث

(۴) جملوں کی تحلیل صرفی۔

(۵) ترکیب نحوی کے قاعدے

تدریس قواعد کے مدارج

قواعد کی تعلیم کے بارے میں دو مختلف خیال ظاہر کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قواعد ایک بے ربط اور لایعنی مضمون ہے۔ اس کی ضرورت ہی نہیں دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ عملی گرائمر طالب علم کو غلطیوں سے بچاتی ہے۔

ان حالات کی روشنی میں اعتدال کو مدنظر رکھتے ہوئے اور افراط و تفریط سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ابتدائی جماعتوں میں گرامر کی کتاب کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بچے زبان سیکھتے ہیں تو بول چال اور گفتگو کے ذریعے نہ کہ گرائمر کے وسیلے سے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ گرائمر زبان کے تابع ہے زبان گرامر کے تابع نہیں۔

ایسا ماحول جہاں بچے کے والدین ناخواندہ ہوں۔ بہن بھائی ان پڑھ ہوں اس بات کا مقتضی ہے کہ بچوں کو صرف و نحو اور زبان کے قواعد سے آگاہ کیا جائے لیکن پہلی یا دوسری جماعت سے ہی گرامر شروع کرنے کی ضرورت نہیں، صرف و نحو تعلیم کی ابتدا چوتھی جماعت سے کرنی چاہیے۔ باقاعدہ گرائمر کی کتاب پڑھانے کی ضرورت نہیں اردو کے اسباق سے ہی گرامر کی واقفیت دلائی جائے۔ اگر گرامر کو ایک الگ مضمون سمجھ کر جداگانہ طور پر پڑھائیں تو یہ مضمون نہایت روکھا پھیکا اور خشک ہو کے رہ جائے گا بچے اس میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ سبق کے جملوں اور فقروں میں ہی زبان کے قواعد اور اصول بتا دیے جائیں۔ اصطلاحیں صرف وہی بتائی جائیں جن کا جاننا طلبہ کے لیے ناگزیر ہے۔

اصطلاحیں بتانے اور تعریفیں یاد کرانے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ استاد استقرائی طریقہ استعمال کرے یعنی لڑکوں ہی سے اخذ کرائے۔ پہلے قاعدے اور اصولوں کی وضاحت کرنے والی مثالیں اُستاد خود پیش کریں۔ طلبہ ان مثالوں کو پڑھیں۔ پھر اس قسم کی مثالیں وہ خود پیش کریں۔ ان مثالوں کا باہم مقابلہ کرایا جائے۔ استاد اصطلاح بتا دے اور تعریف طلبہ کی ذاتی مساعی سے اخذ کرائے۔ آخر میں مختلف طریقوں سے مشقیں کرائی جائیں۔

اُردو کی تدریس کے دوران میں گرامر کے مسائل اور اصول ابتدائی جماعتوں میں تو آسانی سے بتائے جا سکتے ہیں لیکن بڑی جماعتوں میں پہنچ کر صرف سبق کے جملے ہی کافی نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ ان سبقوں کے دوران میں صرف و نحو کے اسباق ترتیب اور باقاعدگی سے نہیں پڑھائے جا سکتے ہیں۔ یہاں گرامر کے سبق الگ بھی پڑھانا پڑیں گے۔

بہر حال قواعد کا سبق پڑھانے میں مندرجہ ذیل مدارج ہوں گے۔

۱۔ **تمہید:** قاعدے کی توضیح کرنے والی مثالیں تختۂ سیاہ پر لکھ کر طلبہ کے سامنے پیش کی جائیں۔ یہ مثالیں جملوں کی صورت میں ہونی چاہییں۔ جو استاد احتیاط کے ساتھ انتخاب کر کے پہلے ہی تختۂ سیاہ پر لکھ رکھے۔ یہ جملے ان اوصاف کے حامل ہونے چاہئیں۔

(ا) برمحل ہوں۔ (ب) عام فہم ہوں۔

(ج) چھوٹے چھوٹے ہوں۔ (د) حتی الامکان ساخت میں مختلف ہوں۔

۲۔ **طلبہ کی دی ہوئی مثالیں:** ان مثالوں سے معلوم ہو سکے گا کہ طلبہ کو قاعدے کا تصور ہو گیا ہے یا کہ نہیں۔

۳۔ **ان مثالوں کا مقابلہ:** تمہیدی مثالوں کا اور طلبہ کی مثالوں کا آپس میں مقابلہ کرایا جائے۔

۴۔ **اصطلاح کا نام:** مدرس اصطلاح کا نام خود بتائے۔

۵۔ **تعریف اخذ کرنا۔**

(ا) تعریف بچوں سے اخذ کرائیں (ب) سلیس زبان میں ہو۔

(ج) مختصر ہو (د) صحیح ہو۔

(ہ) منفی نہ ہو حتی الامکان مثبت ہو۔

۶۔ **مشقیں:** سیکھے ہوئے قاعدوں کے استعمال کی غرض سے یہ مشقیں ایسی ہونی چاہئیں جو اس قاعدے یا تعریف کی وضاحت کریں۔ ذوق و شوق قائم رکھنے کی غرض سے جہاں تک ہو سکے مختلف قسم کی مشقیں بنانی چاہئیں۔

تدریس قواعد کے طریق

قواعد کی تدریس کے دو طریق ہیں، استخراجی اور استقرائی۔

(الف) استخراجی طریق وہ ہے، جس کی مثال 'درس نظامی' کا نصاب ہے ماتحت ابتدا میں ہی دی گئی تھی، یعنی اصطلاحات کو رٹوا کر مشق کے طور پر استعمال میں لانا۔

(ب) استقرائی طریق وہ ہے کہ جملوں اور فقروں کی تدریس کے ساتھ ساتھ مناسب مثالوں سے خود طلبہ سے اصول اخذ کرائے جائیں اور اس طرح جملوں کی درست ساخت کی تربیت کی جائے۔

عام اصول:

تدریس قواعد کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے:

(الف) تدریس قواعد کا آغاز مکمل جملوں سے ہو۔

(ب) معلوم سے نامعلوم کی طرف یعنی قواعد کی تدریس 'عملی' اور مقرون ہو اور استقرائی طریق پر ہو۔

(ج) اعادہ و تکرار سے مشق کا تسلسل قائم رکھا جائے۔

(د) عام تدریس و انشاء کے دوران ہی قواعد کے اصولوں کی مشق کر دی جائے اور اصطلاحات کے رٹنے کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔[1]

---

[1] ڈاکٹر مظفر حسن ملک، 'اردو زبان اور اس کی تدریس'

باب ۱۱

تدریسِ انشاء

انشاء کے معنی ہیں تخلیق کرنا، تحریر کرنا یا بات پیدا کرنا۔ انشائے نثر نگاری کو کہہ سکتے ہیں یعنی نثر میں شگفتہ اور آراستہ مضامین لکھنا۔

انشاء کی تعریف: اپنے خیالات کو صحت و صفائی کے ساتھ بذریعہ تقریر یا تحریر ظاہر کرنے کا ہنر انشاء پردازی کہلاتا ہے اس لحاظ سے انشاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تقریری (۲) تحریری

۱ جب خیالات کو زبان سے بذریعہ تقریر یا گفتگو ظاہر کریں، تو اُسے تقریری انشاء پردازی کہیں گے۔

۲ اگر خیالات کا اظہار لکھ کر کیا جائے تو اس صورت کو تحریری انشاء پردازی کہیں گے۔

تحریری اور تقریری انشاپردازی کا تعلق: کوئی طالب علم اس وقت تک صحیح اور معیاری زبان میں مضامین نثر لکھنے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے خیالات کو صحیح اور مناسب الفاظ کا جامہ پہنا کر زبان سے ادا کرنے کے قابل نہ ہوں۔ گویا کسی خیال کو ضبطِ تحریر میں لانے سے پہلے اسے بذریعہ الفاظ و فقرات زبان سے ادا کرنے کی اہلیت ضروری ہے یعنی تحریری انشاء پردازی سیکھنے سے پہلے تقریری انشاء پردازی میں دسترس ہونی لازمی ہے۔

اس لیے اُستاد کو چاہیے کہ پہلے بچوں کو بول چال کے ذریعے سے تقریری انشاء پردازی میں مشق کرائے اس کے بعد تحریری انشاء پردازی کا کام شروع کروائے۔ بولنا۔ لکھنا اور لکھے ہوئے کو پڑھنا ان سب کا دارو مدار تقریری انشاپردازی پر ہے۔

انشاء پردازی کے مقاصد: تدریس انشاء کے مقاصد، تدریس زبان سے مختلف نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تدریس لسان کے دو پہلو ہیں ایک مطالعہ اور دوسرا انشاء، اور تدریس زبان کا عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب

۱؎ ڈاکٹر مظفر حسن ملک، اردو زبان اور اسکی تدریس، ص ۲۸۵

جب تک دونوں پہلو مکمل نہ ہوں۔ مختصراً تدریس انشاء کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں۔

(۱) طلبہ میں غور و فکر کی عادت پیدا کرنا۔

(۲) کسی موضوع پر اپنے خیالات کو مجتمع کرنا اور انہیں منطقی ترتیب سے پیش کرنے کی عادت ڈالنا۔

(۳) ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا اور زبان کو صحت و صفائی کے ساتھ استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۴) خط، عرضی، رسید، دعوت نامہ جیسی عملی زندگی میں کام آنے والی تحریریں لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۵) گفتگو اور حاضر جوابی میں مہارت پیدا کرنا

(۶) بامحاورہ زبان اور بامقصد تحریریں لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا[1]

انشاء پردازی کی خصوصیات

۱۔ **طرزِ نگارش:** ہر بڑے مصنف کی طرز نگارش الگ قسم کی ہوتی ہے۔ ایسے اہل قلم کو صاحب طرز کہتے ہیں کیونکہ ان کی طرز نگارش دیکھتے ہی فوراً پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کا مصنف کون ہے۔ مثلاً راشد الخیری کا طرز تحریر فوراً اپنے مصور غم کا پتہ دیتا ہے۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کی طرز بھی آسانی سے پہچانی جاتی ہے۔ شاعری کی بھی یہی کیفیت ہے۔ سب بڑے شاعر اپنے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔

استاد کو چاہیے کہ طلبہ کو مختلف مستند اور صاحب طرز مصنفین کے مضامین اور کتابوں کا مطالعہ کرائے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ نگارش کے مختلف طرز دیکھ کر اس میں تمیز کر سکیں گے اور ہر ایک طرز کی خوبیوں سے آگاہ ہو سکیں گے۔ اس طرح بچوں میں یہ شوق پیدا ہوگا کہ وہ کسی باکمال صاحب طرز مصنف کے طرز تحریر کی نقل کریں اور اسی رنگ میں لکھنے کی کوشش کریں یا اپنے لیے کوئی نیا انداز تحریر اختیار کریں۔ ایک ہی مفہوم پر تمام طلبہ سے جملے اور پیراگراف بنوائے جائیں۔ ہر ایک طالب علم کا انداز بیان مختلف ہوگا۔ اِن تحریروں کا آپس میں مقابلہ کرایا جائے۔ اچھی طرز تحریر کے اوصاف بیان کیے جائیں بلکہ طلبہ کو بتایا جائے کہ فلاں طالب علم کے لکھنے کا انداز بہتر ہے۔ اس میں فلاں فلاں خوبی ہے۔ اس سے طلبہ میں انشاء پردازی کا شوق پیدا ہوگا۔ اور ان خوبیوں کے حصول کی آرزو بھی پوری ہوگی۔

---

[1] ڈاکٹر اصغر علی شیخ، تدریس اردو، ص ۱۰۴

(۱) انشا پردازی میں لفظوں کا انتخاب نہایت اہم چیز ہے۔

۲۔ **الفاظ کا انتخاب:** کئی ایسے مضامین نظر سے گذرتے ہیں۔ جن میں عجیب و غریب لفظ استعمال کیے گئے ہوتے ہیں جو کبھی سننے میں نہیں آتے۔ یہ ذوق سلیم پر گراں گذرتے ہیں۔ یاد رہے کہ مضمون نگاری میں ایسے لفظ استعمال کرنے چاہئیں جو عام بول چال میں برتے جاتے ہوں اور پڑھنے لکھنے میں عام استعمال ہوتے ہوں۔

(۲) بعض مضمون نگار مشکل مشکل لفظ مضمون میں استعمال کر کے اسے بہت دقیق بنا دیتے ہیں۔ شاید وہ اپنی لغت دانی کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ بات قابل تعریف نہیں۔ اچھا مضمون خود بخود ہی داد تحسین حاصل کر لیتا ہے۔ اکثر عالموں اور بلند پایہ ادیبوں کے ایسے مضمون قبولیت حاصل کر چکے ہیں جن میں سادہ اور عام بول چال کے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ بچوں کو عام فہم الفاظ کے استعمال کی عادت ڈالنا چاہیے۔

(۳) لفظوں کو اپنے صحیح مقام پر رکھنا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ مبتدا کہیں ہے اور خبر کہیں۔ آسان لفظ سمجھنے میں بھی دِقّت پیش آتی ہے۔ اصطلاح میں اس بے قاعدگی کو تعقید لفظی کہتے ہیں مثلاً فقرہ یہ ہے:-

"ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے۔"

اگر اس لفظ کو یوں لکھیں "وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے ایک مرتبہ" تو یہ لفظی تعقید ہو گی۔ اس جملے میں لفظ اپنے صحیح مقام پر نہیں ہیں۔ انشاء پردازی میں اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ لفظ اپنے مناسب مقام پر ہوں۔

(۴) امتداد زمانہ سے زبان میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ بعض الفاظ ترک کر دیے جاتے ہیں اور ان کی بجائے نئے نئے اور موزوں لفظ زبان میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ ترک کیے ہوئے لفظوں کو متروک الفاظ کہتے ہیں انشاء پردازی میں متروک الفاظ استعمال کرنا بھی مناسب نہیں۔

(۵) لچر پوچ الفاظ جو تہذیب سے گرے ہوئے ہوں استعمال نہ کیے جائیں۔ اس طرح ایسے لفظوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ جو اَن پڑھ اور غیر ثقہ لوگوں کی زبان کے ہوں۔

(۶) غیر زبانوں کے الفاظ بھی حتی الامکان کم استعمال کرنا چاہئیں۔ بعض انشاء پرداز فارسی اور عربی کے الفاظ اس کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ زبان پر گراں محسوس ہوتے ہیں۔

محاورے، لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں۔

۳۔ **محاورے کی پابندی:** خواہ وہ اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو یا مخالف لیکن

اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے۔ کبھی محاورے کا اطلاق اِن افعال پر ہوتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے محاورے کا سمجھنا اور اس کا صحیح استعمال کرنا انشار پردازی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

محاورے میں کمی بیشی یا تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً محاورہ ہے "ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے" لیکن اگر کوئی شخص " ہاتھوں کے کبوتر اُڑ گئے" کہے تو یہ غلط ہوگا کیونکہ محاورے کے خلاف ہے۔ اسی طرح محاورہ ہے "ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا" اس کا مطلب ہے الگ اور نرالی بات کرنا۔ اب اگر کوئی شخص کہے "ایک اینٹ کی مسجد بنانا" تو قطعاً غلط ہوگا۔

طلبہ کو محاوروں کا صحیح مطلب سمجھانا چاہیے اور پھر محاورات کو فقروں میں استعمال کرنے کی مشق کرانی چاہیے۔ جب انہیں محاورات کا صحیح استعمال آجائے گا وہ اپنے مضمون کو پایہ بنا سکیں گے۔

۴۔ **اندازِ بیان کی موزونیت:** (۱) طویل مشکل اور پیچیدہ جملوں سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اِن سے مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ جملے سادہ اور پُر تاثیر ہونے چاہئیں۔ زیادہ لمبے نہ ہوں اور اُن کا ایک دوسرے سے ایسا ربط ہو کہ مطلب خبط نہ ہونے پائے۔

(۲) ایک مفہوم کو پورے طور پر ادا کرنے کے بعد دوسرا مفہوم شروع کیا جائے اور ہر مفہوم کے لیے الگ پیراگراف ہوں۔ اِن پیراگرافوں میں ترتیب اور ربط قائم رہے۔ مکالمے کی صورت میں ایک متکلم کی گفتگو ایک پیراگراف میں لکھی جائے خواہ وہ ایک جملہ یا ایک لفظ ہی کیوں نہ ہو۔ شروع سے لے کر آخر تک سارے مضمون میں ربط ہونا چاہیے۔

تقریری انشاء کے طریقہ تدریس کے مدارج

تقریری انشاء پردازی کے لیے مندرجہ ذیل مدارج ہو سکتے ہیں۔

(۱) **گفتگو:** بچوں کو مختلف چیزیں (جو اُن کی دیکھی بھالی اور اُن کے استعمال میں آنے والی ہوں) دکھا کر اِن کے متعلق گفتگو کی جائے۔ استاد اِن چیزوں کے متعلق سوالات کرے اور بچے جواب دیں۔ گھر کے حالات اور ماحول پر بچوں سے گفتگو کی جائے۔

(۲) **مشاہدات کا حال بیان کرنا:** بچوں نے جو دلچسپ چیزیں دیکھی ہیں ان کا حال اپنے لفظوں میں ادا کریں۔ مثلاً ہنڈولے والا۔ مداری کا

؎ ملک عبدالمجید، تدریسِ اُردو، ص ۱۵۵ تا ۱۵۸

کاکھیل۔ ریچھ کا تماشا۔ چاقو تیز کرنے والا۔ چلتا ہوا کنواں۔ موچی کی دکان کا حال۔ آرا کش لکڑیاں چیر رہے ہیں۔ جلاہا کپڑا بن رہا ہے۔ دبچے حرکات کے ساتھ ساتھ لفظوں میں ادا کرتے جائیں)

۳۔ **تحریری بیان کرنا:** ایک طالب علم نے شہر لاہور دیکھا ہوا ہے وہاں کی دیکھی ہوئی چیزوں کا ذکر کرے۔

کسی دیکھے ہوئے میلے کا حال بیان کرے۔ کسی دیکھے ہوئے جلسے کی کیفیت بیان کرے۔

جب بچے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب دینے کے قابل ہو جائیں اور مختصر گفتگو کر سکیں تو اُن سے مسلسل گفتگو کرائی جائے۔

۱۔ مختلف مقامات کی سیر کرا کے اُن پر مسلسل گفتگو کرائی جائے۔

۲۔ استاد ایک مسلس بچے اُس کی تقلید کریں۔

۳۔ شروع شروع میں بچوں کو کچھ تقریریں حفظ کرا دی جائیں۔ اِن سے یہ فائدہ ہوگا کہ بچے بلا جھجک تقریر کر سکیں گے۔ قوت حافظہ میں ترقی ہوگی۔ خود اعتمادی پیدا ہوگی اِن کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی تقریری انشا پردازی یعنی بول چال سیکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

(۱) کہانیاں (۲) بجھارتیں
(۳) لطیفہ گوئی (۴) پیام رسانی
(۵) مکالمے (۶) ڈرامے
(۷) بحث مباحثے (۸) ادبی مجالس

۱۔ __کہانیاں__ کہانی کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) کہانی آسان اور سیدھے سادے لفظوں میں ہو۔

(۲) مختصر ہو۔

(۳) دلچسپ ہو۔ اِس میں ایسے واقعات کا بیان ہو جو تعجب خیز ہوں۔

(۴) اِن کہانیوں کو ڈراما یا جا سکے۔

(۵) بچوں کو سوچنے کا موقع ملے۔

(۶) کہانی کو اجزا میں تقسیم کر لیا جائے۔ ایک ایک جز سنا کر اس کے متعلق سوالات کیے جائیں اور جوابات حاصل کر کے تسلی کر لی جائے کہ طلبہ کو یہ حصہ ذہن نشین ہو چکا ہے۔ کہانی کے تمام اجزا آپس میں مربوط اور مسلسل ہوں۔

۲۔ بجھارتیں : عام گھروں میں رات کو بجھارتیں کہی جاتی ہیں۔ یہ زبان سیکھنے اور گفتگو کا ملکہ پیدا کرنے کا بڑا عمدہ ذریعہ ہے۔

پہلے اُستاد بجھارت کہے۔ لڑکے جواب سوچیں۔ اگر جواب تلاش نہ کر سکیں تو استاد اُنہیں بتا کر اِن کو جواب اخذ کرنے میں مدد دے۔ خود جواب ہرگز نہ بتائے۔ پھر بچے ہی بجھارت کہیں اور جواب تلاش کریں۔ بجھارتیں آسان ہوں اور مختصر ہوں۔ بجھارتوں کا مقابلہ کرایا جائے۔

بجھارتوں سے ذیل کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) بچوں کی دماغی تربیت ہوتی ہے۔

(۲) سوچنے اور غور کرنے کی عادت پڑتی ہے۔

(۳) دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔

۳ لطیفہ گوئی : کوئی لطیفہ یا دلچسپ بات اس تھکان کو دور کر دیتے ہیں، جو کسی کام میں دیر تک مصروف رہنے سے لاحق ہو جاتی ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ بچوں کو لطیفوں سے لطف اندوز ہونا سکھائے۔ لطیفے بچوں میں لطیف اور شستہ مذاق پیدا کرتے ہیں اور انہیں خوش باش بنا تے ہیں۔

۴۔ پیغام رسانی : پیغام پہنچانا بھی ایک خاص فن ہے۔ اس میں پیغام لے جانے والے کو پیغام کی تمام تفصیل غور سے سننی پڑتی ہے۔ اس کو ذہن میں محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ پھر کچھ وقت کے بعد وہ پیغام دوسرے شخص تک من وعن پہنچانا ہوتا ہے۔ گویا اس عمل سے تین قوتیں تربیت پاتی ہیں :

(۱) غور سے سننے کی قوت (۲) حافظے کی قوت

(۳) بیان کرنے کی قوت۔

بچوں کو پیغام سننے۔ یاد رکھنے اور پھر اسے بجنسہ ادا کرنے کی تربیت دینی چاہیے۔ یہ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے اور نہایت کارآمد ہے۔ تقریری انشاء پردازی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

اُستاد خود آسان اور مختصر مکالمے لکھے۔ پھر بچوں کو لکھا کر زبانی یاد کرلے۔

۵۔ مکالمہ : طرز ادا سمجھائے۔ نمونہ دے کر بیان کرنا سکھائے۔ اس کے بعد بچوں میں یہ قابلیت پیدا کی جائے کہ وہ خود بھی مکالمہ تیار کریں۔

۶۔ **ڈرامے:** بچوں کو نقلیں اتارنے اور بہروپ بھرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ درسی کتاب کی کہانیوں وغیرہ کے ڈرامے کرائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً "شیر آیا شیر آیا دوڑنا"، ریچھ کا تماشا، بندر ٹوپیاں لے اُڑے وغیرہ۔

۷۔ **بحث مباحثے:** بحث مباحثے بڑی جماعتوں میں کرائے جائیں۔ جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ان سے کسی مناسب موضوع پر بحث کرائی جائے موضوع پہلے ہی منتخب کر لیا جائے۔ چند دن تیاری کے لیے دیے جائیں۔ ہر ایک گروہ اپنی اپنی دلیلیں اور ثبوت مہیا کرے۔

۸۔ **ادبی مجلس:** مہینے میں ایک بار سکول کے تمام طلبہ اور اساتذہ کا ادبی اجتماع ہو۔ دو ہفتے پہلے پروگرام طے کرکے ہر ایک کو اُس کے مضمون سے آگاہ کر دیا جائے۔ لڑکے جلسے میں مضامین پڑھیں۔ نظمیں گا کر سنائیں۔ شعروں کے انتخاب پیش کریں۔ ڈرامے کریں۔ مختلف موضوعات پر بحث کریں، تقریریں کریں۔

تحریری انشاء کے طریقہ تدریس

بول چال اور گفتگو میں بچے کافی مہارت پیدا کرلیں تو انہیں تحریر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ انشاء پردازی میں زبانی معلومات کو ہی ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے۔ تحریر اور تقریر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لکھنا گویا منہ سے بولے ہوئے لفظوں کو تحریری لباس پہنانا ہے۔ اس کا مطالعہ کتب سے بھی گہرا تعلق ہے۔ کتابوں کے مطالعے سے نئے نئے خیالات پیدا ہوں گے۔ نئی نئی معلومات حاصل ہوں گی۔ علم بڑھے گا اور اس میں وسعت پیدا ہوگی۔ نئے نئے لفظوں، نئی نئی ترکیبوں اور بندشوں سے آگاہی ہوگی۔ ادب کی رفتار و ترقی کا علم ہوگا اور اس تمام حاصل شدہ علم اور واقفیت کو طالب علم دوسروں کے سامنے بذریعہ تحریر بیان کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کی تقریروں اور تحریروں میں اثر اور جاذبیت پیدا ہوگی۔ اچھی تحریر اور تقریر سے دوسروں کی نظروں میں وقیع اور معتمد بن جائے گا۔

(۱) چھوٹی جماعت کے بچوں کو کوئی تصویر پیش کر دی جائے جس میں بہت سی چیزیں ہوں بچے غور سے تصویر دیکھ کر اس کی تمام چیزوں کے نام لکھیں۔

(۲) ان ناموں کو اپنے فقروں میں استعمال کریں۔

(۳) دوسری تیسری جماعتوں میں بچوں کو نقل نویسی کا کام زیادہ دیا جائے۔ ہجوں کی مشق کے لیے لکھوایا جائے۔

(۴) فقروں میں خالی جگہیں چھوڑ کر انہیں پُر کرایا جائے۔
(۵) فقرے نا تمام چھوڑ کر پورے کرائے جائیں۔
(۶) کہانی میں خالی جگہوں کو پر کرایا جائے۔
(۷) دو دو فہرستیں دے دی جائیں۔ ایک میں نام ہوں۔ دوسری میں صفات مناسب انتخاب کر کے بچے فقرے بنائیں۔
(۸) جو کچھ پڑھایا جائے اُس کے متعلق سوالات دے دیے جائیں۔ طلبہ کتابوں کو دیکھ کر اِن سوالوں کے جواب لکھیں۔
(۹) بچوں کی جماعت کے سامنے ایک تصویر لٹکا دی جائے۔ اُستاد سوالات لکھوائے بچے تصویر کو دیکھ کر جوابات مکمل کریں۔
(۱۰) تختہ سیاہ پر چند فقرے لکھ دیے جائیں۔ ہر ایک فقرے میں ایک ایک لفظ کی جگہ چھوڑ دی جائے۔ پھر خالی جگہوں کے لیے دو دو یا تین تین ایسے لفظ دے دیے جائیں۔ جو ہم شکل اور ہم آواز ہوں لیکن معنوں کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ طالب علم اِن میں سے صحیح لفظ کا انتخاب کریں۔ مثلاً

صوبہ پنجاب میں کاشت کار لوگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے ہیں کسرت ، کثرت

(۱۱) بچے اپنی کتاب سے جو نئے لفظ اور محاورے سیکھیں۔ اِن کو اپنے فقرات میں استعمال کریں۔
(۱۲) طلبہ کے درمیان مکالمے کرائیں جائیں۔ پھر کہا جائے۔ اس مکالمے کو اپنے لفظوں میں لکھو۔

مضمون نویسی : ۱۔ بچوں کو بتایا جائے کہ کوئی مضمون شروع کرنے سے پہلے اس کی مختلف سرخیاں تجویز کر لینی چاہئیں۔ پھر اِن سرخیوں کے ماتحت مضمون لکھنا چاہیے اس سے مضمون کی ترتیب قائم رہتی ہے اور کوئی پہلو باقی نہیں رہ جاتا۔

(۲) بچوں کو شعر۔ محاورے اور ضرب المثلیں یاد ہونی چاہئیں تاکہ اِن چیزوں کو استعمال کر کے بچے اپنے مضامین کو اعلیٰ معیار کا بنا سکیں۔

بچوں کو علامات وقفہ بتا دی جائیں۔ اِن کا استعمال سکھایا جائے۔ مثلاً :-

(۱) پورا وقفہ : (×) (۔۔)
(۲) خفیف وقفہ : (،)
(۳) وقفہ : (—)

(۴) علامت تعجب یا ندا

(۵) علامت استفہام

(۶) علامت تفصیلہ

(۷) علامت اقتباس

انشاء پردازی کیلیے موضوعات کا انتخاب

(۱) بچوں کو عام طور پر ذاتی تجربات میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لیے ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے تجربوں کو ضبط تحریر میں لائیں۔

(۲) بچے روزانہ زندگی کے مشاہدات بیان کرنے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ روزانہ زندگی کے مشاہدات پر قلم اٹھائیں تو بہت مفید ہوگا۔ مثلاً

روٹی کس طرح پکاتے ہیں؟ کپڑا کس طرح بُنا جاتا ہے؟ گڑ کس طرح بنتا ہے؟ سبزی منڈی کا نظارہ۔ برسات کا موسم۔ باغ کی سیر۔ کسی میلے کا حال

(۳) سنی سنائی کہانیاں لکھوائی جائیں۔ تاریخی کہانیوں اور تاریخی واقعات پر مضامین لکھوائے جائیں تو بہت مفید ثابت ہوں گے مثلاً

نبی پاک کی ہجرت جہانگیر کا عدل

(۴) بعض اوقات "اگر میں .... ہوتا" کی مشقیں بہت دلچسپ رہتی ہیں۔ مثلاً اگر میں ہیڈ ماسٹر ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر میں ڈاکٹر ہوتا تو کیا کرتا اگر میں تھانیدار ہوتا تو کیا کرتا؟ وغیرہ۔

(۵) **خطوط نویسی:** رشتہ داروں، بزرگوں، ہم عمروں اور چھوٹوں کو مختلف خط لکھوائے جائیں۔

(۶) **درخواستیں اور عرضیاں:** مثلاً

ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست بیماری کی رخصت کے لیے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست فیس معافی کے لیے۔

ہیلتھ آفیسر صاحب کی خدمت میں وبا پھوٹ پڑنے کی اطلاع۔

سب انسپکٹر پولیس کو گاؤں میں نقب زنی کی اطلاع۔

مال افسر کو خرابے پر معافی لگان کی عرضی۔

انسپکٹر ڈاک خانہ جات کو منی آرڈر کی گمشدگی کی رپورٹ -

تاجر کتب کو کتابیں بھیجنے کے لیے چھٹی -

کسی حادثے کی رپورٹ اشاعت کے لیے اخبار میں بھیجنا ان کے علاوہ

منی آرڈر فارم پُر کرنا	نوٹس
رسید لکھنا	کرایہ نامہ
راہداری	پرونوٹ وغیرہ

انشاء پردازی کا روزمرّہ زندگی کے ساتھ تعلق

روزمرہ زندگی میں قدم قدم پر لکھنے پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور آج کل تو یہ کیفیت ہے۔ ع

کہ اب بے علم چل سکتی ہے تجاری نہ معماری

خط لکھنا پڑھنا، رسید، راہداری، پرونوٹ، کرایہ نامہ، عرضی پرچہ یہ انسان کی روزمرہ ضروریات میں سے ہیں۔ اس لیے انشاء پردازی میں بچوں کو بڑی حد تک ان کی عملی زندگی کے لیے تیار کرنا چاہیے -

کسی مسئلے پر گفتگو کرنا۔ مجلس میں اپنے خیالات کا اچھی طرح اظہار کرنا۔ پاکستان کے روزانہ اخبارات وحالات پر تبصرہ کرنا جو آج کل لوازمات زندگی میں داخل ہے - یہ تمام امور انشاء پردازی میں شامل ہیں جو طالب علم انشاء پردازی میں اچھی مہارت حاصل کرے گا وہ زندگی کے عملی میدان میں کامیاب وکامران رہے گا -

ذاتی خیالات کا اظہار اور ڈرامہ نگاری

ذاتی خیالات کا اظہار

انشاء پردازی کا مقصد عظیم یہی ہے کہ طالب علم مافی الضمیر کو بہترین انداز میں ظاہر کر سکے اور اسے زبان وقلم پر قدرت حاصل ہو۔ گفتگو اور تقریر کے ذریعے سے بھی بہترین الفاظ میں اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کر سکے اور قلم کے ذریعے سے بھی انشاء وتحریر کے اصول وقواعد کے مطابق اپنے دلی جذبات واحساسات کو ظاہر کر سکے اور قلم کے ذریعے سے بھی انشاء وتحریر کے اصول وقواعد کے مطابق اپنے دلی جذبات واحساسات کو ظاہر کر سکے یہ ملکہ باقاعدہ محنت اور بااصول مشق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا - اس لیے اُستاد کو چاہیے کہ وہ اپنی زیر نگرانی اظہار خیالات کی مشق کرائے - اُستاد طلبہ کے استصواب رائے

سے کوئی موضوع منتخب کرے۔ پھر تمام طلبہ کو اس پر خیال آرائی کرنے کی دعوت دے۔ طلبہ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے نظریے کے مطابق اس مسئلے پر روشنی ڈالیں تمام طلبہ اپنے کام کی تکمیل کر چکیں تو ان کی تحریرات کا موازنہ ومقابلہ کیا جائے تاکہ تمام طلبہ ایک دوسرے کے انداز فکر اور زاویہ نگاہ سے واقف ہو جائیں۔ اس طرح انہیں تحریر کے مختلف نمونوں اور طرز بیان کے مختلف اصولوں سے واقفیت حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں اور دیے ہوئے موضوعات پر بھی خیال آرائی کریں۔ اس طرح کی مشقیں کرانے کے ساتھ ساتھ انہیں دوسرے اہل قلم کے انداز تحریر اور اسالیب بیان سے روشناس کرانا چاہیے تاکہ وہ مستند طرزوں سے بھی واقف ہو جائیں اور ذاتی خیالات کے اظہار کی نئی نئی روشیں دریافت کر سکیں۔

ڈرامہ نگاری ڈرامہ ان عملی حرکات اور گفتار و کردار کا نام ہے جو ایک ذی شعور سے سرزد ہوتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی قابلیت جب لڑکوں میں پیدا ہو جائے تو انہیں پھر ڈرامہ نگاری کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے بہت غور وتدبر اور گہرے مطالعے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے مختلف ڈرامہ نویسوں کے لکھے ہوئے ڈرامے مطالعہ کرائے جائیں تاکہ طلبہ کو ڈرامے سے واقفیت ہو۔ ڈرامہ نویسی کے اصولوں سے آگاہی حاصل ہو اور پھر انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ ڈرامے کے کردار کو کس طرح عوام کے رجحانات کا مطالعہ کر کے ان کے مطابق اپنی تمام حرکات کو ڈھالنا ہوتا ہے۔ کسی کردار کی تمثیل محض اپنے ذوق کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ اسے دوسروں کے جذبات واحساسات کا مطالعہ کر کے ان کی پسند کے مطابق تمام مواد پیش کرنا ہوتا ہے۔

مختلف ڈراموں کے مطالعے کرانے کے بعد اُستاد کوئی ایک موضوع منتخب کرے جس پر ڈرامہ لکھنا مقصود ہو۔ پھر اس کے مختلف حصے کیے جائیں۔ ایک ایک طالب علم کو ایک ایک حصہ دے دیا جائے کہ وہ اپنے حصے کی تکمیل کرے۔ اُستاد ہر ایک طالب علم کو مشورہ دے۔ طالب علم خود اپنا پارٹ لکھیں جس میں زبان وادب محاورہ اور روزمرہ کا بھی خیال رہے اور حسن ادا کے تمام پہلو بھی ملحوظ خاطر رہیں۔ پھر جب تمام طلبہ اپنا اپنا کام مکمل کریں تو انہیں اکٹھا کر کے پڑھایا جائے۔ درستی اور اصلاح کی جائے۔ پھر ہر ایک سے اس کا پارٹ ادا کرایا جائے۔

اس قسم کی جزوی مشقوں کے بعد طلبہ سے کہا جائے کہ کہانیوں سے چھوٹے چھوٹے ڈرامے تیار کریں۔

۱۔ یہ ڈرامے مختصر ہوں۔

(۲) ان میں کوئی واقعہ یا کہانی ڈرامائی گئی ہو۔

(۳) ڈرامے ایسے ہوں جن سے کوئی اخلاقی نتیجہ مرتب ہوتا ہو۔

(۴) ڈراموں کی زبان گفتگو کی زبان ہو نہ کہ کتابی۔

(۵) مزاحیہ ڈرامے بھی لکھائے جائیں۔ جن میں دلچسپ لطیفوں کو ڈرامایا گیا ہو۔

معلّم کے بنائے ہوئے خاکے اور نمونے کی مشقیں اور انکے فوائد و نقصانات

انشاء پردازی کے سلسلے میں بعض اُستاد بچوں کو مضمون نویسی کے لیے اشارات دیتے ہیں یا کہانی کا خاکہ بناتے ہیں۔ طلبہ ان اشارات کے مطابق مضمون لکھتے ہیں۔ یا اس خاکے کو مدنظر رکھ کر کہانی مکمل کرتے ہیں۔ یہ اشارات اور خاکے مفید بھی ہیں اور کسی حد تک بے فائدہ بلکہ مضر بھی ہیں۔

یہ خاکے فائدہ مند اس لحاظ سے ہیں کہ :۔

۱۔ طلبہ کی رہنمائی ہو جاتی ہے۔ ان کی روشنی میں وہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے مضمون مکمل کر لیتے ہیں۔

۲۔ مضمون میں یکسانیت رہتی ہے۔ چونکہ تمام کے ذہن میں خاکہ ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس لیے تمام طلبہ کے مضامین میں ایک ہی ترتیب۔ ایک ہی انداز اور ایک ہی طرز قائم رہتا ہے۔ گویا مضمون میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کمزور طلبہ بھی اشارات کی مدد سے کچھ نہ کچھ ضرور لکھ لیتے ہیں۔ ان کی اصلاح کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ انداز بیان سب کا تقریباً یکساں ہوتا ہے۔

لیکن اس طرز تعلیم میں قابلِ اعتراض بات یہ ہے کہ مضمون طلبہ کے نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ اُستاد کے نقطۂ نگاہ سے لکھا جاتا ہے۔ طلبہ محض ان اشارات پر چلنے کے لیے پابند ہو جاتے ہیں۔ تجسس اور ذاتی سعی کا جذبہ کم ہو جاتا ہے۔ تخلیقی قوتیں بروئے کار نہیں آتیں۔ بچہ محض تقلیدی روش کا پابند ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس کے ذاتی اوصاف اجاگر نہیں ہوتے۔

بعض دفعہ تو اُستاد اپنے نمونوں کی ہو بہو نقل کرا دینا ہی کافی سمجھتے ہیں یا خود تختہ سیاہ پر مضمون لکھ دیتے ہیں اور طلبہ سے کہہ دیتے ہیں کہ اپنی اپنی کاپی پر نقل کر لیں۔ یہ طریقہ بالکل غیر تعلیمی ہے۔ جو کام بھی کیا جائے بچوں کی ذاتی مساعی سے ہونا چاہیے۔ اگر استاد تمام کام خود ہی کر کے دے دے اور بچوں کی مساعی کو کام میں نہ لائے تو کچھ عرصہ بعد وہ کسی کام کے نہ رہیں گے۔ ان میں سعی و کوشش کا جذبہ ہی مفقود ہو جائے گا۔ اس لیے اعتدال کو مدنظر رکھتے ہوئے اُستاد کو چاہیے کہ

جہاں ضرورت سمجھے تشریح بھی دے۔ اشارات بھی سمجھائے۔ لیکن بچوں کو اس کا عادی نہ بنائے۔ کہ اشارہ یا نمونے کے بغیر کوئی کام نہ کرسکیں۔

تحریری مشقوں کی تصحیح: بعض سکولوں میں تحریری کام کرانے کے بعد اس کا جائزہ نہیں لیا جاتا نہ اس کی درستی کی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کام نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں سخت بے پروائی سے کرتے ہیں۔ اس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ یاد رہے کہ اگر تحریری مشقوں کی اصلاح نہ کی جائے تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اُستاد کو چاہیے کہ تحریری کام کرانے کے بعد طلبہ کی کاپیاں ضرور دیکھے۔ ان میں جو اغلاط پائی جائیں ان پر نشان لگائے اور یہ اغلاط ان پر واضح کرے۔ پھر ان کی درستی کرے۔ بہتر ہو کہ طالبعلم کے سامنے اس کی کاپی پڑھ کر غلطیاں بتائی جائیں۔ اسے غلطیوں سے آگاہ کیا جائے اور غلطیوں کی درستی اُس کے سامنے کی جائے۔ اور پھر اس اصلاح کی چند بار مشق کرائی جائے تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور ذہن غلطی کی طرف ہٹ جائے۔ پھر اس کے چند دن بعد طلبہ کا امتحان کر لینا چاہیے کہ جو اصلاحات کی گئی تھیں وہ انہیں یاد ہیں۔

تحریری مشقوں کی غلطیوں کی اصلاح انفرادی اور جماعتی دونوں طرح سے ہوسکتی ہے تحریری مشق ہر ایک لڑکے کی علیحدہ علیحدہ دیکھی جائے۔ اور ہر ایک کو فرداً فرداً اصلاح دی جائے۔ لیکن جو غلطی جماعت کے تمام طلبہ میں مشترکہ طور پر پائی جائے۔ اس کی اصلاح تختہ سیاہ پر جماعت کے سامنے کی جائے تاکہ وہ تمام طلبہ تھوڑے ہی عرصہ میں مستفید ہوسکیں ۳ے

اصلاح کرتے وقت چاہیے کہ طلبہ کو مایوس نہ ہونے دیں۔ بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے اور کہا جائے کہ وہ بہت جلد لکھنا سیکھ جائیں گے اور بہت جلد ان کی تحریر اغلاط سے پاک ہو جائیگی۔ طلبہ کے لیے اصلاح اُمید افزا ہونی چاہیے یہ اُمید آئندہ ترقی کا زینہ بنے گی۔

۳ے

باب ۱۲

صحتِ املا

املا کو زبان کی تحریر میں بڑا دخل ہے۔ اِملا کی غلطی مفہوم و معانی میں زمین و آسمان کا فرق ڈال دیتی ہے اور بعض اوقات املا کی غلطی پورے جملے کو بے معنی کر دیتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اِملا کی صحت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

"عورت کو محرم کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہیے" اس جملے کو اِملا کی غلطی سے اگر کاتب یوں لکھ دے: "عورت کو مجرم کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہیے" تو مفہوم و معانی میں کوئی لگا نہیں رہا۔ اسی طرح اس جملہ "محرّم کے ایّام حضرت آدم علیہ السلام سے خصوصیت کے حامل رہے ہیں" مہمل جملہ قرار پائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ املا کی صحت پر خصوصی توجہ دی جائے۔

املا میں اکثر غلطیاں ہم آواز اور ہم اوزان الفاظ میں ہوتی ہیں اور صوتی مشابہت دو ہم آواز الفاظ میں غلطی املا کا باعث بنتی ہے۔ اگر اِن الفاظ کو درست املا کے ساتھ نظری ذخیرہ الفاظ سے عملی ذخیرہ الفاظ بنا دیا جائے تو طلبہ املا صحت کے ساتھ لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل الفاظ صحتِ املا کے ساتھ تختہ سیاہ پر لکھ کر مفہوم و معانی کے ساتھ استعمال کرائے جائیں تو طلبہ معانی کے لحاظ سے املا میں صحت کا خیال رکھ سکتے ہیں۔ اگر طلبہ کو مشق کرائی جائے تو کثرت استعمال سے وہ الفاظ میں فرق کرنے لگتے ہیں۔ ایسے الفاظ جن میں صوتی مشابہت ہو انہیں فقرات میں استعمال کر کے فرق واضح کرنا چاہیے۔

مندرجہ ذیل حروف کی آوازیں خاص توجہ چاہتی ہیں۔

(۱)	ا ۔ ء ۔ ع	اصل ۔ عسل (شہد) ۔ مطمئن
(۲)	ت ، ط	تلوار اطوار
(۳)	ث ۔ ص ۔ س ۔ ش	ثمر ۔ صحیح ۔ سالم ۔ شروع ، شرح
(۴)	ذ ۔ ز ۔ ض ۔ ظ	ذائقہ ۔ زور ۔ ضو ۔ ظلم
(۵)	ق ۔ ک	قمر ۔ کمر ۔ حق ۔ حک
(۶)	ح ۔ ہ ۔ ع	حلوہ ۔ ہلّہ ۔ عموماً
(۷)	ژ ۔ ی	ژالہ ۔ یمن

ہم آواز الفاظ

متشابہ یا ہم آواز الفاظ وہ ہیں جو آواز یا تلفظ میں ایک جیسے ہوں لیکن معانی کے اعتبار سے مختلف ہوں جیسے : امل (امید)، عمل (کام)، آج - (آج)، عاج (ہاتھی دانت)

(۱) امّی (ماں) میری امی جان لکھی پڑھی عورت ہے۔
اُمّی (ان پڑھ) ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا لقب اُمّی ہے۔

(۲) ارض (زمین) خداوند کریم ارض و سما کا مالک ہے۔
عرض (چوڑائی) اس کپڑے کا عرض کتنا ہے۔

(۳) برص (پھلبہری) اس کو برص نے بدصورت بنا دیا ہے۔
برس (سال) وہ دس برس کا ہے۔

(۴) بیڑا (کشتیوں کا اکٹھ) اس کا بیڑا اللہ تعالیٰ کے فضل سے پار ہوگیا۔
بِیڑا۔ (ذمہ) میں نے اس کی مدد کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔

(۵) پروا - (پروا) وہ لاپروا آدمی ہے۔
پُروا (پچھم کی ہوا) آج پُروا تیزی سے چل رہی ہے۔

(۶) بیر (جنگلی پھل) اس بیری کے بیر میٹھے ہیں۔
بَیر (دشمنی) آپس میں بیر رکھنا اچھا نہیں ہے۔

(۷) سُوت (سفید تاگے) آج کل سوت کا بھاؤ چڑھا ہوا ہے۔
سوت (خاوند کی دوسری بیوی) سوت نے راشدہ کی زندگی تباہ کر دی۔

(۸) کثرت (زیادتی) اس محلہ میں مسلمانوں کی کثرت ہے۔
کسرت (ورزش) پہلوان ہر روز کسرت کرتے ہیں۔

(۹) نقطہ (نقطہ .) دائرے کے درمیان ایک نقطہ ہے۔
نکتہ (لطیف بات) آپ نے کیا نکتہ کی بات کہی ہے۔

(۱۰) ہلال (پہلی رات کا چاند) آج ہلال عید نظر نہیں آیا۔
حلال (جائز) بکری ایک حلال جانور ہے۔ یہ اس کی حلال کمائی ہے۔

(۱) ذیل میں متشابہ الفاظ کی فہرست درج کی جاتی ہے

	الفاظ	معنی	متشابہ الفاظ	معنی
۱-	آبرو	عزت	ابرُو	بھوں
۲-	ابد	ایسی مدت جس کی ابتدا نہ ہو	عبد	غلام - بندہ
۳-	اصل	جڑ	عسل	شہد
۴-	اقدام	قدم کی جمع	اِقدام	آگے بڑھنا
۵-	امارت	امیر ہونا	عمارت	آباد کرنا
۶-	انیس	اُنس کرنے والا	اُنیس	عدد ۱۹
۷-	ایال	گھوڑے کی گردن کے بال	عیال	کنبہ
۸-	اولیٰ	پہلی	اولیٰ	بہتر
۹-	بیباق	حساب صاف کرنا	بیباک	نڈر
۱۰-	بری	پاک - بیزار	بری	خشکی کا
۱۱-	بل	کس بل طاقت	بل	سوراخ
۱۲-	بین	رونا - چلّانا	بین	باجا - ساز
۱۳-	پتہ	پتہ - ایڈریس	پتہ	درخت کا پتہ
۱۴-	تابع	فرمانبردار	طابع	چھاپنے والا
۱۵-	جرم	قصور	جَرم	جسم
۱۶-	اُپچپ	بایاں	چَپ	خاموش
۱۷-	حامی	مددگار	ہامی	ذمّہ
۱۸-	حجر	پتھر	ہجر	فراق
۱۹	حکم	فرمان	حَکم	فیصلہ کرنے والا
۲۰	سبا	ملک کا نام	صبا	مشرق کی ہوا
۲۱-	شرح	تفصیل سے بیان کرنا	شرع	راستہ
۲۲-	طاق	جفت کی ضد	تاک	تاڑ
۲۳-	عالم	دنیا	عالم	علم والا
۲۴-	عَلَم	جھنڈا	الم	دکھ درد

	الفاظ	معنی	متشابہ الفاظ	معنی
-۲۶	عصر	زمانہ	اثر	نشان
-۲۷	قلب	دِل	کلب	کُتا
-۲۸	قلی	نوکر- قلی	کلی	غنچہ
-۲۹	قمر	ساتویں رات کا چاند	کمر	جسم کا درمیان
-۳۰	کرم	مہربانی	کِرم	کیڑا
-۳۱	گھن	کیڑا	گھِن	نفرت- بدبو
-۳۲	مَہر	حق مہر	مُہر	ٹھپہ
-۳۳	میل	گندگی	میل	ملاپ
-۳۴	مال	انجام	مال	دولت
-۳۵	مینا	پرندہ	مینا	صراحی

ہائے کا استعمال ۔ بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، کھ، گھ بھی باقی حروف تہجی کی طرح مجرد حرف ہیں۔ اس لیے اسے ہائے مخلوط سمجھ کر استعمال کرنا غلطی ہے۔ گھوڑا میں (گھ، و، ڑ، ا) چار حرف کا لفظ ہے۔ اسے گہوڑا (گ، ہ، و، ڑ، ا) پانچ حروف میں لکھنا درست نہیں۔

اسی طرح

بھیڑ کو بہیڑ لکھنا غلط ہے ، اصل لفظ میں ۳ حروف ہیں
پھول کو پہول " " " " " ۳ " "
ٹھاٹ کو ٹہاٹ " " " " " ۳ " "
کھجور کو کہجور " " " " " ۴ " "
تھام کو تہام " " " " " ۳ " "
جھنڈا کو جہنڈا " " " " " ۴ " "
چھتری چہتری " " " " " ۴ " "

ہائے مخلوط کا استعمال درست ہونا چاہیے اسے ہائے ہوز سے لکھنا درست نہیں۔

تمھارا پڑھ
تمھیں اُنھیں

کو تمہارا، پڑھ، تہیں اور انہیں لکھنا درست نہیں ہائے ملفوظی کو ہائے مخلوط میں لکھنا درست نہیں۔ مثلاً ہے کو ھے

دہلی کو دھلی
ہمیشہ کو ھمیشہ
ہمیں کو ھمیں

حروف شمسی اور قمری: حروف شمسی اور قمری میں "ال" کا صحیح استعمال نہ کرنے سے املا درست نہیں رہتی۔ مثلاً عبدالرحمان، عبدالعزیز کو عبدل رحمان اور عبدل عزیز لکھنا اسی طرح السلام علیکم کو اسلام وعلیکم لکھنا غلط اور بے نیلُ مرام کو بے نیل ومرام لکھنا بھی درست نہیں ہے۔

واؤ عاطفہ: واؤ عاطفہ کو حروف کے ساتھ ملا کر لکھنا درست نہیں
مثلاً مال و دولت، لیل و نہار، فضل و کرم کو
مالو دولت، لیلو نہار اور فضلو کرم لکھنا غلط ہے۔

واؤ معدولہ: ایسی واؤ جو لکھنے میں آتی ہو لیکن آواز میں ساکن ہوتی ہے۔ اسے نہ لکھنے سے ہجے غلط ہو کر معانی سے بے معانی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تحریر میں واؤ معدولہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

مثلاً خود کو خُد، خواب کو خاب اور خوشی کو خشی لکھنا درست نہیں

حروف کی شناخت: اردو میں حروف کی شناخت دندانوں اور نقطوں سے ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

مثلاً

ص ض
ط ظ
ع غ
ف ق وغیرہ
س تین دندانے
ص ایک دندانہ
سرفراز صندوق

خوشنویسی و صفائی: تحریر صاف ستھری ہونی چاہیے۔ روشنائی کے دھبوں سے مزید نقطے بن کر مفہوم و معانی میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اگر تیز لکھا جائے تو بھی تحریر کے بالا اصولوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

خوشنویسی کے لیے چند ہدایات۔

تحریر میں مندرجہ ذیل کیفیت میں غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔

۱۔ املا کی غلطی ۲۔ زبان کی غلطی
۳۔ ترتیب کی غلطی ۴۔ قواعد کی غلطی

املا کی غلطی : املا کی غلطیاں کم مطالعے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مطالعہ میں وسعت پیدا کی جائے۔ املا کی غلطی عموماً ایسے الفاظ میں ہوتی ہے جن کا تلفظ ایک ہوتا ہے مگر وہ مختلف حروف سے بنتے ہیں مثلاً نقطہ سنجی کی بجائے نکتہ سنجی ہونا چاہیے۔

املا کی غلطی نہ صرف عبارت کے مفہوم کو بدل دیتی ہے بلکہ لکھنے والے کی قلعی کھولنے کا باعث بھی بنتی ہے۔ اس لیے املا کی درستی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

زبان کی غلطی : اہل زبان جس طرح بولتے ہیں وہ سند مان کر اُسے تحریر میں لکھا جائے۔ محاورات اور ضرب الامثال میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ مثلاً انیس بیس کا فرق کی بجائے چوبیس پچیس کا فرق تحریر کرنا روزمرہ کے خلاف ہے۔ اہلِ زبان اس طرح نہیں بولتے۔ اس لیے یہ غلط قرار پائے گا۔

ٹٹی کی آڑ شکار کھیلنا کی بجائے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا درست نہیں کیونکہ "میں" محاورے میں نہیں ہے۔ اس لیے "میں" کا اضافہ غلط ہے

ترتیب کی غلطی : عبارت کی روانی قائم رکھی جائے۔ فاعل۔ مفعول فعل اور حرف کو صحیح مقام پر رکھا جائے۔ جیسے میں نے جانا ہے کی بجائے مجھے جانا ہے۔

قواعد کی غلطی : واحد جمع، تذکیر و تانیث اور حروف کے استعمال کی غلطی تحریر کی درستی ختم کر دیتی ہے۔ جیسے میں ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوا کی بجائے ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوا۔ درست ہے وہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوا کی بجائے وہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوا لکھنا صحیح ہے۔ میرے سر میں درد ہو رہی ہے کی بجائے میرے سر میں درد ہو رہا ہے درست ہے

رموز و اوقاف : تحریر میں رموز و اوقاف کو برتا جائے تاکہ معانی کی تفہیم میں آسانی ہو مثلاً رکو مت جانے دو میں رکو، مت جانے دو۔ اور رکو مت۔ اور رکو مت، جانے دو۔ کا مفہوم واضح کرنے ہمیں رموز و اوقات سے کام لینا پڑے گا۔

حاشیہ دوسری طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھنا چاہیے۔ سطور سیدھی رہیں تاکہ تحریر دیدہ زیب ہو۔ الفاظ اور سطور میں مناسب فاصلہ رکھا جائے تاکہ تحریر بھونڈی نظر نہ آئے۔

پیراگراف : ہر نئے خیال کو قلمبند کرنے کے لیے نیا پیرا تحریر کیجئے۔ ہر پیرے کو شروع

کرنے کے لیے پہلی سطر کو تھوڑے فاصلہ سے شروع کیجیے تاکہ پیرے الگ الگ بنتے چلے جائیں۔

ابتدائی جماعتوں میں املا نویسی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ املا کی صحت ذود نویسی میں ہے بار بار لکھنے سے الفاظ کا نظری ذخیرہ عملی ذخیرہ بنتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر غلط الفاظ کی مشق ہو گئی تو اس کا بدلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کوشش کی جائے کہ بچے درست الفاظ کی مشق کریں خوشنویسی اکتسابی وصف ہے۔ اس کا گر "نوبس و مے نویس" میں پنہاں ہے جتنی مشق ہوگی اتنی ہی تحریر پختہ ہوگی۔

ابتدائی جماعتوں میں ہمارے اساتذہ اپنی جیب سے چاقو نکال کر قلم تیار کرایا کرتے تھے قلم کی لکڑ درست ہونی چاہیے۔ تراشا ہوا حصہ نیچے ہونا چاہیے۔ اگر قط درست نہیں ہو گا تو حروف کی درست ساخت ممکن نہیں ہوگی۔

تختی پر مشق کرائی جائے۔ اس سے بچے زیادہ سے زیادہ مشق کم خرچ پر کر سکتے ہیں۔

لکھائی میں بچوں کی نشست پر خصوصی توجہ دی جائے۔ بچے تختی پر جھک کر نہ لکھیں بلکہ سیدھے بیٹھ کر لکھیں۔ ابتدائی جماعتوں میں الفاظ کی املا پر خصوصی توجہ دی جائے [1]

---

[1] حا

باب ۱۳

اکتسابی جائزہ

دنیائے تعلیم میں "پیمائش" اور "جائزے" کی اصطلاحیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحیں اکثر ہم معنی قرار دی جاتی ہیں لیکن ان دونوں میں باریک فرق یہ ہے کہ پیمائش کی نسبت جائزے کی اصطلاح زیادہ وسیع اور مکمل ہے۔ جائزے سے ایسا مسلسل اور منظم عمل مراد ہے جس سے یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ کس متعلم نے تعلیمی مقاصد کس حد تک حاصل کیے ہیں۔ جب کہ پیمائش صرف کمیت تک محدود ہے۔

جائزہ کمیت اور کیفیت دونوں ہی سے کام لیتا ہے۔ پیمائش کا تعلق نتائج کو مقدار میں پیش کرنے سے ہے لیکن جائزے میں قدری فیصلے کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ پیمائش یہ بتاتی ہے کہ نثر، نظم کے امتحان میں کس طالب علم نے کل کتنے نمبر حاصل کیے ہیں لیکن جائزے میں اس طرح کے سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ متعلم کہاں تک نثر، نظم کے بنیادی اصولوں سے آگاہ ہے؟ کیا اُس نے دوسرے متعلمین کی نسبت کوئی ترقی کی ہے یا نہیں؟ قواعد سے متعلق اُس کی سمجھ بوجھ میں کوئی فرق آیا ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مختصراً عرض ہے کہ جائزہ تعلیمی حلقوں میں ایک جدید تر اصطلاح ہے جو پیمائش کے تصور کو آزمائشوں اور امتحانات میں مستعمل روایتی طریقے کی نسبت زیادہ قابلِ فہم بنانے کے لیے متعارف کرائی گئی ہے۔ جائزے کے لفظی معانی جانچ پڑتال یا تشخیص کے ہیں۔ گویا تعلیمی جائزے سے مراد وہ طریقے ہیں جن کے ذریعے بچے کی ذہنی، جسمانی، معاشرتی اور تعلیمی نشوونما کی ترقی کا پتہ چلتا ہے اور پیمائش صرف مخصوص مضمون میں بچے کی کارکردگی کا پتہ دیتی ہیں لہٰذا پیمائش تعلیمی جائزے کا ایک حصہ ہیں۔ تعلیمی جائزے میں مندرجہ ذیل پہلو شامل ہیں۔

(۱) مختلف مضامین کا علم
(۲) مہارتوں کی تکمیل
(۳) رویے آداب اور عادات
(۴) جسمانی نشوونما
(۵) دلچسپیاں اور مشاغل۔

چنانچہ اُردو زبان کے تعلم میں جائزے سے مراد وہ پیمانہ ہے جو اکتساب، وقت، معاوضہ،

تحصیل علوم، انتقال تربیت اور دیگر ضروریات اور ان کی بہم رسانی کا معیار مقرر کرنا ہے۔

کلنٹن چیپز کے مطابق :-

"پیمائش کے ذریعے سے حاصل ہونے والی مقداروں کو کسی خاص معیار کے مطابق رکھ کر اِن کی قدر و قیمت متعین کرنے کا عمل جائزہ کہلاتا ہے"

اے۔ جے۔ جونز کہتے ہیں کہ :-

"جائزہ کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے عمل کا نام ہے"

شیفنل لکھتے ہیں کہ :-

"جائزہ کسی عمل کی قیمت کے تعین کا نام ہے"

کارٹر۔ دی۔ گڈ کے مطابق :-

"تعلیمی جائزے سے مراد ایسا عمل ہے جس میں عموماً ایک معلم مختلف ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کا استعمال کر کے یہ نتائج حاصل کرتا ہے کہ متعلم کے رویے میں کس حد تک تبدیلی واقع ہوئی ہے"

تھارن ڈائیک اور ہیگن اپنی کتاب "نفسیات اور تعلیم میں پیمائش و جائزہ" میں لکھتے ہیں کہ :-

"جائزے سے مراد ایسا عمل ہے جس میں متعلم کی تحصیل علم کا جائزہ لینے کے لیے رسمی ذرائع کے علاوہ غیر رسمی ذرائع بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں اور اِن کے ذریعے سے یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ متعلم تعلیمی اعتبار سے اچھا ہے یا بُرا"

نیلسن کے مطابق :-

"جائزے سے مراد وہ عمل ہے جس میں تعلیمی پیمائش کے جملہ آلات یعنی تعلیمی آزمائشیں اور اِن کے استعمال سے ظاہر ہونے والے نمبر شامل ہوتے ہیں علاوہ ازیں تجربہ گاہوں میں طلبہ کی کارکردگی کی رپورٹیں، سیر و تفریح میں طلبہ کے رویے پر رپورٹیں۔ تحقیقی مقالات، ٹرم پیپرز اور مجموعی ریکارڈ کا مشاہدہ بھی شامل ہے"

مذکورہ بحث کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی جائزہ ایک باضابطہ عمل ہے جس کے ذریعے سے یہ پرکھا جاتا ہے کہ طالب علم کی تحصیل علم سے تعلیم کے کون سے عمومی و خصوصی مقاصد حاصل ہوئے۔

جائزے کے مقاصد

مدرسے کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وقتاً فوقتاً طلبہ کی لیاقت وصلاحیت کی جانچ کی جائے اور ان کی رفتار ترقی کا جائزہ لیا جاتا رہے تاکہ :۔

(۱) اساتذہ کو اپنی کوششوں کے اثرات کا اندازہ ہو سکے اور وہ حسب ضرورت نظام الاوقات رفتار کار اور طریق تعلیم میں مناسب تبدیلی کر سکیں۔
(۲) طلبہ کو اپنی محنت و توجہ اور لیاقت وصلاحیت کے متعلق ٹھیک رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔
(۳) والدین کو اپنے بچوں کی رفتار ترقی کا اندازہ ہوتا رہے۔
(۴) ذمہ داران ادارے کو اساتذہ کی کارکردگی اور ان کوششوں کے نتائج کا علم ہو سکے۔
(۵) طلبہ اور اساتذہ دونوں کو محنت کی ترغیب اور سابقہ کام کے اعادہ اور جانچ کا برابر موقع ملتا رہے۔
(۶) جماعت بندی کرنے، ترقی دینے یا آئندہ تعلیم کے سلسلے میں مناسب رہنمائی ہو سکے۔
(۷) طلبہ کا مقام اور حیثیت متعین کرنے نیز آئندہ انہیں کوئی ذمہ داری سپرد کرنے کے لیے معاشرے کو سندات کی شکل میں کوئی کسوٹی فراہم ہو سکے۔

جائزہ لینے کے طریقے

مدرسے میں بچے کی نشوونما کا جائزہ لینے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً

(۱) سوالات (۲) مشاہدہ
(۳) انٹرویو (۴) بحث
(۵) مشقیں (۶) کلاس ٹیسٹ
(۷) معیاری ٹیسٹ

۱۔ **سوالات :** عام طور پر سکولوں میں ہر تین یا چھ ماہ بعد بچوں کا زبانی یا تحریری امتحان لیا جاتا ہے جس میں چند سوال کیے جاتے ہیں اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بچے نے کتنا سیکھا ہے پھر سال کے اختتام پر ایسا ہی امتحان ہوتا ہے تاکہ بچے کو ترقی دی جائے۔ امتحان بچے کی تعلیمی ترقی کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اگر یہ احتیاط سے تیار نہ کیے جائیں تو ہمیں غلط معلومات ملیں گی یعنی جس بچے کو ترقی ملنی چاہیے وہ فیل ہو جائے گا اور جسے فیل ہونا چاہیے وہ پاس کر دیا جائے گا کیونکہ اگر آپ کے ترازو کے باٹ سیر کی بجائے ڈیڑھ سیر تو لیں گے تو پھر سوچ لیجئے کہ دکانداری تو نہیں ہو سکے گی۔ ایک من آٹے کی جگہ ڈیڑھ من آٹا ... در قیمت ایک ہی من کی وصول ہوگی۔ غلط قسم کے

امتحانوں کا نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ امتحانی پرچوں کے متعلق درج ذیل امور کو سامنے رکھنا چاہیے۔

(۱) معلم کو امتحان کے سوال بناتے وقت عمر اور ذہنی سطح کو سامنے رکھنا چاہیے۔

(۲) سوال مختصر ہوں۔

(۳) سوال کی زبان واضح ہو۔ ذومعنی الفاظ کا استعمال بچوں کے لیے باعثِ پریشانی ہوتا ہے۔

(۴) ٹیسٹ تیار کرتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ نہ بہت مشکل ہو کہ صرف چند طلبہ ہی حل کر سکیں اور نہ اتنا آسان کہ سب حل کر لیں۔

(۵) سوال ایسے نہ ہوں کہ بچے کو مضامین رٹنے کی عادت ہو۔ بعض استاد سوال سے پہلے لکھوا کر بچوں کو جواب رٹوا دیتے ہیں۔ یہ طریق کار غلط ہے۔

(۶) انشائی قسم کے علاوہ معروضی قسم کے ٹیسٹ بھی ہوں۔

امتحان لیتے وقت درج ذیل امور سامنے رکھنے چاہئیں۔

۲۔ انٹرویو: انٹرویو میں آپ کسی شخص کے ساتھ تھوڑی دیر بات کرنے کے بات اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں یہ شخص ذہین ہے یا ذہین نہیں ہے۔ اچھے اخلاق کا مالک ہے یا بُرے کا۔ خوش مزاج ہے یا بد مزاج۔ دلچسپ ہے یا بیزار کرنے والا۔ اس طرح طالب علم کو جاننے کے لیے انٹرویو کا طریقہ بہت کارآمد ہے۔ یوں تو استاد بچوں سے گفتگو کرتے ہی رہتے ہیں لیکن تعلیمی انٹرویو خاص مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ بعض بچے تحریری امتحانوں میں اپنی قابلیت کا مناسب اظہار نہیں کر سکتے لیکن انٹرویو میں زیادہ اچھی طرح بات سمجھا سکتے ہیں۔ اس میں استاد بچے کا زیادہ قریب سے مطالعہ کر سکتا ہے۔ یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس میں کتنی خود اعتمادی ہے اس کے گفتگو کا طریقہ کیا ہے۔ سوال سمجھ کر جواب دیتا ہے یا نہیں۔ اس میں شائستگی کس حد تک ہے۔ اس کے علاوہ استاد بچے سے یہ بھی معلوم کر سکتا ہے کہ اس کی کیا مشکلات ہیں۔ اس کو کون سے مضامین پسند ہیں کون سے ناپسند ہیں۔ انٹرویو کے لیے پیشگی تیاری ضروری ہے اور انٹرویو کے وقت گفتگو کے اہم نکات ایک ڈائری میں لکھ لیے جائیں۔

۳۔ بحث: یہاں بحث سے مراد تقریری مقابلہ نہیں بلکہ ایک تعلیمی جائزے کا ایک خاص طریقہ ہے کیونکہ تقریری مقابلوں میں دو فریق ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد دوسرے فریق کو شکست دینا ہوتا ہے لیکن کمرہ جماعت میں بحث کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کون جیتا کون ہارا۔ تمام جماعت ایک موضوع پر سنجیدگی سے غور کرتی ہے۔ اس کے بڑے بڑے پہلوؤں پر نظر ڈالتی ہے اور یہ کوشش کرتی ہے کہ باہمی گفتگو کے بعد کسی مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔ اس بحث کے

ذریعے سے استاد کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ بچوں کے گفتگو کرنے کے انداز دیکھے۔ یہ پتہ چلائے کہ وہ اپنی بات کی حمایت میں کیا کہہ رہے ہیں اور جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ جذبات پر مبنی ہے یا سوچ سمجھ پر۔ مثال کے طور پر بحث کا موضوع یہ ہو سکتا ہے۔"امتحان ضروری ہیں یا غیر ضروری"۔ ہر بچے کو موقع ملنا چاہیے کہ وہ اس موضوع کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرے اور دلیلیں پیش کرے۔ اس دوران استاد یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ بچے دوسرے کی بات کس طرح سنتے ہیں کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ بات کرنا تو جانتے ہیں لیکن دوسروں کی بات نہیں سنتے یا تو انہیں سرے ہی سے بولنے نہیں دیتے یا ان کی بات کاٹ دی جاتی ہے۔ لہٰذا تعلیمی بحث ایک طرح سے ذریعۂ تعلیم بھی ہے اور جائزے کا طریقہ بھی ہے۔ بحث کو بہتر بنانے کے لیے معلم کو چاہیے کہ وہ دلچسپ اور معلوماتی موضوعات تلاش کرے۔

(۱) موضوع بچے کی ذہنی اور تعلیمی سطح کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(۲) یہ بھی ضروری ہے کہ موضوعات روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔

(۳) ایسا نہ ہو کہ صرف چند زیادہ بولنے والے بچے ہی بولتے جائیں اور باقی چپ رہیں۔

(۴) بحث کے دوران میں استاد دخل اندازی نہ کرے بلکہ بچوں کو بولنے کا موقع دے۔

(۵) بحث کے بعد وہ بچوں کی کارکردگی کا ریکارڈ رکھے تاکہ بھولنے کا احتمال نہ رہے۔

۴۔ **مشقیں:** یہاں مشقوں سے مراد کسی چیز کا بار بار دہرانا نہیں بلکہ ایسا نیا کام ہے جس کا تعلق سبق سے ہو اور جو سبق یا مضمون کو اچھی طرح سمجھنے اور یاد کرنے میں مدد دے۔ مثلاً اُردو کی کتاب میں ایک سبق "سبزیاں"، مشق کے طور پر بچے کو کام دیا جائے کہ وہ سبزی کی دکان پر جائے، وہاں جو سبزیاں نظر آئیں ان کے نام لکھے ان کی قیمتیں لکھے، مختلف سبزیوں کی تصویریں بنائے لائبریریوں کی کتابوں سے پڑھ کے لوگوں سے بات چیت کر کے یہ لکھے کہ مختلف موسموں میں کون کون سی سبزیاں ہوتی ہیں۔ اس قسم کے کام سے بچے کو معلومات حاصل کرنے کے مختلف طریقوں کا پتہ چلے گا اور بجائے کتاب رٹنے کے دلچسپ طریقے سے اس کے علم میں اضافہ ہوگا۔ اس کو لوگوں سے بات چیت کرنا آئے گی اور لائبریری سے فائدہ اٹھائے گا۔

وہ اس کام کے بعد بہت خوشی محسوس کرے گا۔ مشقوں کے متعلق مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مشق بچے کی پہنچ سے باہر نہ ہو۔

(۲) مشقوں کے موضوعات کا تعلق بچے کے ماحول سے ہو یہ نہیں کہ دیہات کے بچوں کو ریڈیو سٹیشن کے بارے میں کام دیا جائے۔

(۳) مشقوں کے موضوعات دلچسپ ہوں۔

۴۔ کام بچے نے خود کیا ہو۔ ماں باپ سے کرائے ہوئے کام پر اُس شاباش یا نمبر نہیں ملنے چاہئیں۔

۵۔ کلاس ٹیسٹ: کلاس ٹیسٹ سے مراد ہمارے ملک میں امتحانات کا مروجہ طریقہ ہے۔ یہ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) مضمون قسم کا امتحان (۲) معروضی امتحان

۱۔ مضمون قسم کا امتحان

امتحانات کی یہ سب سے قدیم قسم ہے اس میں طلبہ کو چند سوالات تحریری طور پر دیے جاتے ہیں جن کے جوابات اِن کو لکھنا ہوتے ہیں جس طالب علم کو اظہارِ بیان پر جس قدر عبور ہوتا ہے وہ اتنے ہی زیادہ نشانات حاصل کرتا ہے لیکن جو خیالات کے اظہار میں کمزور ہوتا ہے وہ کمتر قیاس کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ مدارج میں اس قسم کے امتحانات زیادہ عمل میں آتے ہیں کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس منزل میں طلبہ اظہارِ بیان کی عمدہ صلاحیت کے حامل ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کا امتحان ابتدائی منزل میں اس وجہ سے زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بچے اس وقت اظہار بیان کی عمدہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ آج کل عام طور پر اسی قسم کے امتحانات کا طریقہ رائج ہے۔ مثلاً طلبہ کو تقریباً دس سوالات دیے جاتے ہیں جن میں پانچ سوال اِن کو حل کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے وہ مقررہ وقت میں اِن سوالات کے جوابات مضمون کی شکل میں تحریر کرتے ہیں۔

خوبیاں: (۱) اِن امتحانات سے اچھی طرح یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ طلبہ میں کسی بات کو سمجھنے، یاد کرنے یا اِن کو بیان کرنے کی کس حد تک صلاحیت ہے۔

(۲) اعلیٰ مدارج میں جب کہ طلبہ کے لیے محض قابلیت کو جانچنا ہی اہلیت کی دلیل نہیں بلکہ اظہارِ بیان کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کے امتحانات بہت کارآمد ہیں۔

(۳) اِن امتحانات سے نفسِ مضمون کا تنقیدی جائزہ لینے اور اس پر بحث واستدلال کی قوت کا اندازہ اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) اِن امتحانات سے طلبہ میں مزید تحصیل علم کی رغبت کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا ہے اور اس کے رجحانات کا بھی علم ہوجاتا ہے۔

(۵) اِن امتحانات سے طلبہ کی تحریر کی خوبیوں اور ادب کی مہارت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خامیاں: اِن خوبیوں کے باوجود جواب قسم کے امتحانات میں چند ایسی خامیاں

قابل ذکر ہیں۔

(۱) امتحانی پرچے کے سوالات کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ اگر طلبہ پورے نصاب کا مطالعہ نہ بھی کریں تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوجائیں گے کیونکہ سوالات نصاب کے مختلف حصوں سے آتے ہیں۔ اکثر طلبہ نصاب کا صرف وہی حصہ دیکھتے ہیں جس کے متعلق اِن کا اپنا یا کسی دوسرے کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ امتحان کے لیے ضروری ہے۔ باقی نصاب کو وہ چھوڑ دیتے ہیں۔

(۲) اِس قسم کے امتحانات میں معروضیت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اعتباریت کا بھی فقدان ہوتا ہے نیز زیادہ صحتمند بھی نہیں ہوتے۔

(۳) ہر شخص اِن کے جوابات دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ جوابات دیکھنے کے لیے ماہرین کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۴) جوابات دیکھنے اور نشانات دیکھنے میں کافی وقت درکار ہے۔

(۵) جوابات کے طویل یا مختصر ہونے کی کوئی حد نہیں ہوتی، اس لیے بعض طلبہ اتنے طویل جواب لکھتے ہیں کہ پرچے کا کافی حصہ چھوڑ جاتے ہیں جس سے اِن کی قابلیت کا اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا ہے۔

(۶) اس طرح کا امتحان اظہار بیان کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اس لیے صرف ایسے طلبہ ہی کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے جن کا اظہارِ بیان مؤثر صاف اور ادبیانہ ہوتا ہے۔

(۷) نمبر دینے میں ممتحن کے مزاج، جذبات اور دلچسپی کو بڑا دخل ہے۔

(۸) اِن جوابات میں غیر متعلقہ باتیں کافی حد تک شامل کردی جاتی ہیں جو امتحانی نقطۂ نظر سے نامناسب ہیں۔ جانچ کے لیے مقررہ وقت میں جو مسئلہ دیا گیا ہے، اس سے متعلق مواد ہی ضروری ہوتا ہے لیکن اِس قسم کے امتحانات میں لازمی طور پر غیر متعلقہ بیانات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

(۹) اِن میں قیاس آرائیاں کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔

(۱۰) طلبہ رٹائی پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اِس سلسلے میں نقل کرنے یا دیگر ناجائز ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۱) طلبہ مختلف قسم کے خلاصے اور حل شدہ سوالات پڑھ لیتے ہیں۔ اصل کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔ امتحانات کے قریب اس قسم کے بہت سے خلاصے وغیرہ دستیاب ہوجاتے ہیں جن کو رٹ کر طلبہ جوابات لکھتے ہیں۔ اس طرح اصل قابلیت نہیں پیدا ہوتی اور تخلیقی قوت کا فقدان ہوتا ہے۔

۲۔ معروضی یا جدید قسم کا امتحان

اِس قسم کے امتحانات کا طریقہ نئے سائنسی طریقوں کا مرہونِ منت ہے۔ اِن جدید طریقوں کو تعلیمی تحصیل کی آزمائشیں بھی کہا جاتا ہے۔ اِن آزمائشوں کی دو مشہور قسمیں ہیں۔

(۱) جدید قسم کا امتحان (۲) معیاری آزمائش

جدید قسم کے امتحانات میں وہ تمام برائیاں موجود نہیں ہوتیں جن کا مضمون قسم کے امتحان کے سلسلے میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ طریقہ امتحان نہایت مفید اور دلچسپ ہوتا ہے۔ آئی۔ایل کینڈل نے جدید قسم کے امتحانات کی تعریف اس طرح کی ہے

> "یہ امتحانات باضابطہ۔ معقول، درست اور واضح ہوتے ہیں۔ اِن میں سوالات صاف اور صریح ہوتے ہیں جوابات ایک یا دو لفظ یا جملے میں دیے جا سکتے ہیں۔ اِن کے مفہوم کے متعلق کم عقل کو بھی غلط فہمی نہیں پیدا ہو سکتی۔"

خوبیاں: اِس قسم کے امتحانات کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اِن میں سوالات کی تعداد کافی ہوتی ہے۔ تقریباً پورے نصاب سے سوالات اخذ کیے جاتے ہیں۔

(۲) ہدایات کافی واضح ہوتی ہیں، جس سے طلبہ کو کوئی شُبہ یا غلطی فہمی نہیں ہوتی وہ دی ہوئی ہدایات کے مطابق جوابات تحریر کرتے ہیں۔

(۳) چونکہ ہر سوال کا جواب صرف ایک ہی ہوتا ہے اور مکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جز وی نمبروں کا استعمال نہیں ہوتا۔

(۴) نمبر دینے کا طریقہ بہت آسان اور سائنسی ہوتا ہے۔ ہر شخص جوابات کی کنجی کی مدد سے امتحان کی کاپیاں جانچ سکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں یہ کام مشینوں سے بھی لیا جا رہا ہے اور اس قسم کی مشینیں رائج ہوتی جا رہی ہیں۔

(۵) جوابات میں غیر متعلقہ عناصر مثلاً خوشخطی، صفائی وغیرہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور صرف موادِ جواب، جو ایک یا دو الفاظ یا جملوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پر نشانات دیے جاتے ہیں۔

یہ امتحانات دراصل آزمائشوں کو معیاری بنانے اور تعلیم کو موثر بنانے کی غرض سے رائج کیے گئے ہیں اس طریقے میں سوالات اِس انداز سے کیے جاتے ہیں کہ ہر سوال بچے کے ذہن کو

جھنجوڑ دیتا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی جواب درست ہو سکتا ہے۔ جماعت کے کمرے میں اس قسم کی آزمائشیں غیر رسمی ہو سکتی ہیں۔ مختلف مضامین کے مختلف استاد اِن کو آسانی سے اپنے اپنے اوقات میں استعمال کر سکتے ہیں اِن امتحانات کی بہت سی قسمیں ہیں اور بھی نئی نئی اقسام ایجاد کی جا رہی ہیں۔ اِن میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر رائج ہیں۔

(۱) صحیح و غلط جوابات کی آزمائش (۲) انتخاب جوابات کی آزمائش

(۳) تکمیل فقروں کی آزمائش (۴) مشابہت کی آزمائش

(۵) شناخت کرنے کی آزمائش

مندرجہ ذیل خصوصی آزمائشوں کے علاوہ اعادہ کی آزمائشیں۔ ترتیب کی آزمائشیں تشبیہات کی آزمائشیں، متضادات کی آزمائشیں، مناسبت کی آزمائشیں اور تسلسل اعداد کی آزمائشیں بھی قابل ذکر ہیں۔

خامیاں : اس طریقے میں چند خامیاں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) تشریحی و توضیحی مواد بھی ضرور ہوتا ہے لیکن اس قسم کی آزمائشوں میں اس قسم کے مواقع حاصل نہیں کیونکہ جواب صرف ایک یا دو لفظ یا جملوں میں دینا ہوتا ہے یا صرف نشان لگانا پڑتا ہے۔

(۲) اس طریقے میں طلبہ آزاد سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی اصلی کام کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اس طرح یہاں بھی رٹائی کا عنصر کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

(۳) بعض ہدایات اس قدر الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ طلبہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں یا غلط سمجھ کر کافی غلطیاں کر جاتے ہیں۔

(۴) اِن آزمائشوں کے استعمال کے لیے ماہرین تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے ہر شخص جس کو اس قسم کے امتحانات سے واقفیت نہیں ہے۔ اِن آزمائشوں کو استعمال نہیں کر سکتا۔

(۵) اِن آزمائشوں میں طلبہ بغیر سوچے سمجھے بھی جوابات تحریر کر دیتے ہیں اور اندازے کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ دو صورتوں میں ایک صورت یقینی ممکن ہوتی ہے لہذا وہ اندھا دھند جوابات لکھ دیتے ہیں۔

(۶) اس کی جانچ کا طریقہ آسان نہیں ہوتا بلکہ اس میں ماہرین کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے مختلف فارمولے جات پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے جو ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

۶۔ معیاری ٹیسٹ امتحانوں کو قابل وثوق بنانے اور صحیح جانچنے کے لیے معیاری آزمائشیں استعمال کی جاتی ہیں۔ عام امتحان اور کلاس ٹیسٹ تو استاد خود

تیار کرتا ہے لیکن معیاری ٹیسٹ ماہرین تیار کرتے ہیں وہ بہت محنت اور احتیاط سے تیار کرتے ہیں۔ یہ ٹیسٹ ملک کے مختلف مدرسوں میں آزمائش کے طور پر ہزاروں بچوں کو دیے جاتے ہیں۔ ان کے جوابات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون سا سوال مناسب ہے کون سا رد کر دیا جائے۔ ٹیسٹ میں کتنے آسان سوال ہیں کتنے مشکل۔ مثلاً اگر ایک سوال سب بچوں نے حل کر لیا تو یہ بہت آسان ہے اور اگر کوئی بچہ بھی حل نہ کر سکا تو مشکل ہے۔ اس کو رد کر دینا چاہیے اور ٹیسٹ میں بھی شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ سوال جاننے والوں اور نہ جاننے والوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ہر جماعت کے بچوں کے معیار قائم کیے جاتے ہیں کہ اگر کسی بچے نے ٹیسٹ میں ۶۰ نمبر حاصل کیے تو اس کی پوزیشن کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان ٹیسٹوں کو مختلف عمر یا جماعتوں کے بچوں کے لیے مخصوص کر لیا جاتا ہے۔ ان تجربوں اور آزمائشوں کے بعد ان ٹیسٹوں کو کافی وثوق کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ان ٹیسٹوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی تیاری سائنسی طریقے سے کی جاتی ہے۔ یہ طالب علموں کی لیاقت کا صحیح اندازہ لگانے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ مختلف سکولوں میں ٹیسٹ دے کر ان کے تعلیمی معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان ٹیسٹوں کے دیکھنے میں بہت کم وقت لگتا ہے اور ممتحن کی رائے اور موڈ کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ ٹیسٹ خاص ماہرین اور ادارے تیار کرتے ہیں۔ ایک استاد کے لیے صرف ان کا علم ضروری ہے تاکہ وہ بوقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ معیاری ٹیسٹ تعلیمی استعداد، ذہانت، اکتساب اور شخصیت کے جائزے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہے کہ تعلیمی جائزے کے لیے استاد مختلف طریقے استعمال کر سکتا ہے اور ان کے نتائج سے وہ کئی قسم کے فائدے حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً

(۱) اس کو بچوں کی صلاحیتوں اور کمزوریوں کا پتا چلتا ہے اور اس کو فریق بندی میں مدد ملتی ہے۔

(۲) بچوں کو کمزوریوں کا علم ہونے کے بعد وہ مناسب طریقہ تدریس استعمال کر کے ان کی کمزوریاں دور کر سکتا ہے۔

(۳) بچے کی موجودہ کارکردگی کا اس کے پچھلے کام سے مقابلہ کر سکتا ہے اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ بچہ ترقی کر رہا ہے یا پیچھے جا رہا ہے۔

(۴) والدین کو ان کے بچوں کے بارے میں معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔

(۵) بچوں کی رہنمائی کی جا سکتی ہے۔

پرچہ بنانا اور جانچنا

معیاری پرچہ بنانے کے لیے مندرجہ ذیل مدارج کو مدنظر رکھنا ضروری ہے :-

(۱) منصوبہ بندی (۲) تیاری

(۳) آزمائش (۴) تصحیح

۱- منصوبہ بندی: منصوبہ بندی میں مقاصد متعین کرنا۔ نفسِ مضمون کا تعین کرنا اور امتحان کا خاکہ بنانا شامل ہے۔

(۱) مقاصد متعین کرنا: پرچے کی منصوبہ بندی کرتے وقت سب سے پہلے ضروری ہے کہ جن مقاصد کا جائزہ لینا ہو اِن سے متعلقہ مشاغل کی فہرست بنالی جائے۔ اکثر مقاصد نصاب میں متعین کیے گئے ہوتے ہیں۔ اِن میں سے جسے جانچنا مقصود ہو اِن کو علیحدہ کرکے فہرست بنالی جاتی ہے۔ بہتر ہے کہ مقاصد کی فہرست پڑھانے والا استاد خود بنائے۔ فہرست بناتے وقت یہ طے کرنا ضروری ہے کہ کس مقصد کی پیمائش کس قسم کے سوالات سے کی جائے گی۔

(۲) نفسِ مضمون کا تعین: دوسرا اقدام اِن عنوانات کا تعین ہے جن میں سے امتحان لینا ہوتا ہے اُس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اِن عنوانات کی فہرست بنائی جائے اور جو امتحانی پرچے میں شامل کیے جائیں گے اور پھر اِن میں سوالات بنائے جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر تمام عنوانات ایک جیسی اہمیت کے حامل نہ ہوں تو پھر یہ طے کرلیا جائے کہ کس عنوان کے کتنے سوالات بنائے جائیں گے اور کتنے فیصد نمبر ہوں گے۔ اس طرح اہمیت کے لحاظ سے عنوان کے تصورات کی فہرست بنالی جائے۔

(۳) امتحان کا خاکہ بنانا: بہتر ہے کہ امتحان کا پرچہ بنانے سے قبل ایک خاکہ تیار کرلیا جائے جس میں نفسِ مضمون کے مختلف عنوانات کی امتحان کے نقطہ نظر سے تقابلی اہمیت اور ہر تعلیمی مقصد کا کل امتحان میں جزو واضح ہوجائے۔ اس خاکے کی مدد سے یہ طے ہوجاتا ہے کہ کس عنوان کے تحت کتنے فیصد سوالات ہوں گے اور کس تعلیمی مقصد کو جانچنے کے لیے کتنے فیصد سوالات ہونا چاہئیں۔ معمولی محنت سے یہ معلوم کرنا ذرا بھی مشکل نہیں رہتا کہ کسی بھی عنوان کے ماتحت کسی خاص مقصد کو جانچنے کے لیے کتنے سوالات درکار ہوں گے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے ہوجانا چاہیے کہ کس درجہ علم کے کتنے فیصد سوالات پرچہ امتحان میں ہوں تو امتحان کے مقاصد کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔ تعلیمی مقاصد اور ہر علم کے نفسِ مضمون کے مطابق اساتذہ ایک عام خاکہ بنالیتے ہیں تاہم ہر چھوٹے بڑے امتحان کے لیے علیحدہ ہی خاکہ بنانا پڑتا ہے۔ اس خاکے کے لیے ضروری ہے کہ سوالات کی صحیح تعداد اور نوعیت طے پائے۔ اس کا انحصار مہیا وقت، نفسِ مضمون

اور مقاصد پر ہے۔

پرچہ امتحان کی تیاری: جب امتحان کا خاکہ تیار ہو جائے تو نفسِ مضمون اور آزمائشی مقاصد کے لحاظ سے خاکے کے ہر خانے کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سوالات تحریر کر لینے چاہئیں۔ ایک مرتبہ سوال بنا کر ضروری ہے کہ اِن پر نظرِ ثانی کی جائے اور ضروری ترمیم کر کے انہیں بہتر بنایا جائے۔ عام طور پر نظرِ ثانی کے بعد بعض سوالات تسلی بخش حالت تک بہتر ہو جاتے ہیں۔ بعض سوالات سے ممتحن خود مطمئن نہیں ہوتا۔ اس لیے سوالات ضرورت سے زائد تیار کر لیے جاتے ہیں تاکہ آخر میں ضرورت کے مطابق سوالات موجود ہوں۔ مناسب سوالات کا چناؤ خاکے کے مطابق کر کے پھر انہیں پرچہ امتحان کی صورت میں ترتیب دینا ضروری ہے۔ استعمال سے قبل ضروری ہے کہ پرچہ تیار ہو اور اس کی شرائط مندرجہ ذیل ہوں۔

(۱) امتحان کا ہر سوال دیے ہوئے اصولوں کے لحاظ سے تیار کیا گیا ہو۔

(۲) سوالات کا چناؤ خاکے کی تفصیل کے مطابق ہو۔

(۳) سوالات کی ترتیب درج شدہ اصولوں کے مطابق ہو۔

(۴) ہر قسم کے سوالات کے لیے مناسب ہدایات اور جواب دینے کے اصول واضح ہوں۔

(۵) جواب دینے کے لیے مناسب جگہ پرچے میں مہیا کی گئی ہو۔

(۶) جواب جانچنے کا معیار پہلے سے تعین کر لیا گیا ہو۔

(۷) جانچنے کے لیے کلید تیار ہو۔

جب یہ سب ہو جائے تو پرچہ پہلی مرتبہ طلبہ کے لیے آزمائش کے لیے تیار ہے۔

معروضی آزمائش کے مراحل

آزمائش کی پلاننگ کے مراحل: اس سلسلے میں تین جزوی اقدامات کیے جاتے ہیں۔

(۱) تدریسی اغراض کی شناخت اور وضاحت کرنا۔

(۲) کورس کی مافیہ کی بالتفصیل وضاحت کرنا اور خاکہ تیار کرنا۔

(۳) گوشوارہ مخصوصات تیار کرنا۔ اس کا ڈیزائن یہ ہوگا۔

(ملاحظہ فرمائیں اگلے صفحہ پر)

مافیہ مضمون	مقاصد	علم و واقفیت	قابلیت	مہارتیں	کل سوالات
ذخیرہ الفاظ محاورے جملے وغیرہ					

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

(۱) سوالات کی تعداد درج ذیل امور پر مبنی ہوتی ہے:۔

(ا) کوئی چیز جتنی بنیادی ہوتی ہے اتنی ہی اُسے اہمیت دی جاتی ہے۔

(ب) درسی کتاب کے کتنے صفحوں پر اس عنوان کو پھیلایا گیا ہے۔

(ج) وقت جو کسی جماعت میں کسی چیز کو پڑھانے میں لگتا ہے۔

(۲) سوالات کی اقسام، مقصد، مافیہ مضمون اور موزونیت کے اعتبار سے متعین کی جاتی ہے۔

(۳) آزمائشی سوالات تیار کرنا۔

(۴) سوالات کی ہدایات تحریر کرنا۔

(۵) آزمائش کی طوالت کا تعیں کرنا۔

(۶) آزمائش کی ہیت متعین کرنا۔

استعمال کے مراحل: آزمائش استعمال کرنے کے لیے مندرجہ ذیل مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔

(۱) سوالنامہ (پرچہ سوالات) تیار کرنا۔

(۲) پھر اسے چھپوانا۔

(۳) اُسے جماعت پر آزمانا۔

(۴) آزمانے کے بعد حتمی آزمائش تیار کرنا۔

(۵) اس کے بعد طلبہ کو حل کرنے کے لیے دیا جانا۔

(۶) نمبر لگانا۔

(۷) نمبر لگانے کے بعد نتائج تیار کرنا۔

تیاری کے اصول:

(۱) بیان یا تو مکمل طور پر صحیح ہو یا مکمل طور پر غلط۔

(۲) اس میں کوئی اشارہ موجودہ نہ ہو۔

(۳) بیان میں غیر مبہم اور واضح ہونا چاہیے۔

(۴) منفی سوالات سے حتی الوسع گریز کرنا چاہیے۔

(۵) بیان صرف ایک خیال پر مبنی ہونا چاہیے۔

(۶) بیان بہت طویل نہیں ہونا چاہیے۔

تکمیل آزمائش:

۱۔ صرف بنیادی الفاظ چھوڑے جائیں۔

۲۔ خالی جگہ زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

(۳) ہدایات واضح ہونی چاہئیں۔

(۴) اور جو ہدایات دی جائیں اس کی وجہ بھی بیان کی جائے۔

مختصر جواب آزمائش:

۱۔ اس کا جواب ہاں یا نہ میں نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ سوال ایسا ہونا چاہیے کہ طلبہ اس کا جواب ایک فقرے میں لکھ سکیں۔

(۳) سوالات واضح اور غیر مبہم ہونے چاہئیں۔

(۴) منفی بیانات یا سوالات سے حتیٰ الوسع گریز کرنا چاہیے۔

کثیر الانتخاب آزمائش:

۱۔ بیان میں مسئلہ نہایت واضح انداز میں بیان کیا جائے۔

۲۔ سوالات کا زیادہ حصہ بیانیہ ہونا چاہیے۔

(۳) بیان میں غیر متعلقہ باتیں شامل نہ کی جائیں۔

(۴) تکرار الفاظ سے گریز کرنا چاہیے۔

(۵) بیان میں غیر متعلقہ باتیں شامل نہ کی جائیں۔ منفی بیانات سے حتی الوسع اجتناب کرنا چاہیے۔

(۶) بیان اوپر اور جوابات نیچے ہونے چاہئیں۔

(۷) جوابات میں کوئی خاص قسم کی ترتیب نہ رکھی جائے۔

(۸) تمام سوالات کے جواب میں قرب ہونا چاہیے۔

(۹) یہ یقین کر لیجیے کہ صحیح جواب صرف ایک ہی ہے۔

(۱۰) اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کو ماپنے کے لیے جب کثیر الانتخاب ٹیسٹ بنایا جائے تو اس میں انوکھاپن ہونا چاہیے۔

آزمائش و تصحیح: اکثر سکولوں میں اساتذہ خود ہی امتحان لیتے ہیں۔ مختلف اداروں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کہیں کرسیوں میزوں پر بٹھا کر امتحان ہوتا ہے کہیں فرش پر بٹھا کر۔ حالات کے تحت بہترین ماحول پیدا کر لینا چاہیے۔ امتحان

لینے کے لیے کچھ مشورے ذیل میں درج ہیں اگر ممکن ہو تو ان کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔

(۱) امتحان شروع کرا لینے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ بچوں کے پاس متعلقہ چیزیں پوری ہیں۔

(۲) بچوں کی نشستیں قریب قریب نہ ہوں تاکہ انہیں نقل کرنے کا موقع نہ ملے۔

(۳) کمرہ امتحان کا ماحول عمدہ ہو۔ ہوا روشنی وغیرہ مناسب ہو نیز بچوں کے بیٹھنے کی جگہ آرام دہ ہو۔

(۴) بہتر ہے کہ بچے کمرہ امتحان سے پہلے سے مانوس ہوں۔

(۵) امتحان کے دوران میں ممکنہ حد تک بچوں کا دھیان دوسری طرف نہ ہٹایا جائے۔

(۶) امتحان شروع ہونے کے بعد استاد کمرے میں چکر لگاتے اور دیکھے کہ بچے ہدایات پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔

نمبر لگانا یا پڑتال کرنا: جس قدر ممکن ہو منصفانہ طریقے سے پڑتال کی جائے۔ سوالات بناتے وقت ان کے جوابات اور نمبروں کا تعین کر لیا جائے۔ کثیر الانتخابی اور صحیح، غلط میں عموماً صحیح جواب کا ایک نمبر اور غلط جواب کا صفر نمبر دیا جاتا ہے اور اگر سوال موضوعی قسم کا ضروری ہے تو اس کے بھی ہر پہلو کے پہلے سے نمبر متعین کر لیے جائیں اور پھر ان ہی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر ہر سوال کے نمبر لگائیں جائیں۔

نتائج کی تیاری اور فراہمی: عام طور پر امتحان کے بعد نتیجے کا انتظار رہتا ہے اور اساتذہ اسی کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پرچوں کی پڑتال کے بعد نمبر لگا دیے جاتے ہیں اور ان ہی نمبروں کی فہرست بنائی جاتی ہے۔ یہی حاصل کردہ نمبر سکول کے مختلف رجسٹروں، بچوں کی رپورٹوں اور مجموعی ریکارڈ فارموں میں درج ہو جاتے ہیں گویا کہ امتحان کے نتیجے کا کل انحصار ان ہی نمبروں پر ہوتا ہے۔ جدید علم پیمائش کی روشنی میں یہ سوال بار بار دہرایا جاتا ہے کہ ان نمبروں کے کیا معنی ہیں۔

پہلے دستور یہ تھا کہ پرائمری، مڈل اور میٹرک کے امتحانات میں نتائج ڈویژن کے حساب سے شائع ہوتے تھے۔ ۶۰ فیصد اور اس سے زائد نمبر لینے والے طالب علم درجہ اول یا فرسٹ ڈویژن حاصل کرتے تھے اور ۴۵ فیصد سے ۵۹ فیصد نمبر لینے والے درجہ دوم اور ۳۳ فیصد سے ۴۴ فیصد نمبر لینے والے درجہ دوم اور ۳۳ فیصد سے ۴۴ فیصد نمبر لینے والے درجہ سوم حاصل کرتے تھے اور ۳۳ فیصد سے کم نمبر لینے والے اس مضمون میں فیل ہو جاتے تھے۔ چند سال قبل حکومت نے اس طریقے میں تبدیلی تجویز کی اور بجائے ڈویژن اور درجات کے گریڈ کا سلسلہ نافذ کر دیا۔ اب ۷۰ فیصد اور اس سے زائد نمبر لینے پر اس مضمون میں طالب علم کو (A) گریڈ ملتا ہے۔ ۶۰ فیصد سے ۶۹ فیصد نمبر لینے والے طالب علم کو (B) گریڈ دیا جاتا ہے اور ۵۰ فیصد سے ۵۹ فیصد نمبر پر (C) گریڈ اور ۴۰ فیصد سے

۴۹ فیصد نمبر پانے پر (D) ڈی گریڈ اور ۴۰ فیصد سے کم نمبر پانے پر طلبہ کو (E) ایف گریڈ یعنی فیل قرار دیا جاتا ہے۔

اگر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اے اور بی گریڈ پرانے درجہ اوّل کے برابر ہیں۔ سی گریڈ درجہ دوم کے برابر ہے اور ڈی گریڈ لینے والے چند طلبہ پرانے لحاظ سے درجہ دوم اور درجہ درجہ سوم حاصل کرتے ہیں نیز ایف گریڈ لینے والے چند طلبہ درجہ سوم حاصل کرتے اور چند فیل ہوتے تھے۔

گریڈ دینے کے نئے اور پرانے طریقے سے مندرجہ ذیل دو فرق نمایاں ہیں۔

(۱) نئے طریقے میں بچوں کو بجائے تین کے پانچ امتیازی درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بہترین امتیازی درجہ بجائے ۶۰ فیصد کے ۷۰ فیصد پر شروع ہوتا ہے اور مناسب کارکردگی کا کم ترین قابلِ قبول درجہ بجائے ۳۳ فیصد کے ۴۰ فیصد پر شروع ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ بہتر طالب علم جو پہلے صرف اوّل درجہ حاصل کرنے کے لیے ۶۰ فیصد نمبر حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اب ان کی منزل ۷۰ فیصد نمبر حاصل کرنا ہوگی اور صرف پاس ہونے کے خواہشمند ۳۳ فیصد کی بجائے ۴۰ فیصد پر نظر رکھیں۔ نتیجتاً تعلیمی کارکردگی کا معیار بلند ہوگا۔

اس کے علاوہ اس نئے اور پرانے طریقے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ان دونوں میں چند مشترک کمزوریاں ہیں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ امتحان مشکل ہو یا آسان ایسا ہو جس میں فیصد نمبر لینے کے امکانات کافی ہوں یا وہ جس میں ۶۰ فیصد نمبر پانے والے شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ہمارے حساب سے ۶۰ فیصد نمبر پانے کا مقام یکساں رہتا ہے۔

اس طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون کا یا ایک امتحان سے دوسرے امتحان کے نتیجے کا صحیح مقابلہ اور کارکردگی کا صحیح تجزیہ نہیں ہو سکتا اس نقطہ کو مندرجہ ذیل مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہی جماعت کے بچوں کو ایک ہفتے کے وقفہ پر دو اُردو کے ٹیسٹ پیپر دیے جائیں ایک جو نہایت آسان ہو اور دوسرا بہت مشکل۔ اول الذکر ٹیسٹ پیپر میں بہت سے بچے سو فیصد نمبر لے جائیں اور آخر الذکر میں کوئی بھی پورے سوال ٹھیک نہ کر پائے اور اعلیٰ ترین کارکردگی پر اوّل آنے والے طالبعلم کے نمبر صرف ۶۰ فیصد ہوں اور اکثر بچے ۴۰ یا ۵۰ فیصد نمبر حاصل کریں تو ہمارے وضع کردہ اصول کے مطابق ایک ٹسٹ میں جو اے گریڈ حاصل کریں دوسرے ٹیسٹ میں ان کے بی۔ سی اور ڈی گریڈ ہوں گے۔

غرضیکہ نئے مروجہ گریڈ دینے کے طریقے میں یہ کمزوری قائم ہے کہ پرانے طریقے کی طرح اب بھی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کا ایک امتحان سے دوسرے کے نتیجے کا صحیح موازنہ اور کارکردگی کا صحیح تجزیہ ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں طریقے صرف حاصل کردہ نمبروں پر ہی منحصر ہیں اور مواقع اور مضمون کے لحاظ سے ہمیشہ ان کی پیمائش کا معیار بدلتا رہتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حکومت کو مدتوں سے مروج طریقہ تبدیل کرنا ہی تھا تو ایسا طریقہ کیوں نہ رواج دیا جو ان تمام کمزوریوں سے بری ہوتا اور جس میں گریڈ کا مطلب وقت مضمون اور امتحان سے متاثر ہوئے بغیر ہر صورت میں ایک ہی ہوتا۔ اس سوال کے دو مختلف جواب ذہن میں آتے ہیں۔ یا تو ایسا طریقہ موجود نہیں یا اگر موجود ہے تو ہمارے ماہرین تعلیم اس سے نابلد ہیں دراصل یہ دونوں صورتیں غلط ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے ماہرین تعلیم اس قسم کے طریقوں سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ان طریقوں کے رواج دینے سے قبل ضروری تھا کہ اساتذہ کرام کو ان طریقوں سے مانوس کرایا جائے۔

گریڈ دینے کے بہتر طریقے: صرف حاصل کردہ نمبروں کے بدلے ذیل میں بیان کردہ پرسنٹائل رینک یا فیصد درجے کی بناء پر گریڈ دیے جائیں تو مختلف مضامین، مختلف امتحانات اور مختلف زبانوں میں تعلیمی کارکردگی اور تعلیمی استعداد کی پیمائش کا موازنہ صحیح ہو سکتا ہے۔

پرسنٹائل رینک (فی صد درجہ) مخصوص پرسنٹائل رینک سے مراد وہ مقام ہے جس پر مخصوص فیصد طلبہ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ ہوا ہے مثلاً اگر ۹۰ نمبر لینے والے طالب علم نے ۸۴ فیصد طلبہ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو اس کا پرسنٹائل رینک (فی صد درجہ) ۸۴ ہوگا۔ اسی طرح اگر ۵۰ نمبر لینے والے طالب علم نے ۹۴ فیصد بچوں سے زیادہ نمبر حاصل کیے تو اس کا پرسنٹائل رینک بھی (فی صد درجہ) ۹۴ ہوگا۔

پرسنٹائل رینک یا فی صد درجے پر مضمون کی نوعیت، امتحان کا مشکل یا آسان ہونا یا استاد کا سخت گیر ہونا یا نہ ہونا اثر نہیں کرتا بشرطیکہ پوری جماعت کے ساتھ ایک ہی رویہ رکھا گیا ہو چنانچہ عین مناسب ہوگا کہ حاصل کردہ نمبروں کو فیصد درجہ یعنی پرسنٹائل رینک میں تبدیل کر لیا جائے اور پھر طے کردہ اصول کے مطابق طلبہ کو اپنی کارکردگی کے گریڈ دیے جائیں۔ اگر پرسنٹائل رینک (فی صد درجہ) کی بناء پر گریڈ دیے جائیں تو بچوں کی کارکردگی کا موازنہ دوسرے بچوں کی کارکردگی سے وابستہ ہو جاتا ہے اور کسی خاص ٹیسٹ، استاد اور مضمون کی نوعیت ان کی کارکردگی کے جائزے یا گریڈ پر اثر انداز نہیں ہوتی اور بجائے حاصل کردہ نمبر کے گریڈ کے معنی ایک امتحان سے دوسرے اور ایک سال سے

دوسرے سال کے لیے ایک ہی رہتے ہیں۔ اس طرح بچوں کا ایک مضمون سے دوسرے مضمون اور ایک امتحان کا دوسرے امتحان سے موازنہ ممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر پرائمری و ثانوی سکولوں میں بہترین کارکردگی کے ۱۰ فیصد بچوں کو (A) اے گریڈ دیا جائے۔ ۷۵ فیصد درجے اور اس سے بہتر کارکردگی کے مظاہرے پر (B) بی گریڈ ۲۵ فیصد درجے سے ۷۴ فیصد درجے تک (C) سی گریڈ ۱۰+ فی صد درجے سے ۲۴ فیصد درجے تک (D) ڈی گریڈ دیا جائے اور ان سے کم کارکردگی والے ۱۰ فیصد بچے اس مضمون میں (F) ایف گریڈ حاصل کریں۔ تو گریڈ معلوم ہوتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طالب علم دوسرے طلبہ کے مقابلے میں کیسا ہے۔

پرسنٹائل رینک یا فیصد درجے کے استعمال میں یہ خیال رہے کہ یہ آپس میں جمع نہیں ہو سکتا۔ کل کارکردگی کی وضاحت کے لیے ضروری ہوگا کہ گریڈ کا اوسط نکال لیا جائے۔ اس کے لیے بہترین تجویز یہ ہے کہ ہر گریڈ کے لیے ایک نمبر مقرر کر لیا جائے عام طور پر نمبر یوں دیے جاتے ہیں۔

4 - A

3 - B

2 - C

1 - D

جب سب مضامین کی اہمیت برابر ہو جیسا کہ ہمارے اسکولوں میں ہوتا ہے تو سب مضامین کے گریڈ کو نمبروں میں منتقل کر لیا جاتا ہے اور ان نمبروں کو جمع کر کے ان کی اوسط نکال لی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک بچے نے اسلامیات میں A، اردو میں B، حساب میں A، سائنس میں B، اور معاشرتی علوم میں C گریڈ لیا ہے تو اس کی اوسط $\frac{2+3+4+3+4}{5=(\text{کل مضامین})} = \frac{16}{5} = 3.2$ یعنی B گریڈ سے ذرا بہتر ہے + یعنی اس کی کل کارکردگی ہی 75 فیصد بچوں سے ضرور بہتر ہے۔ اس سے طلبہ کی کل کارکردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور آپس میں موازنہ بہتر ہوتا ہے۔

امتحان کے کئی مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف مقاصد کا حصول پرچہ بنانے اور دینے کی مختلف مناظر پر منحصر ہے۔ مثلاً عادات مطالعہ کا انحصار کسی حد تک اس بات پر ہے کہ امتحانات کب اور کیسے ہوں۔ تعلیمی مقاصد کی صحیح ترجمانی کی ضمانت امتحان بناتے وقت مقاصد اور نفس مضمون کی وضاحت اور خاکے کے مطابق سوال بنانے سے ہو جاتی ہے۔ یہی قدم توثیق کا بھی ضامن ہے۔ بچوں کی تعلیمی قابلیت کا کسی حد تک جائزہ اور آپس کا مقابلہ نتائج کی تیاری اور فراہمی سے ہو جاتا ہے لیکن استاد اور طلبہ کی خود آگاہی کے لیے امتحانی نتائج کا

مزید تجزیہ ضروری ہوتا ہے۔

اپنی خود آگاہی کے لیے استاد ایک نظر دیکھنے سے جانچ لیتا ہے کہ کسی نفسِ مضمون پر تقریباً ساری جماعت کو عبور حاصل ہے اور کسی عنوان میں زیادہ تر طلبہ کے لیے مزید وضاحت درکار ہے تاہم واضح جواب اسی وقت ملتا ہے جب باقاعدہ نتائج کا تجزیہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ نتائج کا تجزیہ خود پیمانے کو جانچنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ معلوم ہو جائے کہ خود پیمانہ کس حد تک قابلِ اعتبار ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سوالنامہ یا امتحانی پرچے میں ہر سوال کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ سوال کیسا ہے۔ یعنی

(۱) کتنے فی صد بچوں نے صحیح حل کیا ہے۔

(۲) کس حد تک ہوشیار اور کمزور بچوں میں تفریق اور امتیاز کرتا ہے۔

(۳) صحیح جواب کے علاوہ ہر ممکنہ جواب پر کتنے طلبہ نے نشان لگایا۔

اگر پرچے کا ہر سوال معیاری ہے تو امکان ہے کہ پرچہ بھی معیاری ہوگا تاہم مکمل پرچے پر اعتماد کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ معلوم ہو سکے کہ واقعی ہوشیار بچے اس پرچے میں بہتر اور کمزور بچے اسی کے مطابق کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس قسم کے تجزیے کے لیے علم شماریات کے چند تصورات اور قواعد کا اطلاق ضروری ہے۔ جس کی وضاحت یہاں ممکن نہیں۔

امتحانات سے بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ کی تعلیمی کارکردگی کا ریکارڈ رکھا جائے اس مقصد کے لیے حکومت نے مجموعی ریکارڈ کی تجویز پیش کی ہے اور پاکستان میں مختلف اداروں نے قومی اور صوبائی سطح پر مختلف ریکارڈ فارم وضع کیے ہیں۔ لازم ہے کہ اساتذہ ہر طالب علم کی تعلیمی کارکردگی کا اندراج مسلسل مجموعی ریکارڈ فارم میں کرتے رہیں۔

مجموعی ریکارڈ فارم میں تعلیمی کارکردگی کے علاوہ طالب علم کے بارے میں دیگر بہت سی معلومات درج ہوتی ہیں جو بچے کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ امتحانات کے نتائج اور دوسری معلومات بہم پہنچا کر یہ فارم بیک وقت طالب علم کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور مستقبل کی تعلیمی منصوبہ بندی کے لیے رہنمائی کرتا ہے [۹]

جائزے کی صورتیں

تدریسِ اردو میں جائزے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ روزمرہ جائزہ ۲۔ ہفتہ وار جائزہ

---

[۹] ایس ایم شاہد، تعلیمی نفسیات ص ۲۱۳ تا ۲۴۲

۳ ماہانہ جائزہ ۴ روزمرہ جائزہ

روزمرہ جائزے سے مراد یہ ہے کہ استاد کمرۂ جماعت میں روزانہ اپنے

۱۔ روزمرہ جائزہ: تدریسی کام کی جانچ پڑتال کرے تاکہ اُسے طلبہ کے رویے میں ہونے والی تبدیلیوں کا باقاعدہ علم رہے۔ روزمرہ جائزہ مندرجہ ذیل طریقوں سے لیا جاسکتا ہے۔

(۱) دورانِ سبق (۲) سبق کے اختتام پر

(۳) تفویض کار سے (۴) آموختے سے

(۱) دورانِ سبق جائزہ لینے کے لیے معلم سب کو چند منطقی حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ہر حصے کی تدریس کے بعد طلبہ پر چند سوالات کیے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ طلبہ کس درجے اکتساب حاصل کر چکے ہیں اسی طرح سبق کے اختتام پر معلم پورے سبق کی تدریس کا جائزہ لیتا ہے یعنی سبق کے چند بنیادی نکات پر سوال کیے جاتے ہیں اور اس طرح طلبہ کے اکتساب کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۲) روزمرہ جائزے کی ایک صورت تفویض کار ہے یعنی طلبہ کو گھر کا کام دیا جائے اور دوسرے دن آتے ہی اس کام کا جائزہ لیا جائے۔ اس سے طلبہ ذہنی طور پر بیدار رہتے ہیں۔

(۳) روزمرہ جائزے کی ایک صورت آموختے کا جائزہ بھی ہے یعنی ہر نیا سبق شروع کرنے سے پہلے سابقہ معلومات کا جائزہ لیا جائے تاکہ طلبہ کی اکتسابی اہلیت کا علم رہے۔

ہفتہ وار جائزہ تحریری طور پر لیا جاتا ہے یعنی ہر ہفتے ایک چھوٹا سا

۲۔ ہفتہ وار جائزہ: ایسا پرچہ ترتیب دیا جاتا ہے جسے طلبہ پون گھنٹے میں حل کر لیتے ہیں اس پرچے کے ذریعے سے معلم اور طلبہ کو پورے ہفتے کی تدریس کے اثرات کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ ہفتہ وار جائزے میں پورے ہفتے کا پڑھا ہوا مواد شامل ہوتا ہے اور پرچے میں ایسے سوالات ترتیب دیے ہوتے ہیں جو کہ ہفتے میں خواندہ نصاب پر حاوی ہوتے ہیں نیز پرچے میں شامل تمام سوالات حل کرنے کے ہوتے ہیں۔

ماہانہ جائزہ بھی تحریری طور پر لیا جاتا ہے۔ ماہانہ جائزہ لینے کے لیے

۳۔ ماہانہ جائزہ: پرچہ ترتیب دیتے وقت پورے ماہ کے پڑھے ہوئے نصاب کو اس کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔ ماہانہ جائزے کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

(۱) طلبہ میں مسابقت کا جذبہ ابھرتا ہے۔

(۲) طلبہ کے اکتساب مطالعہ کا ریکارڈ جمع کیا جاسکتا ہے۔

(۳) طلبہ کی درجہ بندی استعداد کے مطابق کی جاسکتی ہے۔

(۳) تفہیم عبارت کے مقاصد جلد حاصل ہوتے ہیں

(۴) طلبہ کے رجحانات و میلانات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۴۔ سالانہ جائزہ: پورے سال کے کام کے جائزے کے لیے بھی امتحانات کو ہی معیار مقرر کیا جاتا ہے اور اس کے اکتساب کی روشنی میں طلبہ کو اگلی جماعت میں ترقی دی جاتی ہے۔ سالانہ جائزے کا پرچہ پورے سال کے نصاب پر حاوی ہوتا ہے۔

مذکورہ امتحانات کے علاوہ سہ ماہی، ششماہی اور نوماہی امتحانات بھی لیے جاتے ہیں۔ یہ امتحانات اگر درست طریق پر لیے جائیں اور متعلمین کے کام کی پڑتال محنت سے کی جائے تو یہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے بے حد مفید ہوتے ہیں۔

امور جائزہ

جائزے کے اہم پہلوؤں کا مطالعہ تفصیل سے کیا جاچکا ہے یہاں چند اہم امور بیان کیے جاتے ہیں جو تدریس زبان کے جائزے میں خاص طور پر ملحوظ رہنے چاہئیں۔ لسانیات میں طلبہ کا جائزہ خواہ تقریری ہو یا تحریری دونوں حالتوں میں مندرجہ ذیل امور کا خیال خصوصی طور پر رکھنا چاہیے۔

(۱) مطالعہ (۲) انشا

(۳) قواعد

۱۔ مطالعہ: خوش خوانی اور وضاحت الفاظ کے ساتھ لفظی معانی، تشریح مرکبات و محاورات وتلمیحات، مفہوم عبارت، ایجاز مفہوم، اشتقاق الفاظ، استحسان عبارت اور اسلوب کا خیال زبان کا جائزے کے مطالعہ عمل سے لیتے وقت رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ انشا: انشا تقریری ہو یا تحریری اس عمل میں جائزہ لیتے وقت ذیل کے امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) **تقریری:** وضاحت زبان، تلفظ، روانی، ذخیرۂ الفاظ، مدوجزر صوت، تمثیلی انداز صحت بیان، وضاحت و بلاغت۔

(۲) **تحریری:** الفاظ کی بناوٹ، رفتار، سطریں، الفاظ کا فصل، رموز اوقاف، صفائی،

یکسانی، حاشیے، ہجے، فرقی و بغلی عنوان، پیرے، ذخیرہ الفاظ کے علاوہ وصف، استدلال تنقید و تحقیق کی قوت اور اسلوب بیان۔

۳_ **قواعد:** قواعد کا جائزہ عمل مطالعہ و انشا میں لیا جائے لیکن الگ طور پر اس سلسلے میں سوالات کے ذریعے ذیل کی چیزیں خصوصاً پرکھی جائیں:-

الفاظ کی ساخت، مرکبات کی ساخت اور جملے کی ساخت، ہر قسم کے غلط جملے کی اصلاح، الفاظ و محاورات کا جملوں میں استعمال، تذکیر و تانیث اور واحد جمع کی صورت۔

باب ۱۴

ادبی کھیل

پڑھنے کے کھیل

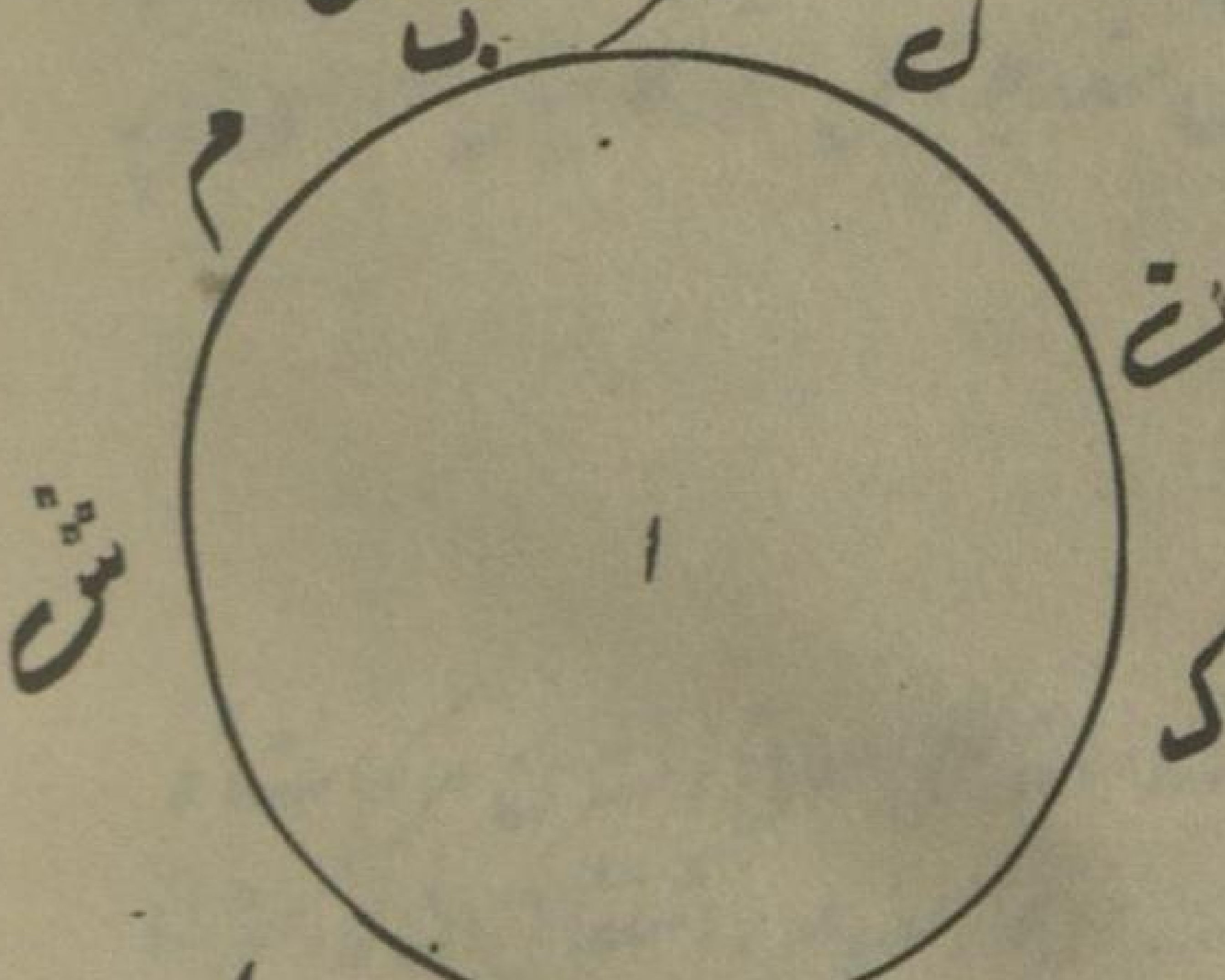
(۱) چھڑی کا کھیل

مقصد — بچے حروف پہچان سکیں   عمر — ۶-۷ سال

جماعت کے تمام لڑکے ایک بڑے دائرے کے محیط پر کھڑے کر دیئے جائیں۔ ہر ایک لڑکے کے پاس ایک کارڈ ہوگا جس پر کوئی حرف لکھا ہوگا۔ مدرس دائرے کے مرکز میں کھڑا ہوگا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوگی۔ مدرس کوئی سا حرف پکارے گا اور حرف کا نام لیکر چھڑی کو آہستہ سے چھوڑ دے گا جس لڑکے کے پاس اس حرف کا کارڈ ہوگا وہ دوڑ کر چھڑی کو گرنے سے پہلے پکڑے گا۔ اگر نہ پکڑ سکے تو وہ ہار جائے گا۔

(۲) الفاظ بنانا

مقصد — بچے حروف اور الفاظ پہچان سکیں   عمر ۶-۷ سال



ایک دائرے کے محیط پر لڑکے کھڑے کر دیئے جائیں۔ ہر ایک لڑکے کے پاس ایک کارڈ ہوگا جس پر ایک مفرد حرف لکھا ہوگا۔ مرکز میں ایک لڑکا کھڑا ہوگا۔ اُس کے پاس ا ہوگا مرکز والا لڑکا محیط والے کسی لڑکے کے سامنے اپنا کارڈ کرے گا اور وہ اپنے حرف کے ساتھ مرکز کا حرف ملا کر پڑھے گا۔ (مثلاً م۔ ا۔ ما)، اسی طرح کھیل جاری رہے گا مرکز پر ا کی بجائے و۔ ی یا اور موزوں حروف رکھے جا سکتے ہیں۔

(۳) پڑھ جاؤ کی دوڑ

مقصد — بچے الفاظ پہچان سکیں   عمر — ۶-۷ سال

بچوں کو ایک دائرے میں کھڑا کر لو اور ہر ایک کے سامنے پڑھے ہوئے الفاظ کے کارڈ ایک ایک اُلٹا کر کے رکھ دو۔ بچے پہلی سیٹی کی آواز پر دائرے میں دوڑیں۔ دوسری سیٹی پر ٹھہر جائیں۔ تیسری سیٹی

پر اپنے اپنے آگے پڑھے ہوئے کارڈ اُٹھا کر باری باری بلند آواز میں پڑھیں اور پھر اُلٹا کر رکھ دیں یہ سلسلہ جاری رہے۔ حتیٰ کہ ہر ایک لڑکا تمام الفاظ کم از کم ایک دفعہ پڑھے۔

(۳) کارڈ جمع کرنا۔

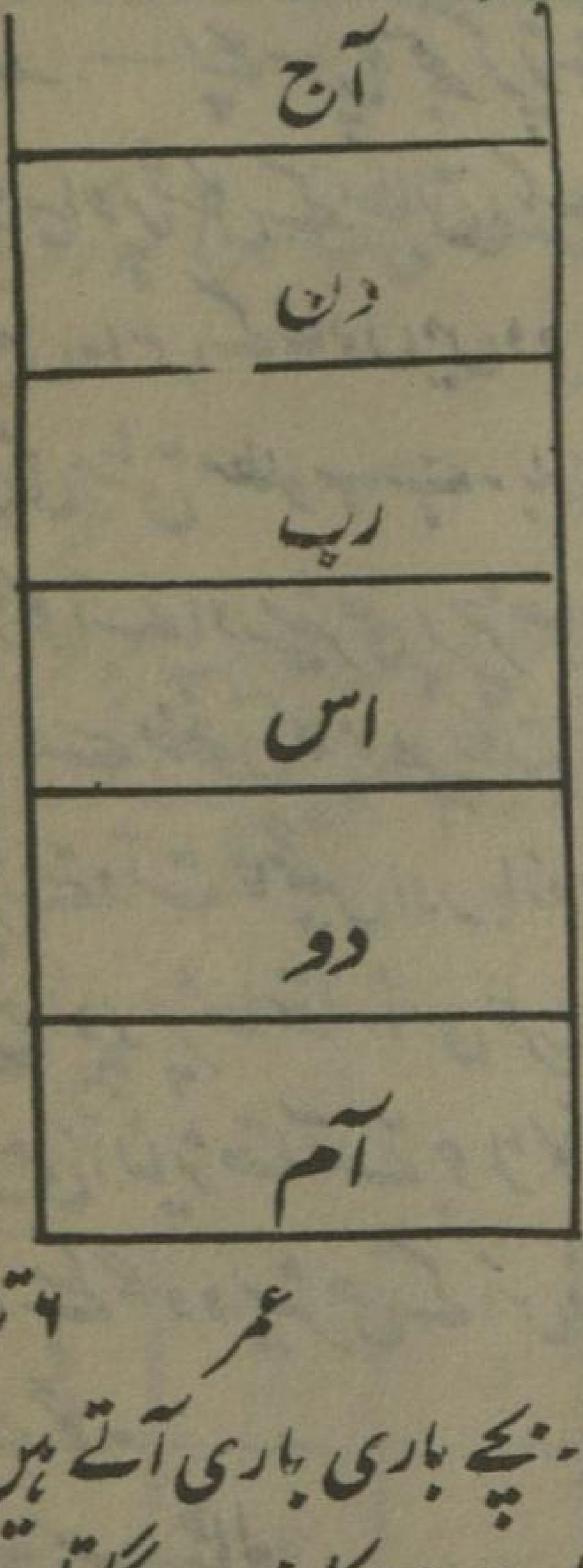
مقصد ——— بچے الفاظ پہچان سکیں　　عمر ——— ۶۔۷ سال

پڑھے ہوئے الفاظ کے کارڈ کمرے میں اِدھر اُدھر رکھ دیئے جائیں۔ ایک لڑکا جائے اور کمرے میں گھوم کر جو نسے الفاظ وہ پڑھ سکتا ہے۔ اُٹھا لائے اور جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر بلند آواز سے پڑھ کر سنائے اور پھر وہیں جا کر رکھدے۔ اسی طرح دوسرے لڑکا اٹھائے جو لڑکا سب سے زیادہ کارڈ اٹھائے گا، وہی جیتے گا۔

(۵) ٹھیکری چالا

مقصد　بچے حروف۔ الفاظ یا جملے پڑھ سکیں　　عمر　۶ تا ۸ سال

زمین پر خانے بنا کر ہر ایک خانے میں ایک حرف۔ یا لفظ۔ یا جملے والا کارڈ رکھ دیا جاتا ہے جماعت کے دو گروپ بنا کر اُن کو قطاروں میں کھڑا کر دیتے ہیں پھر ہر ایک ٹولی کا لڑکا باری باری آتا ہے۔ ایک ٹولی کا لڑکا خانوں میں ٹھیکری پھینکتا ہے، جس حرف۔ یا لفظ یا جملے پر ٹھیکری پڑے۔ دوسری ٹولی کا لڑکا اُسے پڑھتا ہے۔ پڑھ لے تو ایک نمبر دیا جاتا ہے۔ نہ پڑھ سکے تو ٹھیکری پھینکنے والا لڑکا پڑھتا ہے اور ایک نمبر لیتا ہے جس ٹولی کے نمبر زیادہ ہوں وہ جیت جاتی ہے۔



(۶) بولتا کاغذ

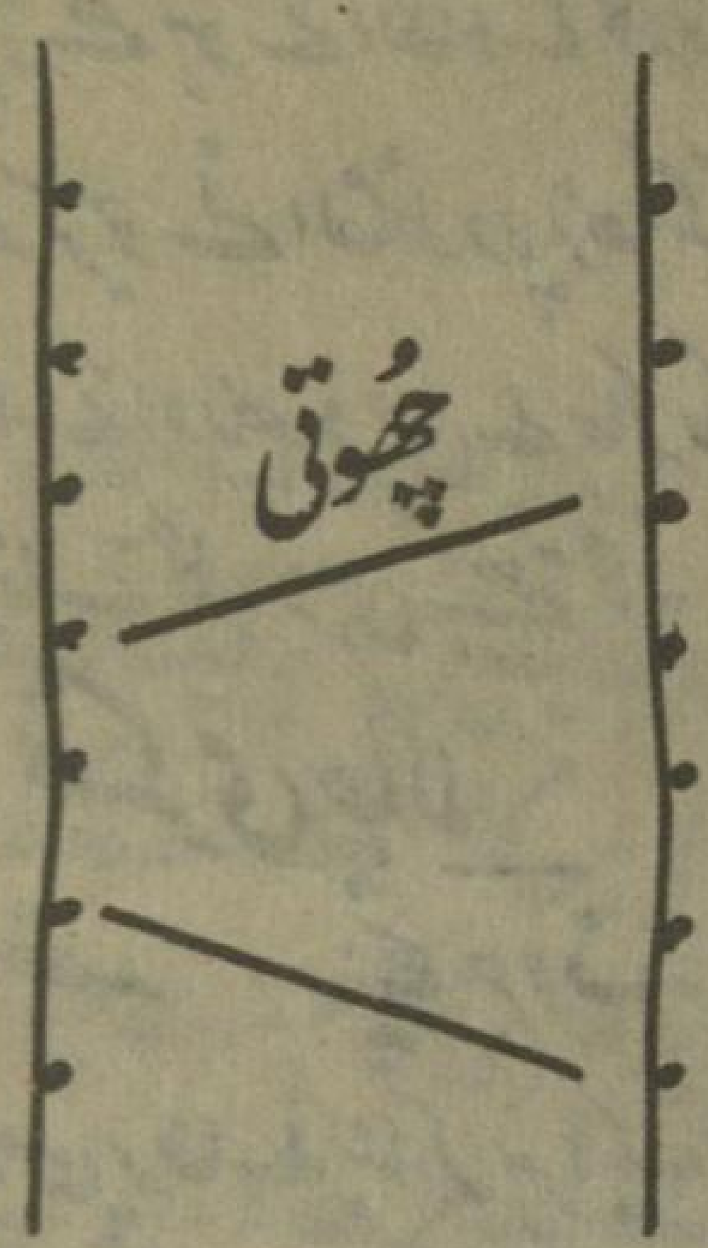
مقصد　طلبہ الفاظ کی شناخت کر سکیں　　عمر　۶ تا ۷ سال

پڑھے ہوئے الفاظ کے کارڈ زمین پر اُلٹے رکھ دیتے ہیں۔ بچے باری باری آتے ہیں اور کارڈ اُٹھا کر پڑھتے ہیں۔ لڑکا ایک کارڈ کو اٹھاتا ہے۔ منہ میں پڑھتا ہے۔ پھر کان سے لگاتا ہے اور زور سے پڑھ دیتا ہے۔ اگر بھول جائے تو باقی لڑکے بھرا بھرا کہتے ہیں۔

مقصد　الفاظ کی شناخت　　عمر　۶۔۷ سال

جن الفاظ کی مشق کرنا مقصود ہو۔ اُن کے دو دو کارڈ بنوائے جائیں۔ لڑکوں کو دو قطاروں میں کھڑا کر دیا جائے۔ قطاروں کے درمیان دس گز کا فاصلہ ہو۔ ہر ایک لڑکے کے پاس ایک ایک کارڈ ہوگا۔

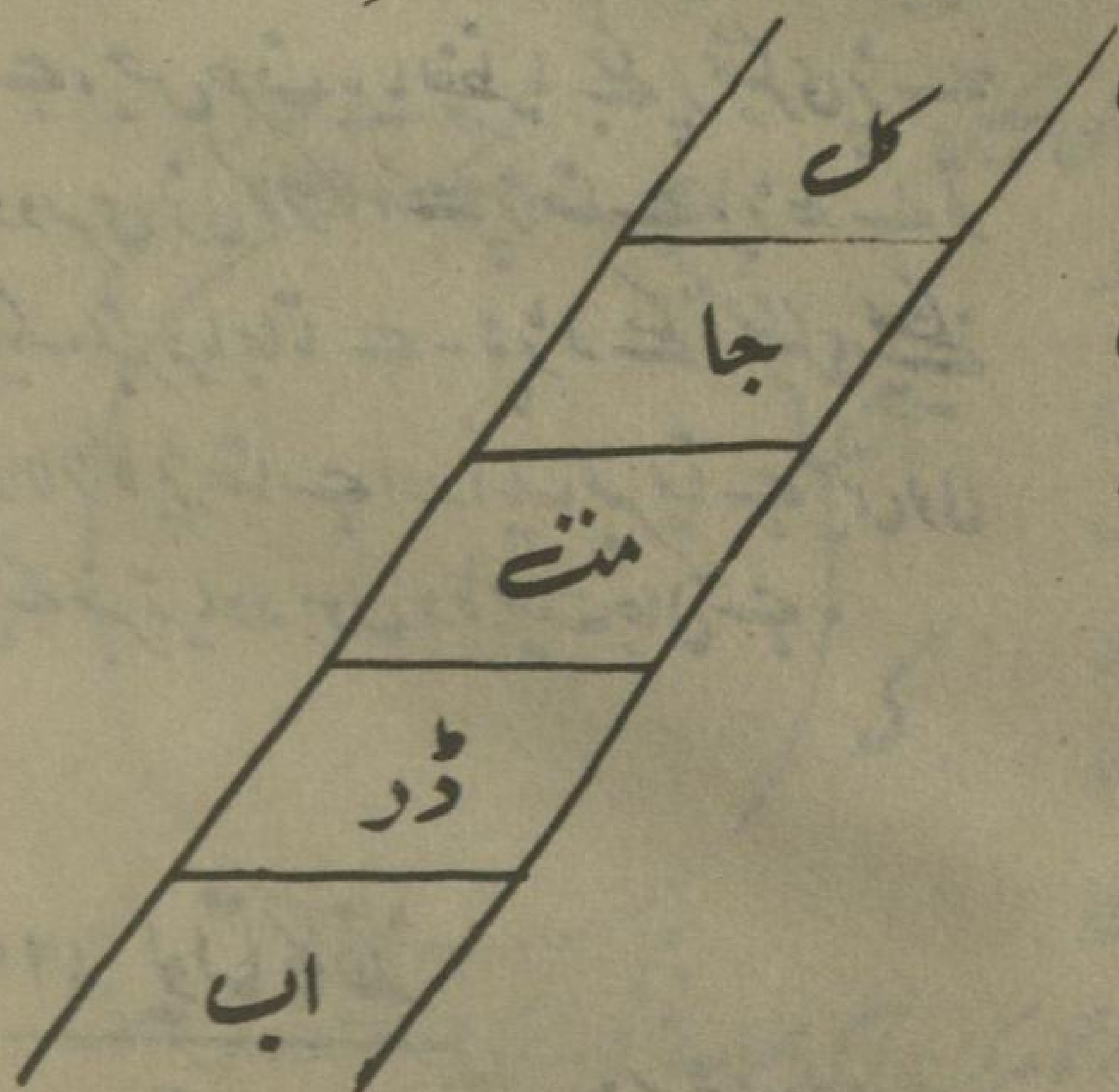
کارڈوں کا ایک سیٹ ایک لائن میں تقسیم کیا جائے اور دوسرا دوسری لائن میں۔



ایک لڑکا چھوتی بن جائے۔ اور وہ دونوں قطاروں کے عین درمیان میں کھڑا ہو۔ وہ کسی لفظ کا نام بلند آواز سے پکارے۔ جن دو لڑکوں کے پاس وہ لفظ ہوگا۔ وہ دوڑ کر آپس میں جگہ بدلیں گے۔ چھوتی انہیں پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کوئی لڑکا پکڑا جائے گا تو اُسے چھوتی بنا دیا جائے گا اور چھوتی اس کی جگہ لے گا اور کھیل اسی طرح جاری رہے گا۔

(۸) سیڑھی پر چڑھنا

مقصد — بچے سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی ہو جائیں عُمر — ۶ تا ۸ سال



تختہ سیاہ پر شکل کے مطابق ایک بڑی سیڑھی بنالیں۔ اس کے خانوں میں وہ لفظ لکھ لیں جن کی مشق مطلوب ہے۔ باری باری ایک ایک لڑکا آئے اور سیڑھی پر چڑھتا جائے اور بلند آواز سے لفظوں کا نام پکارتا جائے سیڑھی پر چڑھتے وقت ٹانگیں اور بازو ہلائے پھر جس طرح اوپر چڑھا تھا۔ اُسی طرح نیچے اُتر آئے۔ یعنی اُلٹا پڑھتا آئے جو لڑکا کوئی لفظ نہ پڑھ سکے گا وہ سیڑھی کے اُس ڈنڈے سے گر پڑے گا۔

(۹) شاد سڑپلو

مقصد — بچے سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی ہو جائیں۔ عُمر — ۶ تا ۸ سال

شکل کی مدد سے زمین پر چونے سے نشان لگائیں۔ باری باری ہر ایک لڑکا آئے اور ایک ٹانگ پر کودتا ہوا ہر ایک خانے کا لفظ پڑھتا جائے اگر وہ دوسرا پاؤں لگا دے تو ہار گیا۔ درمیانی



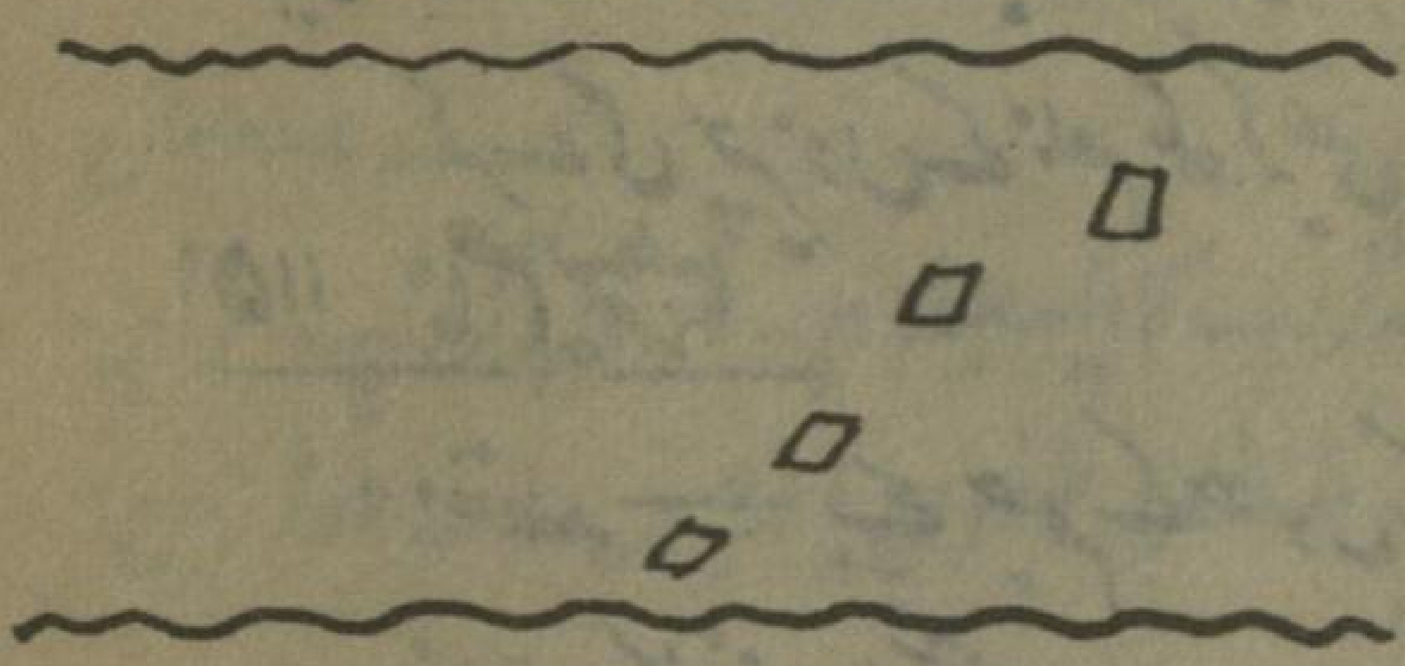
خانے میں ٹھہرا جا سکتا ہے۔

مقابلے کے لیے دو شکلیں بنائی جائیں اور جماعت کے دو گروپ کھڑے کیے جائیں۔ کھیل بیک وقت شروع کر دیا جائے جو گروپ اپنا کام پہلے ختم کرے گا۔ وہ جیت جائے گا۔

(۱۰) دریا عبور کرنا

عمر — ۶-۷ سال

مقصد — بچے سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی ہو جائیں



چونے سے دریا کے دونوں کنارے بنائے جائیں پھر اُس کے عرض میں الفاظ کے کارڈ رکھ دیئے جائیں۔ لڑکا ان کے ساتھ ساتھ ایڑیاں اٹھاتا پنجے لگاتا اور اپنے وزن کو سنبھالتا ہوا چلے گا اور ان الفاظ کو بلند آواز سے پڑھتا جائے گا۔ جو لڑکا تمام الفاظ صحیح پڑھ دے گا، سمجھا جائے گا کہ اُس نے سلامتی سے دریا عبور کر لیا۔

(۱۱) تاش کا کھیل

مقصد — حروف کی شناخت

عمر — ۶ سال

لڑکے دائرے میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر ایک لڑکے کے پاس حروف کا سیٹ ہوگا ایک لڑکا ایک کارڈ پھینکے گا اور ساتھ ہی حرف کا نام پکارے گا۔ دوسرے لڑکے اُسی حرف کے کارڈ پھینکیں گے۔

(۱۲) لفظ بنانا

عمر — ۶-۷ سال

مقصد — حروف و الفاظ کی شناخت

تختہ سیاہ پر خانوں میں مختلف حروف لکھ دیں۔ جماعت کے دو گروپ بنا دیئے جائیں ہر ایک گروپ کے لڑکے باری باری حروف کو جوڑ کر لفظ بنائیں جو گروپ زیادہ لفظ بنائے گا۔ وہ جیت جائیگا (خانوں میں حروفِ علت ضرور لکھے جائیں۔

د	ر	د
م	ا	س
ی	ج	ک

(۱۳) الفاظ چننا

مقصد — الفاظ کی شناخت

عمر — ۶-۷ سال

پڑھے ہوئے الفاظ کے کارڈوں کا میز پر یا فرش پر ڈھیر لگا دو۔ ہر ایک لڑکے کو ایک ایک حرف بتا دو۔ ہر ایک لڑکا اپنے حرف سے شروع ہونے والے تمام لفظ چن لے۔ وقت مقرر کر دیا جائے جن لڑکوں کے حروف والے کارڈ ڈھیر میں باقی رہ جائیں وہ ہار گئے۔

(۱۴) چھٹی رسان

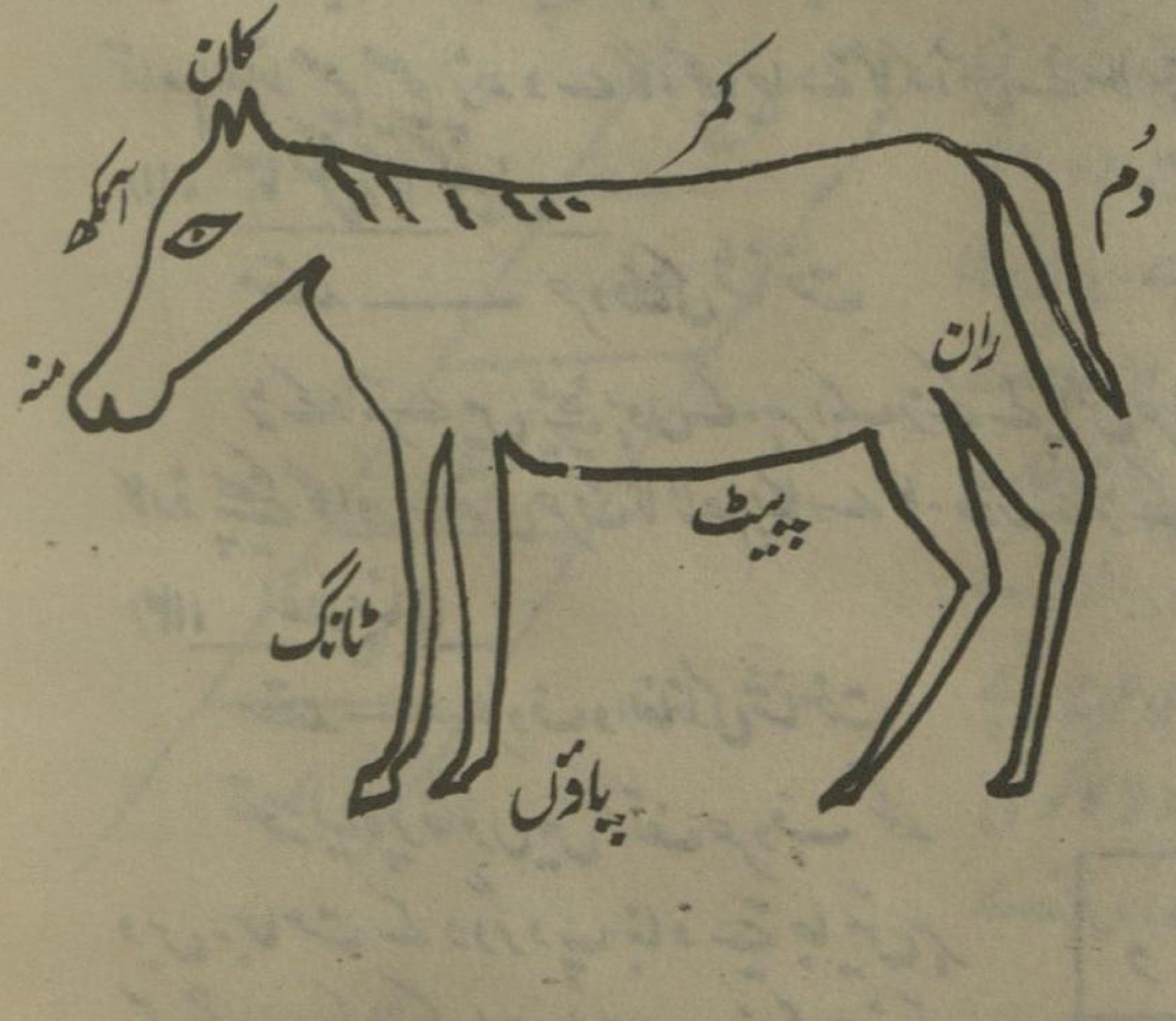
مقصد بچے چیزوں کے نام پہچان سکیں عمر ۷۔۸ سال

موٹے کاغذ یا گتے کے کارڈوں پر بچوں کے نام لکھ دیئے جائیں اور تمام کارڈ ایک تھیلے میں ڈال دیئے جائیں۔ ایک لڑکے کو وہ تھیلا دے کر کہا جائے کہ وہ ڈاک تقسیم کر دے۔ وہ ایک کارڈ نکال کر بلند آواز سے نام پڑھے گا اور اس نام کے لڑکے کو دے دے گا۔ باری باری سب بچے ڈاک تقسیم کریں۔ وقت کا اندازہ رکھا جائے جو لڑکا سب سے جلدی ڈاک تقسیم کرے گا۔ وہ جیت گیا۔

کمرے کی چیزوں کے نام لکھ کر بھی یہ کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔

(۱۵) نام جوڑنا

مقصد —— بچے جسم کے حصوں کے نام پڑھ سکیں عمر —— ۷۔۸ سال



زمین پر کاغذ پر یا تختہ سیاہ پر کسی جانور کی بڑی سی تصویر بنالیں۔ طلبہ اس کے گرد بیٹھ جائیں۔ استاد کے پاس گتے کے کارڈ ہوں جن پر جسم کے مختلف حصوں کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ باری باری سے ہر ایک لڑکے کو وہ گتے دیئے جائیں کہ جسم کے مختلف حصوں پر اُن کے نام کے گتے رکھ دے۔

اسی طرح کمرے کی چیزوں کے نام گتوں پر لکھ کر بچوں سے کہیں کہ جس چیز کا نام ہے۔ اس کے اوپر رکھ آؤ۔

(۱۶) آنکھ مچولی

مقصد —— بچے صحیح فقرات کا تصور کر سکیں عمر —— ۷۔۸ سال

استاد تختہ سیاہ پر کسی پڑھی ہوئی کہانی کے چند فقروں کے الفاظ ترتیب سے رکھ دے۔ سب بچے آنکھیں بند کریں۔ استاد کوئی سا ایک لفظ اٹھائے۔ بچے آنکھیں کھول لیں اور بتائیں کہ کون سا لفظ نہیں ہے۔ باری باری سب سے پوچھا جائے۔

(۱۷) خاموش مطالعہ

جماعت کو تختہ سیاہ کے سامنے نصف دائرے میں کھڑا کر لو اور بچوں کو ہدایت کردو کہ میں جو کچھ تختہ سیاہ پر لکھوں۔ اُسے خاموشی سے پڑھو اور جسے حکم دوں وہ اس کی تعمیل کرے۔ پھر تختہ سیاہ پر ایک حکم لکھو۔ جب تمام بچے پڑھ لیں تو انگلی کے اشارے سے ایک سے تعمیل کراؤ اور پھر دوسرا حکم لکھو۔ مثلاً بیٹھ جاؤ۔ سلام کرو۔ تالی بجاؤ باہر جاؤ وغیرہ

(۱۸) راجہ اور وزیر

مقصد ــــ بچے مکمل فقرات پڑھ سکیں   عمر ــــ ۷۔۸ سال

جماعت کے دو گروپ بنائے جائیں۔ ہر ایک گروپ کا ایک لیڈر ہو۔ دونوں گروپ برابر قطاروں میں کھڑے ہوں۔ ان سے دس بارہ گز کے فاصلے پر لفظوں یا فقروں والے کارڈ زمین پر علیحدہ علیحدہ پڑے ہوں۔ مدرس کے پاس ان الفاظ یا فقرات کی فہرست ہوگی۔ یا وہ فقرات والی لائن کے پاس کھڑا ہوگا۔ اب مدرس کسی ایک فقرے یا لفظ کا نام لے گا۔ دونوں گروپوں کا پہلا لڑکا دوڑے گا اور دونوں میں سے جو لڑکا کارڈ پہلے تلاش کرے گا۔ وہ اٹھا کر واپس آجائے گا اور اپنی قطار کے آخیر میں جا کر بیٹھ جائے گا۔ دوسرا لڑکا خالی ہاتھ آکر اپنی قطار کے پیچھے کھڑا ہو جائے گا۔ اب مدرس کسی اور لفظ کا نام لے گا اور دوسرے لڑکے دوڑیں گے جس قطار کے زیادہ لڑکے بیٹھ جائیں گے۔ وہ جیت جائے گی۔

فقرات والے کارڈ

•	•
•	•
•	•
•	•
•	•

(۱۹) مشاعرہ

مقصد ــــ بچوں کا ذخیرۂ الفاظ بڑھانا   عمر ــــ ۷ تا ۹ سال

(۱-۱) پہلے درجے میں بچوں کو ایسے الفاظ یاد کرائیں جائیں۔ جن کا پہلا حرف سب کا ایک ہی ہو۔ مثلاً م کے الفاظ۔ مولی۔ مکھی۔ منشی۔ موٹر۔ موڑ وغیرہ۔ جماعت کے دو گروپ بنا دیئے جائیں۔ ایک گروپ میں سے کوئی لڑکا ایک لفظ کہے۔ دوسرے گروپ کا لڑکا اسی

حرف کا حرف کا دوسرا لفظ کہے۔ اسی طرح کھیل جاری رہے گا۔ آخر میں جس گروپ کے لڑکے کوئی اور لفظ نہ بتا سکیں۔ وہ ہار گیا۔

(ب) دوسرے درجے میں ایک گروپ کا لڑکا کوئی سا لفظ کہے۔ دوسرے گروپ کا لڑکا اس کے مقابلے میں ایسا لفظ کہے جس کا پہلا حرف وہی ہو جو پہلے لڑکے کے لفظ کا آخری حرف تھا۔ مثلاً پہلا لڑکا کہے مشین۔ دوسرا لڑکا کہے نمک۔ پھر پہلے گروپ کا لڑکا کہے کتا۔ دوسرے گروپ کا لڑکا کہے انار۔ علیٰ ہذ القیاس،

(۲۰) سچ جھوٹ

مقصد ــــ بچے سوچ سمجھ کر پڑھ سکیں　　　　عمر ــــ ۷-۸ سال

مدرس تختہ سیاہ پر چند غلط اور صحیح فقرات لکھے جو طلبہ کے پڑھے ہوئے الفاظ سے مرکب ہوں۔ پھر ایک طالب علم ان فقرات کو بلند آواز سے باری باری پڑھے اور باقی لڑکے سچ یا جھوٹ کوئی سا جواب دیں۔

(۱) یہ بھینس لال ہے	جھوٹ
(۲) اکبر گھاس کھاتا ہے۔	جھوٹ
(۳) ناصر روٹی کھاتا ہے۔	سچ
(۴) گائے انڈا دیتی ہے۔	جھوٹ

(۲۱) فقرے بازی

مقصد ــــ بچے اظہار خیال کے عادی ہو جائیں۔　　　　عمر ــــ ۸ تا ۱۰ سال

جماعت کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ کوئی ایک چیز طلبہ کے سامنے پیش کی جائے۔ ایک گروپ کا لڑکا اس چیز کے متعلق ایک فقرہ بنائے۔ پھر دوسرے گروپ کا لڑکا اسی چیز کے متعلق ایک اور فقرہ بنائے۔ اسی طرح دونوں گروپ باری باری فقرے بناتے جائیں جو گروپ فقرے بنانے سے عاجز رہ جائے۔ وہ ہار گیا۔

(۲۲) پہیلیوں کا مقابلہ

مقصد ــــ بچے دماغ سے کام لے سکیں　　　　عمر ــــ ۸ تا ۱۰ سال

جماعت کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک گروپ کا لڑکا پہیلی کہتا ہے اور دوسرے گروپ کے سب لڑکے اسے بوجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر صحیح جواب دے دیں تو پھر اس گروپ کا لڑکا پہیلی کہتا ہے

(۲۳) چور پکڑنا

مقصد — بچے مکمل فقرات پڑھ سکیں   عمر — ۷ تا ۹ سال

فقرات کو کاغذ یا گتے کی وصلیوں پر لکھ کر زمین پر رکھ دیا جائے اور ایک لڑکے کو کھوجی بنا کر کمرے سے باہر ٹھہرایا جائے اور باقی جماعت کو کوئی فقرہ پڑھا کر اسے دوسرے فقروں میں ملا دیا جائے پھر کھوجی کو اندر بلا کر کہا جائے کہ وہ فقرہ تلاش کرے۔ وہ باری باری ہر فقرے کو پڑھے گا اور طلبہ سے پوچھے گا یہی چور ہے۔ جماعت اس کا جواب ہاں یا نہیں میں دے گی۔ اسی طرح کھوجی تمام فقرے پڑھتا جائے گا۔ جب چور فقرہ پڑھے گا تو سب پکار اٹھیں گے کہ یہی ہمارا چور ہے پھر کسی اور لڑکے کو کھوجی بنایا جائے گا اور وہ کوئی اور فقرہ تلاش کرے گا۔

(۲۴) کتاب میں سے جواب تلاش کرنا

مقصد بچے سوچ سمجھ کر پڑھ لیں۔   عمر ۸ تا ۱۰ سال

پڑھے ہوئے سبق میں سے چند سوال بورڈ پر لکھ دیئے جائیں۔ اشارہ پانے پر تمام لڑکے کتابیں کھول لیں اور خاموشی سے پڑھ کر سوالوں کے جواب تلاش کریں اور اگر ضرورت ہو لکھ دیں۔

(۲۵) کہانی بنانا

مقصد — بچے فقرات میں الفاظ کی ترتیب سمجھ سکیں۔   عمر — ۷ تا ۹ سال

ایک کہانی کے تمام الفاظ کے کارڈ بنا لیے جائیں۔ ایک ایک کارڈ ہر ایک لڑکے کو دے کر ان کو قطار میں کھڑا کر دیا جائے۔ استاد فقرات و الفاظ کی ترتیب سے ایک ایک لفظ بولتا جائے۔ جن جن لڑکوں کے پاس وہ کارڈ ہوں گے۔ وہ بلند آواز سے اس لفظ کو پکارتے ہوئے دوڑیں گے اور استاد کے سامنے قطاروں میں کھڑے ہوتے جائیں گے۔ ہر ایک فقرے کی علیحدہ علیحدہ لائن ہو گی۔

اب مدرس کہانی سنے گا۔ ہر ایک لڑکا اپنے کارڈ پر لکھے ہوئے لفظ کو بلند آواز سے پڑھے گا اور کہانی مرتب ہو جائے گی۔

لکھنے کے کھیل

(۱) انڈا بنانا

مقصد — بچے دائرے والے حروف کی بناوٹ سمجھ سکیں   عمر — ۵ تا ۶ سال

مدرس بچوں کو سیدھا انڈا بنانے کے لیے کہے گا۔ اور تختہ سیاہ پر نمونہ دے گا۔ یعنی دائیں

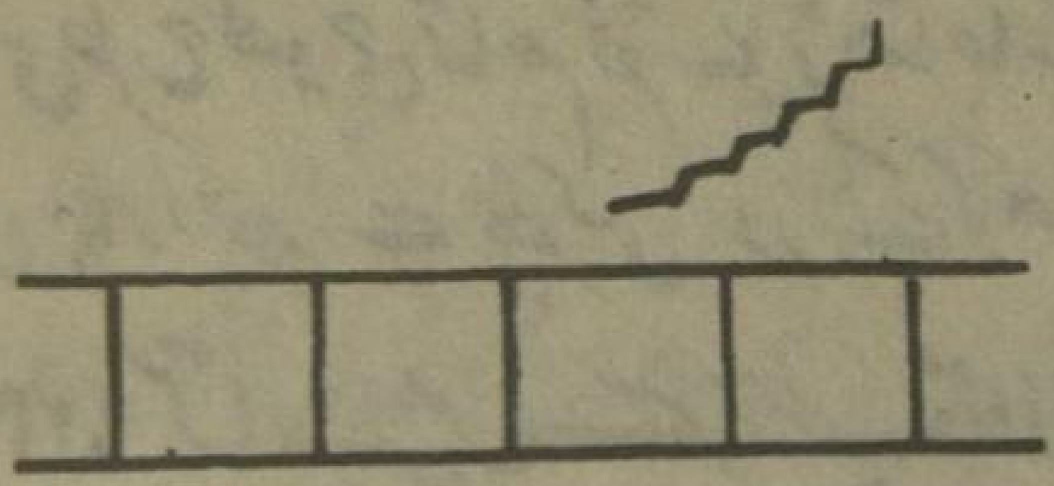
طرف سے بنانا شروع کریں اور قلم کو کسی جگہ راستے میں نہ روکیں اس میں س۔ ص۔ ق۔ ل۔ ن۔ ی میں آنے والے دائروں کی مشق ہوگی۔

اس کے ساتھ ساتھ اُلٹا انڈا بنوانے کی مشق بھی کرائی جائے۔ اس سے اُلٹے دائرے والے حروف کی مشق ہوگی۔ مثلاً ج۔ چ۔ ح۔ خ۔ ع وغیرہ۔

(۲) سیڑھی بنانا

مقصد — بچے حروف کی بناوٹ سمجھ سکیں۔ عمر — ۵-۶ سال

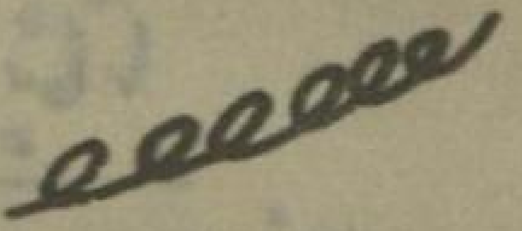
مدرس تختہ سیاہ پر سیڑھی بنا کر دکھائے۔ اور بچوں سے بھی اسی طرح سیڑھی بنانے کے لیے کہے ایسا کرنے سے ا۔ ب۔ ک وغیرہ کی مشق ہوگی۔



(۳) زنجیر بنانا

مقصد — بچے حروف کی بناوٹ سمجھ سکیں عمر — ۵-۶ سال

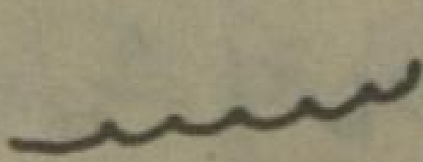
مدرس تختہ سیاہ پر زنجیر بنائے۔ بچے بھی تختیوں پر اسی قسم کی زنجیر بنائیں۔ اس سے س۔ ض۔ ط۔ ظ کی بناوٹ آجائے گی۔



(۴) چاند بنانا

مقصد — بچے حروف کی بناوٹ سمجھ سکیں عمر — ۵-۶ سال

پہلی تاریخ کا چاند تختہ سیاہ پر بنا کر دکھایا جائے پھر بچوں سے بنوایا جائے۔ اس سے س۔ ش کے دندانوں کی مشق ہوگی۔



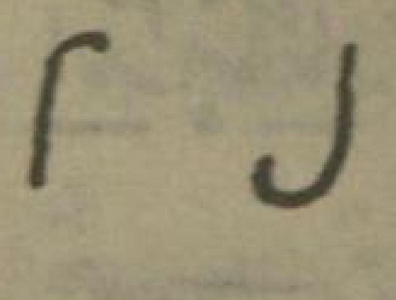
آری بنانے سے بھی یہی مشق ہوگی۔



(۵) ہاکی بنانا

مقصد — بچے حروف کی بناوٹ سمجھ سکیں۔ عمر — ۵-۶ سال

بچوں کو ہاکی دکھائی جائے گی یا اسی شکل کی کوئی اور لکڑی دکھائی جائے جائے اور بچوں سے کہا جائے کہ وہ سیدھی اور اُلٹی ہاکی بنائیں اس کھیل کے ذریعے ل اور م کے جزو کی مشق ہو جائے گی۔



(۶) لفظ پہچاننا

مقصد — بچے الفاظ دیکھ کر لکھ لیں۔ عمر — ۶-۷ سال

تختہ سیاہ پر کسی عبارت کا ٹکڑا یا چند فقرے لکھ دیئے جائیں اور طلبہ سے کہیں کہ اس میں

سے چار یا پانچ ایسے لفظ ڈھونڈھ کر لکھو جو م سے شروع ہوتے ہیں۔ پھر دیکھا جائے کہ کون صحیح لکھتا ہے۔ کتاب کی چند سطریں۔ پیراگراف یا صفحہ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اور حرف بدلے جا سکتے ہیں۔

(۷) حاضری لگانا

مقصد —— بچے نام لکھنا سیکھ لیں   عمر — ۶-۷ سال

جب بچے مدرسے میں باقاعدہ حاضر ہونے لگیں تو انہیں اپنا اپنا نام لکھنا بھی سکھایا جائے جب سب بچے نام لکھنا سیکھ لیں تو تختہ سیاہ پر خانے کھینچ کر اوپر ایک دو تین نمبر لکھ دیتے جائیں۔ بچوں سے کہا جائے کہ جو سب سے پہلے سکول آتے۔ وہ خانہ نمبر ۱ میں چاک سے اپنا نام لکھ دے جو اس کے بعد آتے وہ خانہ نمبر ۲ میں۔ ہر روز اسی طرح مشق کرائی جائے

(۸) چیزوں کے نام لکھنا

مقصد —— بچے اپنے اردگرد کی چیزوں کے نام لکھ سکیں۔   عمر — ۶-۷ سال

دو لڑکے بورڈ پر الگ الگ کھڑے کر دیئے جائیں جب اُستاد ایک۔ دو۔ تین کہے۔ لڑکے جلدی جلدی اپنے اردگرد کی چیزوں کے نام لکھیں۔ وقت مقرر کر لیا جائے۔ دو گروپ بنا کر یہ کھیل کھلایا جا سکتا ہے۔

سکول: گورنمنٹ گرلز ہائی سکول راولپنڈی
جماعت: نہم
مضمون: اُردو
عنوان: نثر (بہرہ شہزادہ)
تعداد طلبہ: ۴۵
اوسط عمر: ۱۴ تا ۱۵ سال
وقت ۳۵ منٹ
تاریخ ۲۲ - ۲ - ۸۶

عنوانات	اشارات سبق	تلخیص تختہ سیاہ
لوازمات	کمرۂ جماعت، جھاڑن، چاک، تختہ سیاہ اور دوسرا ضروری تدریسی سامان	
مدعائے عام	۱۔ طلبہ میں صحیح اُردو بولنے، لکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ (۲) اِن کے ادبی ذوق کی نشو و نما کرنا۔ (۳) اِن کی قوتِ حافظہ اور قوت متخیلہ کی نشو و نما کرنا۔ (۴) طلبہ میں مطالعے کا ذوق پیدا کرنا۔	
مدعائے خاص	طلبہ کو "بہرہ شہزادہ" کے متعلق تفصیل سے پڑھانا۔	
طریقۂ تدریس	گہرا مطالعہ کروایا جائے گا۔ پہلے معلمہ خود نمونہ قرآت پیش کرے گی پھر طالبات سے قرآت کروائے گی۔ تلفظ اور معنی کی مشکلات کا حل پیش کیا جائے گا۔	
سابقہ واقفیت	طالبات بہرہ شہزادہ کے بارے میں پہلے سے کچھ معلومات رکھتی ہیں۔	
تمہید	طالبات کی سابقہ واقفیت کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) (۲)	
اعلانِ سبق	طالبات کو بتایا جائے گا کہ آج ہم "بہرہ شہزادہ" کے متعلق پڑھیں گے اور عنوان تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔	"بہرہ شہزادہ"
استحضار	طالبات کی آسانی کے لیے سبق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔	

پہلا قدم

نفسِ مضمون

بمبئی کا مشہور تاج محل . . . . . . یہ سُن کر مہاراجہ نے سر جھکایا

معلمہ پہلے خود طالبات کے سامنے نمونہ قرأت پیش کرے گی۔ دورانِ قرأت اوصاف خوش الحانی کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ پھر کم از کم دو طالبات سے قرأت کروائی جائے گی۔ وہ الفاظ جن کا تلفظ طالبات غلط ادا کریں گی انہیں تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔ پھر دیگر طالبات کی مدد سے تلفظ کی اصلاح اعراب لگوا کر کی جائے گی۔ امکان ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ درست کروایا جائے گا۔

اہتمام۔ عمارت۔ مبہوت۔ برجستہ۔ عقل و فہم

اعراب

اِہْتِمَام۔ بَرجَستَہ

عِمَارَت۔ مَبْہُوت

عَقْل و فَہْم

مشکل الفاظ و محاورات کے معنی طالبات کی مدد سے کروائے جائیں گے اور انہیں تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔ امکان ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتائے جائیں گے

ہکا بکا رہ جانا۔ آہ زادہ، معتوب۔ لاچار۔ فرشی سلام

الفاظ	معانی
ہکا بکا	حیران
آہ زادہ	بدقسمت
معتوب	جس پر غصہ ہو
لاچار	مجبور
فرشی سلام	زمین تک جھک کر سلام

جزوی اعادہ

طالبات کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔

(۱) بہرہ شہزادہ کون تھا۔

(۲) وہ ہوٹل کے مہمانوں کی بات کا مطلب کیسے سمجھتا تھا۔

(۳) مہاراجہ بہاونگر خانساماں کی کس بات سے متاثر ہوئے۔

دوسرا قدم

نفسِ مضمون

بعد میں قسمت بیگ نے اپنا حال سناتے ہوئے کہا . . . .

ایک ہزار روپیہ منیجر کے ذریعے مل جایا کرے گا۔

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختۂ سیاہ
	نمونۂ قرأت : پہلے قدم والا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ امکان ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی اعراب لگوا کر بتائے جائیں گے اور انہیں تختۂ سیاہ پر لکھا جائے گا۔	
	تفہیمِ عبارت : پہلے قدم کی طرح طالبات سے معنی اخذ کروائے جائیں گے۔ مشکل الفاظ و محاورات کے جملے بنوائے جائیں۔ الفاظ کے معنی اور جملے تختۂ سیاہ پر لکھے جائیں گے۔ اختصار۔ داستان، ہمراہ ۔ دانائی ۔ ادنیٰ ۔	الفاظ — معانی اختصار — مختصر داستان — کہانی ہمراہ — کیساتھ دانائی — عقلمندی ادنی — بہت چھوٹا

الفاظ	جملے
اختصار	شہزادے نے اپنی داستان اختصار سے بیان کی۔
داستان	بڑھیا کی داستان سن کر لوگوں نے اس کی مدد کی۔
ہمراہ	میں اپنی خالہ کے ہمراہ کراچی گئی۔
دانائی	علامہ اقبال کے سارے کلام میں دانائی کی باتیں بتائی گئی ہیں۔
ادنیٰ	آنحضرت کے دربار میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہوتے تھے۔

عنوانات	اشاراتِ سبق
جزوی اعادہ	طالبات کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت شہزادے کی عمر کیا تھی؟ (۲) ہوٹل کے ملازموں کا قسمت بیگ کے متعلق کیا خیال تھا؟ (۳) انگریز افسر نے قسمت بیگ اور اس کی ماں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ (۴) قسمت بیگ کی باتیں سن کر مہاراجہ نے ٹھنڈی سانس کیوں بھری؟
کُلی اعادہ	طالبات کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے پورے سبق میں سے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) یہ کہانی کس نے لکھی؟

تلخیص تختہ سیاہ	اشاراتِ سبق	عنوانات
	(۲) بہرہ شہزادہ کون تھا؟ (۳) وہ ہوٹل کے مہمانوں کی بات کس طرح سمجھتا تھا؟ (۴) انقلاب کے وقت قسمت بیگ کی عمر کیا تھی؟ (۵) ہوٹل کے ملازموں کا قسمت بیگ کے متعلق کیا خیال تھا۔ (۶) اس کہانی کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ (۷) ہکابکا رہ جانا۔ برجستہ۔ دانائی۔ اختصار اور ادنیٰ کو جملوں میں استعمال کریں۔	
	طالبات سے کہا جاتا ہے کہ خواجہ حسن نظامی کی کہانی "بہرہ شہزادہ" کا خلاصہ گھر سے لکھ کر لائیں۔	تفویض کار

سکول : گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور

جماعت : نہم

مضمون : اُردو

عنوان : نظم

تعداد طلبہ : ۴۵

اوسط عُمر : ۱۴تا۱۵سال

وقت : ۳۵ منٹ

تاریخ : ۲۰-۲-۸۶

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختہ سیاہ
لوازمات	عام کمرہ جماعت اور ضروری سامان۔ تختہ سیاہ، چاک، جھاڑن اور سبق سے متعلقہ ضروری سامان۔	
مدعائے عام	(۱) طلبہ کے ادبی ذوق کی نشوونما کرنا۔ (۲) نظم کی موسیقیت سے جمالیاتی ذوق کی تربیت کرنا۔ (۳) شعروشاعری سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ (۴) قومی زبان کی ترقی اور احترام کا جذبہ پیدا کرنا۔ (۵) طلبہ میں صحیح اُردو بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔	
مدعائے خاص	طلبہ کو مولانا حالی کی نظم "سچے مسلمان" اس طرح پڑھانا کہ اس کا مفہوم اِن کو بخوبی سمجھ آجائے۔	
طریقۂ تدریس	گہرا مطالعہ کروایا جائے گا۔	
سابقہ واقفیت	طلبہ سے مولانا حالی کی پڑھائی گئی نظموں کے متعلق پوچھا جائے گا کیونکہ وہ اِن کی خصوصیات سے واقف ہیں۔	
تمہید	طلبہ کی سابقہ واقفیت کا جائزہ لینے اور نئے سبق سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) مولانا حالی کا پورا نام کیا ہے؟ (۲) مولانا حالی کی دو مشہور نظموں کے نام بتائیں۔	

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختہ سیاہ
اعلانِ سبق	طلبہ کو بتایا جائے گا کہ آج ہم مولانا حالی کی نظم سچے مسلمان پڑھیں گے اور عنوان تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔	"سچے مسلمان"
استحضار	نظم چونکہ لمبی ہے اس لیے طلبہ کی سہولت کے لیے سبق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔	
پہلا قدم	نظم کا مندرجہ ذیل حصہ پڑھایا جائے گا۔ بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے نشاں جس سے قائم ہیں صدق و صفا کے نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے نمائش سے بیزار دُشمن ریا کے ریاضت سب اِن کی خدا کے لیے ہے مشقت سب اِن کی رضا کے لیے ہے ا۔ سب سے پہلے معلم خود درست تلفظ کے ساتھ قرأت کرے گا اور زیر و بم کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ دوران قرأت اوصاف خوش الحانی کو مدنظر رکھا جائے گا۔ پھر کم از کم دو طلبہ سے قرأت کروائی جائے گی۔ طلبہ کی مدد سے مشکل الفاظ کے معنی اخذ کروائے جائیں گے اور انہیں تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔ دورانِ تدریس طلبہ کو ٹوکا نہیں جائے گا۔ اِن کے تلفظ کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ امکان ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ درست کیا جائے گا۔ صدق۔ صفا۔ ریاضت۔ مشقت۔ ثنا۔ مخلص ب۔ مشکل الفاظ کے معنی تختہ سیاہ پر لکھے جائیں گے پہلے طلبہ سے اشعار کی تشریح کروائی جائے گی۔ پھر معلم خود اشعار کی تشریح کرے گا مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کے معنی بتائے جائیں گے۔	صِدق۔ صَفَا رِیَاضَت۔ ثَنَا مُشَقَّت مُخلِص الفاظ — معانی مخلص — سچا صدق — سچائی صفا — پاکیزگی خواہاں — خواہشمند
جزوی اعادہ	طلبہ کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیجئے	

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختۂ سیاہ
	جائیں گے (۱) شاعر نے کن لوگوں کو خدا کا بندہ کہا ہے (۲) خدا کے بندوں کے کیا اوصاف ہیں۔ (۳) یہ نظم کس نے لکھی؟	طالب مانگنے والا ثناء تعریف
دوسرا قدم	مندرجہ ذیل حصہ نظم پڑھایا جائے گا۔ بنتِ نوعِ انساں کے غم خوار و یاور ہوا خواہ ملت یہ اندیش کشور شدالّا کے دریائے خوں میں شناور جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر ہر اک قوم کی ہست و بود اِن سے ہے یاں سب اِس انجمن کی نمود اِن سے ہے یاں ا۔ پہلے قدم والا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ امکاں ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر درستی کروائی جائے۔ غم خوار۔ یاور۔ کشور۔ شدالّا۔ شناور، ہست و بود، نمود ب۔ طلبہ کی مدد سے امکان ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کے معنی بتائے جائیں گے۔	اعراب غم خوار۔ یاور کشور۔ شدالّا شناور۔ نمود ہست و بود الفاظ معانی
جزوی اعادہ	طلبہ کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) انسانیت کا ہمدرد کسے کہا گیا ہے؟ (۲) کسی قوم کی حیات و بقا کا دارومدار کس بات پر ہے	نوع انساں بہ اندیش شدالّا
کلی اعادہ	پوری نظم سے سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) یہ نظم کس نے لکھی؟ (۲) شاعر نے کن لوگوں کو خدا کا بندہ کہا ہے؟ (۳) خدا کے بندوں کے کیا اوصاف ہیں۔ (۴) کسی قوم کی حیات و بقا کا دارومدار کس بات پر ہے۔	پر آشوب لنگر نمود شناور ہست و بود
استحسان	نظم کا استحسان مندرجہ ذیل سوالات سے کرایا جائے گا۔	

عنوانات	اشارات سبق	تلخیص تختہ سیاہ
	(۱) شاعر نے کن لوگوں کو خدا کا بندہ کہا ہے ؟ (۲) خدا کے بندوں کے کیا اوصاف ہیں ؟ (۳) یہ نظم کس نے لکھی ؟ (۴) اس نظم کو سب بچے مل کر گائیں۔	
تفویض کار	طلبہ سے کہا جائے کہ پہلے بند کی تشریح گھر سے کر کے لائیں اور نظم کو زبانی یاد کریں۔	

سکول : اسلام آباد ماڈل سکول اسلام آباد

جماعت : نہم

مضمون : اُردو

عنوان گرائمر

تعداد طلبا : ۴۵

اوسط عمر : ۱۴ تا ۱۵ سال

وقت ۳۵ منٹ

تاریخ ۲۴-۲-۸۶

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختہ سیاہ
لوازمات	کمرۂ جماعت، تختہ سیاہ، جھاڑن، چاک دیگر ضروری سامان اور چارٹ وغیرہ	
مدعائے عام	(۱) طلبہ کو اُردو زبان کے قواعد بتانا (۲) اُردو زبان کا یقین دلانا (۳) لسانی اغلاط سے آگاہ کرنا۔ (۴) درست تقریر و تحریر کے قابل بنانا۔	
مدعائے خاص	طلبہ کو اسم کی اقسام بتانا اور اسم نکرہ کے متعلق تفصیل سے پڑھانا۔	
طریقۂ تدریس	طریقۂ تدریس استقرائی اور اخذی اختیار کیا جائے۔	
سابقہ واقفیت	طلبہ اس سے پہلے اسم کی اقسام کے بارے میں پڑھ چکے ہیں	
تمہید	طلبہ کی سابقہ واقفیت کا جائزہ لینے اور نئے سبق سے روشناس کرانے کے لیے اِن سے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔ (۱) اسم کسے کہتے ہیں (۲) اسم کی چند ایک مثالیں بتائیں	
اعلانِ سبق	طلبہ کو بتایا جائے گا کہ آج ہم "اسم معرفہ" کی اقسام پڑھیں گے اور عنوان تختہ سیاہ پر لکھا جائے گا۔	"اسمِ معرفہ"
استحضار	طلبہ کی آسانی کے لیے سبق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ (۱) اسم معرفہ، اسمِ نکرہ (۲) اسم معرفہ کی اقسام	

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختہ سیاہ
	(۳) مسلمان ہر سال خانہ کعبہ میں حج ادا کرتے ہیں۔	
	طلبہ سے کہا جائے گا کہ مندرجہ بالا جملوں میں سے اسمِ معرفہ الگ کریں۔	
	اسمِ علَم۔ "وہ اسم جو کسی شخص کی پہچان دے۔ اس کے لفظی معنی نشان کے ہیں مثلاً شمس العلماء، رستمِ زماں، قائدِ اعظم	جو کسی شخص کی پہچان دے مثلاً ......
	اسمِ ضمیر۔ "وہ اسم ہے جو کسی اسم کی جگہ بولا جائے یا جس کے ذریعے کسی چیز یا شخص کی طرف اشارہ کیا جائے مثلاً وہ، تم، اِن، میں، ہم"	جو کسی اسم کی جگہ بولا جائے مثلاً ......
	(۱) وہ نادیہ ہے (۲) تم کہاں جا رہے ہو؟	
	(۳) ہم سبق پڑھ رہے ہیں۔	
	اسمِ اشارہ۔ وہ اسم جسے کسی شخص، جگہ یا چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا جائے مثلاً وہ لڑکا، اس کی بہن، یہ سڑک"	جو کسی شخص، چیز یا جگہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال ہو مثلاً ....
	(۱) وہ تمہارا بھائی ہے (۲) یہ اس کی بہن ہے۔	
	(۳) یہ درخت میں نے لگایا ہے۔	
	اسمِ موصول۔ وہ اسم کہ جب تک اس کے ساتھ ایک اور اسم نہ لگایا جائے معنی نہیں دیتا مثلاً جو کچھ، جس، میں، کو وغیرہ"	جس کے ساتھ دوسرا جملہ لگائے بغیر معنی پورے نہ ہوں مثلاً ......
	(۱) جو بوؤ گے وہی کاٹو گے (۲) تمہیں کس نے مارا	
	(۳) جس کا کام اسی کو ساجھے۔	
جزوی اعادہ	طلبہ کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔	
	(۱) اسمِ علم کسے کہتے ہیں؟	
	(۲) میں قرآن پڑھ رہی ہوں۔ کونسا جملہ ہے؟	
	(۳) کوئی ایسا جملہ بنائیں جس میں اسمِ اشارہ آتا ہو۔	
	(۴) ذیل کے جملوں میں اسمِ موصول الگ لکھیں	

پہلا قدم	طلبہ کو اسمِ معرفہ سے متعارف کرانے کے لیے مندرجہ ذیل جملے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں گے۔ (۱) پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ (۲) شاہی قلعہ شاہ جہاں نے تعمیر کروایا۔ (۳) فرخندہ قرآن پڑھ رہی ہے۔ طلبہ سے پوچھا جائے گا کہ اِن جملوں میں اسم تلاش کریں۔ پھر طلبہ کی مدد سے اسمِ معرفہ کی تعریف اخذ کروائی جائیگی۔ اسمِ معرفہ: مندرجہ ذیل جملوں میں سے اسم معرفہ کی تعریف اخذ کروائی جائے گی۔ (۱) آنحضورؐ مکّہ میں پیدا ہوئے۔ (۲) قائداعظم بانیٔ پاکستان تھے۔ (۳) اپالو گیارہ چاند پر اترا تھا۔ طلبہ سے پوچھا جائے گا کہ اِن جملوں میں۔ آنحضورؐ، مکّہ، قائداعظم، پاکستان اور اپالو گیارہ گرامر کی رُو سے کیا ہیں؟ اس کے بعد طلبہ سے اسمِ معرفہ کی تعریف کروائی جائیگی۔ "اسمِ معرفہ وہ اسم ہے جس میں کسی خاص چیز، جگہ یا شخص کا نام پایا جائے مثلاً قرآن مجید، پاکستان، مولانا محمد علی جوہر۔	پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ شاہی قلعہ شاہجہاں نے تعمیر کروایا۔ فرخندہ قرآن پڑھ رہی ہے۔
جزوی اعادہ	طلبہ کی فہم کا جائزہ لینے کے لیے معلم مندرجہ ذیل سوالات کرے گا۔ (۱) پہلے جملے میں گرامر کی رو سے پاکستان کیا ہے؟ (۲) مکہ، قائداعظم اور اپالو گیارہ گرامر کی رو سے کیا ہیں۔ (۳) اسم معرفہ کی تعریف کریں۔ طلبہ کو مثالیں بتا کر اسم معرفہ کی اقسام اخذ کروائی جائیں۔ (۱) اسلام آباد پاکستان کا دارالحکومت ہے۔ (۲) فریال قرآن پاک پڑھ رہی ہے۔	

عنوانات	اشاراتِ سبق	تلخیص تختہ سیاہ
	اس کو پانی دو۔ میں نے رسالہ پڑھا۔ اس میں کیا ہے ؟	
کلی اعادہ	معلم اپنی تدریس کا جائزہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کرے گا۔ (۱) گرائمر کی رُو سے پاکستان کیا ہے ؟ (۲) اسم معرفہ کی تعریف کریں۔ (۳) اسم علم کسے کہتے ہیں مثال دے کر واضح کریں۔ (۴) کوئی ایسا جملہ بنائیں جس میں اسم اشارہ آتا ہو ۔ (۵) میں قرآن پڑھ رہی ہوں۔ کون سا جملہ ہے ؟	
[illegible] کار	طلبہ سے کہا جائے کہ وہ اسم معرفہ کی اقسام مع امثال لکھکر لائیں	

کتابیات

(۱) ڈاکٹر سلیم فارانی، اردو زبان اور اس کی تدریس، پاکستان بک سٹور اردو بازار لاہور
(۲) ڈاکٹر مظفر حسن ملک و دیگر، اردو زبان اور اسکی تدریس، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
(۳) افضل حسین، فن تعلیم و تربیت، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
(۴) ڈاکٹر اصغر علی شیخ و دیگر، علم التعلیم، تعلیمی مرکز اردو بازار لاہور
(۵) جاوید اقبال و دیگر، علم التعلیم، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
(۶) آئی ایچ سلیمانی، تدریس اردو، تعلیمی مرکز اردو بازار لاہور
(۷) ڈاکٹر فرمان فتحپوری، تدریس اردو، مکتبہ جامع تعلیم ملی کراچی
(۸) عبدالحمید، تدریس اردو، ایڈوائزری بورڈ فار بکس لاہور
(۹) ایس ایم شاہد، تعلیمی نفسیات، گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور
(۱۰) یونس حسن چراغ، مادری زبان کی تعلیم، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی
(۱۱) ایڈگر ڈیل مترجم عبدالغفور، تدریس کے سمعی و بصری طریقے، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور